

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224915**

UNIVERSAL  
LIBRARY





عالم الصغائر

سعد بن مسعود بن





# معلم سیاست

کتاب سیاست مدن بطرز جدید یعنی تجربہ جان اسٹوارٹ مل صاحب جمہ تمام ممالک یورپ  
میں آج کے دن تک معلم راے سیاست مدن اور پولیٹیکل اکیڈمی کے خطاب سے نام آور ہیں  
جس میں

سیاست مدن اور پولیٹیکل اور اسٹوارٹ مل اور کلیات علی بالخصوص رپرنٹنگورنٹ میں نیا چابی  
گورنٹ کی حقیقت اور اسکے لوازم اور شرائط ضروریہ کو یہ تفصیل مدلل بیان کیا ہے  
جس کو

عالم باکمال علم انگریزی و عربی و فارسی مولوی ابوالحسن صاحب سابق عمدہ دارمشرستہ تعلیم  
حال ترجمہ انجمن ہند صوبہ اودھ نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ فرمایا واسطے افادہ شائقین  
علوم جدیدہ و قدروانان فلسفہ سیاست کے

جو سابق میں حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر بغور رغبت خریداران و ازدیاد خواہش متقاضان  
ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا تھا اب اصل قدروانان علم

بار دوم

مطبع نامی منشی نو شوق واقعہ مین حسن و خوش بی طبع

۹۳۳ عیسوی

اطلاع - اس مطبع میں ہر علم و فن کی کتب کا ذخیرہ سلسلہ وار فروخت کیلئے موجود ہے جو جکی نہرت مطول ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے مل سکتی ہے جسکے معائنہ و ملاحظہ سے شائقان اصلی حالات کتب کے معلوم فرما سکتے ہیں قیمت بھی ارزان ہے اس کتاب کے ٹیٹل بیچ کے تین صفحے جو سادے ہیں ان میں بعض کتب لصلاح و اخلاق وغیرہ کی طرح کرتے ہیں تاکہ جس فن کی یہ کتاب ہے اس فن کی اور بھی کتب موجودہ کار خاں سے قدر دانوں کو آگاہی کا ذریعہ حاصل ہو

<p>شرح گاتان - از ملا اکرم ملتانی -          شرح گلستان - مسمیٰ بریاض رضوان          جسکا ترجمہ بھی چھپا ہے -          شرح گلستان - از شیخ ولی محمد اکبر آبادی          شرح گلستان بنام خیابان از شیخ آرزو پور          بہار باران - شرح گلستان - از مولوی          فیاض الدین مصنف غیاث اللغات معروض          تفسیر گلستان - سعدی از ہر گویاں تفسیر          بہار بوستان شرح ٹیکچند بہار -          گلستان حکیم قاضی بجاوب گلستان سعدی          بہارستان جامی - بطرز گلستان سعدی          خارستان - ملا محمد الدین خوانی تفسیر          جدید ہم پہلو سے گلستان سعدی -</p>	<p>کتب نصح و اخلاق حکیمانہ فارسی          گلستان سعدی علیہ الرحمۃ بخشی معرہ          بخشی شمس الدین اعجاز رقم جلی قلم -          گلستان - ایضاً اوسط قلم بالقصور و          ٹیٹل رنگین مطبوعہ ستم -          ایضاً مطبوعہ ستم -          گلستان بخشی متوسط قلم بہ مراتب بالا          مع فرنگ -          گلستان بخشی خود -          گلستان ترجمہ - بہتر ترجمہ اردو تحت لفظی          گلستان - جلی قلم اور خوشی کا اردو          زبان میں ترجمہ بجانب مطبع نہایت نافع          و مفید عام پسند ہوا -</p>
--	---

# مسلم سیاست

## دیباچہ

جن صاحبوں نے میری تصنیفات سابق کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ اس سال میں کوئی نئی بات نہ دیکھیں گے کیونکہ اصول تو وہی ہیں جسکی اشاعت میں ایک بڑا حصہ میری عمر کا گزرا ہے اور اکثر عملی تجویزیں وہ ہیں جنکو اور لوگ لکھ چکے ہیں یا خود میں بیان کر چکا ہوں اس رسالہ میں نئی بات البتہ یہ کی ہے کہ ان تجویزوں کو کجا کر کے سلسلہ وار بیان کیا ہے اور انکے ثبوت میں جو دلیلین لکھی ہیں وہ بھی میرے نزدیک اکثر نئی ہیں۔ بہر کیف چند رائیں جو اس رسالہ میں لکھی ہیں اگرچہ نئی نہیں مگر آج کل انکے مقبول خلاق ہونے کا احتمال ایسا ضعیف ہے کہ گویا وہ نئی ہیں۔

تاہم اکثر علامات سے علی الخصوص ان مباحث سے جو چند روز ہوئے ہیں کہ پارلیمنٹ کی اصلاح پر ہوئے ہیں مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ لبرل اور کنسرویٹو دونوں ان پولیٹیکل مذاہب کا اعتقاد جاتا رہا ہے جسکا اقرار وہ صریح برائے نام کرتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ انہیں کسی فریق نے اس سے بہتر پولیٹیکل مذہب اختیار کرنے کی فکر نہیں کی ہے حالانکہ ایسے مذہب کا ہونا ممکن ہے اور انکی کیفیت یہ نہیں ہے کہ

فریقین کے، اختلاف کو رفع کر کے ایک مصاحفہ کی صورت نکال لی گئی ہے بلکہ اُسکی صفت یہ ہے کہ وہ اُن دونوں مذہبوں سے زیادہ جامع و مانع سے اور اُسکی مہجیت اسکے مقتضی ہے کہ لبرل یا کنسر ویٹو اُسکو اختیار کر سکتے ہیں بغیر اسکے کہ جس چیز کو وہ اپنے خاص مذہب میں عمدہ خیال کرتے ہیں اُسکو ترک کر دینا لازم آئے۔ جب اکثر لوگوں کو ایسے مذہب کے نہونے کا ایک مبہم خیال ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بجائے خود خوش ہوتے ہیں کہ ہم اُسکو پا گئے ہیں تو ہر شخص کو اختیار ہے کہ ایسے مذہب کو قائم کرنے کے لیے جو کچھ اُسکے دل میں آئے یا جو عمدہ باتیں وہ اوروں کے اقوال میں دیکھتے اُنکو بہ تکلف معرض تحریر میں لائے فقط

جان سٹوارٹ مل

اپریل ۱۸۶۷ء

## التاسع مترجم

اسکا انکار کوئی نہیں کر سکتا ہے کہ پولیٹیکل سائنس یعنی فن سیاست ہمارے علوم قدیمہ میں موجود ہے۔ اور سنسکرت میں انکوراچ نیت اور عربی میں سیاست کہتے ہیں۔ لیکن اور علوم کی طرح یہ علم بھی ہم لوگوں میں صرف برائے نام کتابوں میں لکھا گیا اور پرانے دھرانے اصول اور کلیات سیاست جو کتابوں میں لکھے ہیں اول تو انکا عملدرآمد ایک معقول و محدود طور سے اور قواعد کی پابندی کے ساتھ ہمارے ملک میں کیا کسی انیشیائی ملک میں کبھی نہیں ہوا اور اگر شاہ کبھی کسی بادشاہ یا راجہ کے عہد میں ہو تو اسکے اثر کو زائل ہوئے قرن کیسے صدیاں گزر گئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اکثر اصول و کلیات سیاست قدیم سلطنت شخصی سے تعلق ہیں اور یہ زمانہ سلطنت نوعی کی ترقی کے لیے علی الخصوص وہ ملک جبکہ محکوم اور تابع ہمارا ملک ہے سلطنت نوعی کے اصول کا ماخذ اور جہن جہن ہے اور مثل مشہور ہے کہ خبر یوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بگڑا ہے اور الکائنس علیٰ دین ملکی کھینچو انگریزی تعلیم کی ترقی کے ساتھ سلطنت نوعی کے خیالات ہمارے ملک میں شائع ہوتے جاتے ہیں اگرچہ بے انتہا اور شدید اختلافات قومی و مذہبی وغیرہ کے سبب سے ہندوستان میں صلاحیت اس قسم کی سلطنت کی نہیں ہے اور صد ہا برس تک منہ کی بہر کیف ہم لوگوں کو ان اصول اور قواعد

سیاست سے واقف ہو جانا ضرور ہے جو مالک یورپ اور امریکائی جمہور اور  
 ولایت انگلستان میں خصوصاً جاری ہیں اور یہ مقصد اس نایاب کتاب سے بخوبی  
 برآتا ہے کیونکہ یہ کتاب تمام کلیات سیاست جدید پر حاوی ہے اور اس فن لطیفہ  
 متعلق کوئی مضمون فرو گذاشت نہیں ہوا ہے مگر آئین فقط علم سیاست سے بمقابلہ عمل کے  
 بحث کی ہے اور دلائل عقلی سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سلطنت جمہوری یا نوعی یا جماعتی  
 گورنمنٹ یا اور جس لفظ سے وہ سلطنت تعبیر کی جائے حسین قوم ایک جنیت سے پادشاہ اور  
 دوسری جنیت سے رعیت کی محبت سے حاکم اور دوسری جہت سے محکوم ہو بہترین  
 اقسام سلطنت ہے۔

اس کتاب کے ترجمہ میں مترجم کو سخت وقین جدید اصطلاحات انگریزی کے  
 ترجمہ میں پیش آئیں کیونکہ یہ فن سیاست ہی ہمارے ملک میں نہیں ہے تو اسکے اصطلاحات  
 ہماری زبان میں کہاں سے آئیں اور بندہ ان مترجموں میں نہیں ہے جو غیر متعارف  
 انگریزی الفاظ کو بعینہ اردو میں نقل کر کے ہماری پیاری زبان کی مٹی خراب کرتے ہیں  
 ترجمہ میں راقم کی عادت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تا ہے ہندی کی چندی کرتا ہے۔  
 تاہم مقام غور و انصاف ہے کہ انگریزی زبان ایک بجز خارا اور دریائے ناپید اکنار  
 اور ہماری اردو زبان اُسکے مقابل میں ایک کوزہ اور فن سیاست جدید ایک نیا فن  
 پس اس فن کی کتاب کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنا گویا لوہے کے جینچا نا ہے  
 اور ترجمہ بھی ایسا کہ اقل مراتب سمجھ میں تو آجائے۔ مگر باوجودیکہ کل لغات اور توضیح اصطلاحات  
 انگریزی میں اہتمام لینے کیا گیا تاہم اعلام اور اشارات تاریخی سے کیا چارہ تھا وہ مجھ سے  
 نقل کر دیے گئے افسوس ہے مترجم کو افکار و خیالی اور اشغال ضروری سے

انتی فرصت نہ ملی اور نہ اتنا مصالح ہم پہنچا کہ جن جن واقعات تاریخی کا یورپ اور امریکا کی تواریخ قدیم اور جدید سے اس کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے انکو اصل کتب تواریخ میں کچھ کم مفصل اور سلسل بیان کرتا لیکن خیر اگر اس کتاب کی آیت یہ نوبت آئی اور سبب ضروری جمع ہو گئے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقص آئینہ دفع ہو جائیگا۔

ناظرین باتکین میں سے جن صاحبوں کو مولے شعر شاعری اور داستان غیرہ یا مذہبی مضامین کے اور کسی قسم کے مضمون کا شوق اور مذاق ہی نہیں ہے اُنسے تو عجوبہ ہی ہے ورنہ اکثر حضرات جنگو اخبار میں کی عادت اور کتب میں کا شوق ہے اور جو اس زمانہ کے رنگ کو سمجھتے ہیں یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس عالمی دماغ اور بلند خیال اور بڑبڑ قوم کے یہ قدرت میں احکم الحاکمین نے عمان سلطنت ہندوستان میں مئی ہے اسکی سوشل اور پولیٹیکل حالات یعنی اسکی طرز معاشرت اور اسلوب سیاست سے واقف ہونا چاہتے ہیں اُنکے واسطے یہ رسالہ نہایت دلچسپ اور نافع ہے اور سچ پوچھیے تو آج کل یہ کتاب فی الواقع ایک نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ اسکے مضامین کو بامعان نظر دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے ہندوستانی مجبان وطن اور مصلحان ملک کے پولیٹیکل خیالات اور تجویزات کیسی ہیں اور کمانٹک عمل پذیر ہیں اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو بھی ہماری زبان اسکی محتاج ہے کہ اس زمانے میں ایسی تالیفات کتاب کا ترجمہ ہماری زبان میں شامل کیا جائے کیونکہ ایسے ہی علمی کتابوں کے نہونے کی وجہ سے ہماری اردو زبان دنیا کے وسیع علمی زبانوں میں نہیں شمار کی جاتی ہے اور جب ہماری مادری زبان میں علوم جدیدہ نہیں ہیں تو ان علوم کی ترقی ہمارے ملک میں کیونکر ممکن ہے۔



بالآخر عالیجناب علی القاب نقا و مضامین۔ کثات رموز قوانین۔ مدبر جمیل  
 محقق نبیل۔ جامع الحسنات الخفی والجبلی منشی محمد امتیاز علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی  
 وزیر اعظم ریاست بھوپال کے نام نامی اور اسم گرامی سے اس کتاب کو زیب و زینت  
 اور ترجمہ کو شرف و افتخار بخشا گیا ع اگر قبول افتد زہر عذو شرف فقط

الملمت

اقل الناس سید ابوالحسن مترجم انجمن ہند  
 مقام لکھنؤ۔ اپریل ۱۳۱۷ھ



# معلم السیاست

## پہلا باب

اس بیان میں کہ گورنمنٹ یعنی حکومت کے اقسام کہاں تک پسند  
موقوف ہیں

گورنمنٹ یعنی حکومت کے اقسام کے باب میں جسے قول ہیں انہیں کم بیش  
سلامت اُن دو متضاد مسئلوں کی جو پولیٹیکل سسٹیمز یعنی ایکٹن سیاست کے  
متعلق ہیں پائی جاتی ہے یا اس مضمون کو ان الفاظ سے بیان کرنا بہتر ہے کہ دو متضاد  
خیال اس امر کی نسبت کہ پولیٹیکل سسٹیمز کیا چیز ہے۔

اس لفظ ان سسٹمز کے بہت معانی ہیں اور ہر معنی کی تخصیص اُس صفت سے ثابت ہوتی ہے  
جو اس لفظ کے پیشتر آتی ہے۔ مثلاً سوشل سسٹیمز۔ قومی دستورات مثل نادری یاہ وغیرہ پولیٹیکل سسٹمز  
کالج اسکول یونیورسٹی وغیرہ پولیٹیکل سسٹیمز۔ شفا خانے دواخانے وغیرہ۔ چیریٹیبل سسٹمز۔  
خیرات خانے وغیرہ۔ علیٰ ہذا القیاس پولیٹیکل سسٹیمز۔ آئین و قوانین سیاست جنہیں پارلیمنٹ۔  
کونسلین۔ انتظامی کمیٹیاں اور سب قسم کے ملکی دستورات و ملحقات داخل ہیں اس کتاب میں اکثر مقامات  
اس لفظ کا ترجمہ آئین سیاست کیا گیا ہے۔ ہر جہاں یہ ترجمہ اس لفظ کے جملہ معانی پر حاوی نہیں ہے لکن خیر کچھ مضمون تو  
اس کا ادا ہو جاتا ہے اور اس سے بہتر لفظ اس معنی میں ہماری زبان میں نہیں ہے اور اصل انگریزی الفاظ کو  
بجائے ترجمہ میں بلا ضرورت نقل کر دینا راقم کے نزدیک ہماری زبان کو عارت کرنا اور عوام اُن ناظرین کو جو انگریزی  
زبان سے نہیں واقف ہیں اور جنکی خاطر یہ شفقت شاقہ کی گئی ہے حیران و پریشان کرنا ہے ۱۲ مترجم

بعض آدمیوں نے فن سیاست کو محض ایک فنِ عملی تصور کیا ہے جہیں فنِ عقل و اغراض سے بحث کی جاتی ہے اور کسی چیز سے بحث نہیں کی جاتی۔ ہے اور انسانِ سلطنت کو دیگر تدبیرات سے مشابہ کیا ہے جو انسانی اغراض کو حاصل کرنے کے لیے کی جائیں اور انکو ایک اختراعِ عقلِ انسانی کا قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ چونکہ اقسامِ سلطنت کا موجد یعنی بنانے والا انسان ہے لہذا انکو اختیار ہے کہ انکو بنا لے یا نہ بنا لے یا جیسا یا جس نمونہ کے موافق چاہے بنا لے۔ اس قول کے موافق حکومت ایک ایسا مسئلہ ہے جسکی تعمیل اور کسی کار و بار دنیا کے مانند ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ مشترک لازم ہے کہ ان مقاصد و اغراض کی تعریف کی جائے جنکو انجام اور قریٰ دنیا کو منتقل کرنا واجب ہے اُسکے بعد تحقیق کیا جائے کہ کس قسم کی گورنمنٹ سب سے زیادہ قابلیتِ ان مقاصد کو بر لانے کی رکھتی ہے۔ جب ان دونوں باتوں سے اطمینان ہو جائے اور یہ دریافت ہو جائے کہ کس قسم کی سلطنت سے سب سے زیادہ نفع اور سب سے کم نقصانِ خلاق کا مقصور ہے تو اب یہ امر باقی رہے گا کہ جو اسے ہماری اس باب میں بجائے خود قرار پائی ہے اس میں اپنے ہم وطنوں کا یا ان لوگوں کا جنکے لیے اس قسم کی حکومت مطلوب ہے اتفاق حاصل کریں۔ جو محققین فلسفہ سیاست کا یہ قول ہے انکے ذہن میں ان خیالات نے سلسلہ وار خطور کیا ہے کہ سب سے عمدہ حکومت کیونکر مل سکتی ہے تاہم اور لوگوں کو کیونکر یہ سمجھا سکتے ہیں کہ سب سے عمدہ حکومت یہی ہے اور جب یہ بات اُنکے ذہن میں راسخ کر چکیں تو اُنکے طبائع کو مشتاق کرنے کی کیا تدبیر ہے کہ وہ اُسی قسم کی حکومت کے طالب ہوں محققین موصوفین ہر قسم کے گورنمنٹ کو دیا ہی سمجھتے ہیں جیسے ایک دودکش ہل یا غلہ صاف کرنے کی کل۔

اُنکا مخالفت ایک اور فرقہ محققین فن سیاست یہ ہے جو کسی قسم کی گورنمنٹ کو  
 دُشمنانی کل سے نہیں تشبیہ دیتے ہیں بلکہ اُنکو ایک خود درجیز سمجھتے ہیں اور فن سیاست کو  
 گویا ایک شعبہ علم خالقِ اشتیاق تصور کرتے ہیں اُنکے نزدیک حکومت کے تمام نہان کی  
 پسند پسیر گرفتوں نہیں ہیں۔ بلکہ جس قسم کی گورنمنٹ قائم ہو جائے اُسین کسی کو بحال  
 قیل و قال نہیں ہے۔ الغرض۔ اس دوسرے فرقہ کے محققین سیاست کا یہ قول ہے  
 کہ سائنسین اِلا ارادہ نہیں بن سکتیں بلکہ خود بخود جنابی ہیں اور ہمارا کام یہ ہے کہ اُنکے  
 خواص طبعی کو مانتہ دیگر امور طبعی کے دریافت کر کے اُنکے موافق عمل کریں۔ اُنکے  
 نزدیک ہر قوم کا لازماً حکومت اور آئین سیاست اُس قوم کی طبیعت اور اُنکے طرز  
 معاشرت اور عادات اور خواہشوں اور ضرورتوں سے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے  
 نہ یہ کہ اُس قوم نے اُنکو عمداً اور بالارادہ بنایا ہو۔ اُنکے ارادہ کو ہمیں کچھ دخل نہیں ہے نہ ہر ایک  
 کہ جو وقت بھی ضرورتیں پیش آئیں وہی ہی تدبیروں سے رفع کی جائیں۔ اور اگر وہ تدبیروں  
 قومی عادات و اطوار اور قومی خیالات اور خواہشوں کے موافق ہوتی ہیں تو عموماً  
 قائم رہتی ہیں اور رفتہ رفتہ اور تدبیریں انہیں شامل ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ اُنکے  
 مجموعے سے ایک ایسی گورنمنٹ حاصل ہو جاتی ہے جو اُن لوگوں کے مناسب حال  
 ہوتی ہے جو اُنکے محکوم ہیں لکن اُس گورنمنٹ کا محکوم اُن لوگوں کو کرنا جنکی طبیعت  
 اور جنکے حالات سے وہ خود بخود نہیں پیدا ہوتی ہے بعض فضول اور بیکار رہے۔  
 اگر یہ خیال ہو سکتا کہ جو فرقہ اِلی سیاست کا ان دونوں میں سے جس قیل کو بیان  
 کرتا ہے اُس کا قائل بھی ہے تو یہ علی التامہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں سے کون قول زیادہ تر معمول اور  
 خلاف عقل ہے لکن عموماً یہ ہے کہ جو لوگ جس اصول کو کسی قدر متنازع فیہ میں برسیان

کرتے ہیں وہ اصول انکی واقعی رائے برد لالت نہیں کرتا ہو کہ انکی رائے فی الامین  
 اس مقدمہ میں کیا ہے۔ کوئی یقین نہیں کرتا ہے کہ ہر قوم یا ہر ملک کے لوگ ہر قسم کی  
 حکومت کو چلا سکتے ہیں اور حکومت کو دفاعی کل یا اور کسی آلہ سے چاہیے کیسی ہی تشبیہ  
 دی جائے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آدمی ایک چوہی یا آہنی آلہ کو بھی صرف اسلئے  
 نہیں پسند کرتا ہے کہ ٹیکہ لانی نفسہ سب سے عمدہ ہے۔ بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ آیا میرے پاس  
 اور لوازم بھی ہیں جنکے موجود ہونے پر اس آلہ سے مستفید ہوتا موقوف ہے علی الخصوص  
 یہ خیال کرتا ہے کہ جن لوگوں کو اس آلہ سے کام کرنا پڑیگا آیا وہ اتنا علم دہن بھی  
 رکھتے ہیں کہ اس سے کام کر سکیں۔ برخلاف اسکے جو لوگ اقسام حکومت کی کسی تعریف  
 بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ ذی روح یا جاندار چیز ہیں جنکے بنانے بگاڑنے کا اختیار  
 انسان کو نہیں ہے انکے دلائل سے بھی انکا دعویٰ نہیں ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ جنکو  
 فرقہ جبر کہنا چاہے یہ نہیں کہتے ہیں کہ آدمی جس قسم کی گورنمنٹ کا محکوم بننا چاہے اس میں  
 بالکل بے اختیار ہے اور نہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مختلف اقسام حکومت سے جو نتائج  
 پیدا ہوتے ہیں انکے سوچنے پر یہ امر موقوف نہیں ہے کہ انہیں سے کس قسم کی حکومت  
 پسند کیجائے۔ لیکن خیر۔ اگرچہ انہیں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کے مقابل میں اپنی  
 رائے کو بڑے مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور کوئی فرقہ انہیں سے کسی مسئلہ کا بعینہ اور  
 بلا کم و کاست قائل نہیں ہے تاہم ان دونوں مسئلوں میں اتنا ہی تفادت ہے جتنا  
 دو آدمیوں کے طرز تفہیم میں فرق ہیں ہوتا ہے اور اگرچہ ظاہر ہے کہ انہیں سے کسی کا قول  
 مکمل صحیح نہیں ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انہیں سے کوئی قول قاطع غلط بھی نہیں ہے۔ لہذا  
 ہر کوئی کو شمش کرنی چاہیے کہ ان دونوں کی تہ تک پہنچ جائیں اور حسین جتنی

سچی بات ہو اسکو اختیار کر لین۔

پس اولاً یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پولیٹیکل انسٹیٹیوشن انسان کے ساختہ میں (اگرچہ بعض اوقات اس قضیہ سے چشم پوشی کی جاتی ہے) یعنی انکا اصل اور ماخذ انسان ہے اور انکا وجود تمامہ انسان کے ارادہ اور مرضی کا تابع ہے وہ انسان کے بنے بنائے نہیں مل گئے بلکہ انسان نے انکو بنایا ہے۔ وہ مثل درختوں کے نہیں ہیں جنکو آدمی ایک دفعہ بو دیتا ہے پھر وہ خود بخود اگتے چلے آتے ہیں بلکہ اپنے وجود کے ہر درجہ میں وہ انسان کا فعل اختیاری ہے یعنی جیسا انکو انسان بنا دیتا تھا ویسا ہی بنجاتے ہیں لہذا مثل تمام چیزوں کے جنکو انسان بناتا ہے پولیٹیکل انسٹیٹیوشن اچھی بھی بنتی ہیں اور بُری بھی بنتی ہیں انکے بنانے میں عقل اور ہنر کو دخل دیا جاتا ہے یا اسکے بالعکس ہوتا ہے۔

پھر ملاحظہ کیجیے کہ اگر کوئی قوم خود پہلو تہی کر کے یا موانع خارجی کی وجہ سے اپنے لیے ایک باقاعدہ حکومت اسطور سے نہ بنائے کہ جب کوئی خرابی پیدا ہو تو اُسکی اصلاح کرنے یا چون چون اُس قوم کی قوت زیادہ ہوتی جائے اُس خرابی کو دفع کرنے کی تدبیر کرتی جائے تو ایسی حالت میں ملکی ترقی کے رک رہنے سے ہشنگ اُس قوم کا نقصان عظیم ہوگا مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ جو چیز دوسری قوم کے حق میں مفید ہوئی ہے وہ اُس قوم کو نافع نہ ہوئی اور جب وہ قوم اسکو اختیار کر لے گی تب بھی اسکو سود مند نہ ہوگی۔

لیکن برخلاف اسکے یہ بھی ذہن نشین ہے کہ حکومت کی کل یا آلات حکومت خود بخود کام نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کل پیشہ جیسی بنائی جاتی ہے ویسے ہی آدمی اسکو

چلائے ہیں حتیٰ کہ معمولی لیاقت کے آدمی بھی اس سے کام لیتے ہیں۔ اس گل کو صرف اُنکے قبول کر لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُنکی قرار واقعی شرکت کی محتاج ہے اور اس گل کے چلانے کے لیے جو لوگ مل سکیں انہیں کی استعداد اور لیاقت اور اوصاف کے موافق اُسکو بنا لینا چاہیے۔ اس سے تین شرطیں نکلتی ہیں۔ اول یہ کہ جس قوم کے لیے کسی قسم خاص کی حکومت مطلوب ہے وہ اُسکو برضا و رغبت قبول کرے یا اقل مراتب اتنا تو ضرور ہے کہ اُس سے ایسی بیزاری نہ ہو کہ اُسکے پسند کی تمبر کرے یعنی کوئی ایسا اشتغال چھوڑ دے کہ ویسی حکومت قائم ہی نہ ہو سکے دوسرے یہ کہ وہ لوگ اُن امور کو بجالانے کی قابلیت اور آمادگی رکھتے ہوں جن پر ایسی حکومت کے مقاصد کی تکمیل موقوف ہو اور جو اُسکے بقا اور قیام کو لازم ہوں۔ یعنی ایسی حکومت کو باقی رکھنے کے لیے یا اُسکے مقاصد کی تکمیل کے واسطے جو باتیں کرنی یا نہ کرنی چاہئیں اُنکے کرنے یا نہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں اور ایسی حکومت میں بڑا وصف یہی ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کی لیاقت رکھتی ہو۔

انہیں سے کسی شرط کے فوت ہونے سے ہر قسم کی حکومت چاہیے کیسی ہی فائدہ کی امید اُس سے ہو اُس خاص صورت میں نامناسب ہو جاتی ہے۔

حکومت کا مانع اول یعنی کسی قوم کا کسی قسم خاص کی حکومت سے بیزاری نہ ہونا شرح و بیان کا محتاج نہیں ہے کیونکہ یہ ہمیشہ وقوع میں آتا ہے اور اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً امریکا کی شمالی وحشی قومیں ایک باقاعدہ اور شائستہ حکومت کے فیو دو کوہرگز نہ قبول کریں گی تا وقتیکہ اُنسے زبردستی نہ قبول کرائی جائیں۔ یہی قول کسی قدر خفت کے ساتھ اُن وحشی قوموں پر بھی صادق آتا ہے جو سلطنت قاہرہ و روتہ الکبریٰ

یعنی روم قدیم پر مسلط ہو گئی تھیں۔ صد ہا برس کے بعد جب زمانے کا رنگ بالکل بدل گیا تب اُن وحشی قوموں نے خود اپنے پیشواؤں اور سرداروں کی باقاعدہ اطاعت قبول کی۔ بعض قومیں ایسی بھی ہیں جو اپنی رضا و رغبت سے کسی حکومت کی محکوم نہیں بنتیں بجز جبرِ خاص خاندانوں کے جنکو یہ شرف حاصل ہے کہ زمانہ سلف سے حکام وقت اور دوسار قوم انھیں خاندانوں کے لوگ ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض قومیں سلطنت شخصی کی متحمل نہیں ہیں الا اُس صورت میں کہ کوئی غیر قوم اگر اُنکے ملک کو فتح کر لے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض قومیں سلطنت جمہوری سے بیزاریں اور بعض اوقات تو انکی نفرت اور بیزاری ایسی شدید ہوتی ہے کہ انہیں سے کسی قسم کی سلطنت کا قائم ہونا محال ہو جاتا ہے۔

ایسی صورتیں بھی موجود ہیں جنہیں ایک قوم کسی قسم خاص کی حکومت سے بیزار تو نہیں ہے بلکہ شاید اُسکی خواہان اور جو یا ہے مگر اُسکے شرائط کی تکمیل کی قابلیت یا مرضی نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ اُن شرائط کی تعمیل کی بھی لیاقت نہیں رکھتی ہے جو اُس قسم کی حکومت کو صرف برائے نام قائم رکھنے کے لیے ضرور ہیں۔ مثلاً کوئی قوم ایک آزاد منش حکومت کو پسند کرے لیکن اگر اپنی کاہل الوجودی یا کم توجہی اور بے اعتنائی یا نامردی کے سبب سے یا رفاہِ عام کی خواہش نہ ہونے کی وجہ سے اُس قوم سے وہ کوششیں نہ ہو سکیں جن پر ایسی حکومت کا بقا و موقوف ہے یعنی مثلاً جب اُس حکومت پر کوئی حملہ کرے تو وہ قوم اُسکی حمایت میں جدال و قتال پر آمادہ نہ ہو۔ یا کوئی ذاتِ ستر بہ لطائف الجمل اُس قوم کو اُس حکومت سے بیزار کر دے۔ یا آناً فاناً بدل یا خائف و ترسان یا کسی شخص کی محبت میں پرجوش ہو کر وہ قوم اپنی آزاد دیوں کو



کسی بڑے آدمی کی نذر کر دے یا اسکو ایسے اختیارات دے دے جنکے باعث سے وہ بڑا آدمی اُس قوم کے اسٹیڈینٹس یعنی آئین سیاست کو منقلب کر دے۔ تو ان سب صورتوں میں وہ قوم کم و بیش آزادی کے قابل نہیں ہے۔ اور اگرچہ ایک مدت قلیل تک آزاد رہنے سے اسکو کچھ فائدہ ہو لکن غالباً عرصہ دراز تک اسکو آزادی نہ حاصل رہیگی۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ ممکن ہے کہ کوئی قوم کسی قسم خاص کی حکومت کے فرائض بجالانے کی قابلیت یا مرضی نہ رکھتی ہو۔ مثلاً ایک جاہل اور کندہ تا تراش قوم مہذب سوسائٹی یعنی شائستہ طرز معاشرت اور طریق تمدن کے فوائد سے آگاہ نہ ہو ہو لکن اپنے نفس کو روکنا اور تصور و خطائے درگزر کرنا جیسا کہ ایک مہذب طرز معاشرت اور شائستہ طریق تمدن کا تقاضی ہے اسکی قابلیت نہ رکھتی ہو۔ یعنی اسکی خواہشہائے نفسانی نہایت تیز اور تند ہوں یا وہ قوم ایسی سرکش اور تشعرب ہو کہ اپنے نفس کو مطلقاً ضبط نہ کر سکے اور اپنے واقعی یا فرضی اضرار اور نقصانات کی تلافی اور انتقام کو قانون پر محمول نہ کر سکے تو ایسی حالت میں ایک مہذب و شائستہ گورنمنٹ سے ایسی قوم کو فائدہ اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ گورنمنٹ خود دوسرا اور مطلق العنان ہو یعنی ایسی گورنمنٹ ہو جسپر خود وہ قوم کچھ اختیار نہ رکھتی ہو اور جو اُس قوم کے افعال کو جبریہ قیود سے مقید کر دے۔ علیٰ ہذا القیاس جو قوم شریرون اور مفسدن کو دور کرنے میں قانون کی حمایت اور حکام وقت کی نصرت نہ کرے اسکو بھی اس قابل نہ سمجھنا چاہیے کہ ایک محدود اور مفید آزادی سے زیادہ کی مستحق ہے۔

مثلاً کوئی قوم مجرموں کو گرفتار کرانے کے لئے انکو پناہ دے یا ہندوؤں کی طرح دروغ حلفی کی مرتکب ہو کر جس شخص نے اسکا مال چُرا یا ہے اسکی جان بچائے یا بنو

کہ مبادا ہکو سخت زحمت اٹھانی پڑے اور اگر اس کے خلاف ہم گواہی دین تو سب ادا  
 پیشخص ہمارا دشمن ہو جائے اور انتقام لے۔ یا کوئی قوم ایسی بے پروا ہو جیسی چند مدت  
 گذری ہے کہ بعض اقوام یورپ کی کیفیت تھی کہ کوئی شخص شارع عام میں کسی کو چھری  
 مارے تو لوگ اپنا منہ موڑ کر چلے جائیں اور یہ خیال کریں کہ ایسے معاملہ میں دخل دینا  
 پولیس کا کام ہے مہین اس سے کیا مطلب ہکو تو کسی نے چھری نہیں ماری ہے  
 یا جو لوگ بھانسی کے نام سے ہزار ہوں مگر خون ناحق کی کچھ پروا نہ کریں۔ الغرض  
 ایسی سب قوموں کی تنبیہ و تادیب کے لیے ضرور ہے کہ حکام وقت کو انسداد جرائم کے  
 اختیارات بہت سخت دیے جائیں کیونکہ مہذب طرز معاشرت کے ارکان اولیہ  
 اور لوازم ضروریہ اسی پر موقوف ہیں۔ جب ایسی لائق افسوس حالت اس قسم کے  
 خیالات کی ہو جو حشیانہ طریقہ زندگی کو ترک کر چکی ہو تو بیشک یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ  
 اس کا نتیجہ ہے کہ بیشتر جس حکومت کی محکوم یہ قوم تھی وہ ایسی خراب تھی کہ اس کا اثر ہے  
 یہ قوم قانون کو یہ سمجھنے لگی کہ ہمارے فائدہ کے لیے نہیں بلکہ اور اغرض سے بنا لیا ہے  
 اور واضعان و مظلومان قانون کو ان لوگوں سے بھی زیادہ اپنا دشمن سمجھنے لگی  
 جو علانیہ اور دیدہ و دانستہ قانون کے خلاف درزی کرتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں  
 خراب حکومت کے اثر سے ایسی عادتیں پیدا ہو گئی ہیں اگرچہ وہ خود لائق الزام  
 نہیں ہیں اور اگرچہ ایسی عادتیں عمدہ حکومت کے اثر نیک سے دفع ہو سکتی ہیں  
 تاہم جب تک یہ عادتیں اس قوم میں باقی رہیں اس وقت تک اس پر ایسی سانی سے  
 اور بغیر عمل میں لانے کسی اختیار شدید کے حکومت نہیں ہو سکتی جیسے ان لوگوں پر  
 ہو سکتی ہے جو قانون کی رفاقت اور ہمدردی کرتے ہیں اور جو قانون کو

نافذ کرنے میں حکام کی اعانت قرار واقعی کرتے ہیں۔ علیٰ القیاس جب اکثر انتخاب کنندگان کو اپنے اوپر خود حکومت کرنے کی اتنی پروا نہ ہو کہ ممبران پارلیمنٹ کے انتخاب میں اپنا ووٹ یعنی رائے سمجھ بوجھ کر دیں یا اگر وہ اپنا ووٹ دینے کا فائدہ نہ خیال سے نہ دیں بلکہ اپنے ووٹ کو روپیہ کے معاوضہ میں فروخت کرین یا کوئی شخص جسکے قابو میں وہ ہوں یا جسکو خوش کرنا چند ذاتی وجوہ سے اُنکو منظور ہو اسکی خاطر سے اپنا ووٹ دین تو ایسی حالت میں پنچایتی گورنمنٹ اور اُسکے لوازم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ وہ ظلم و جور اور منصفہ پر داری کا ذریعہ ہو جائیگا۔ جب عام انتخاب اسطور سے عمل میں لایا جائے تو یہ عملی کام نہ ہوگا بلکہ اسکا معین ہوگا۔ علاوہ ان اصلاحاتی موانع کے بہت سی مصنوعی دقتیں ہر قسم کی حکومت میں پیش آتی ہیں جو اُسکو چلنے نہیں دیتیں اگلے زمانہ میں اگرچہ خاص خاص اشخاص اور خاص خاص مقامات میں آزادی بہت پائی جاتی تھی لیکن باقاعدہ حکومت جمہوری جسکا نام ہے وہ ایک ہی آدمہ شہر کی حدود کے اندر محدود رہتی تھی اور اسکا سبب یہ تھا کہ اُسے جمہور کو قائم اور شائع کرنے کے ذریعے مفقود تھے پرنسپل خاص خاص مقامات کے جہاں لوگ جمع ہو کر امور رفاه عام پر بحث کرتے تھے۔ عموماً خیال کیا گیا ہے کہ پنچایتی گورنمنٹ کا طریقہ جاری ہونے سے یہ نافع ہو گیا ہے مگر اسکا بالکل دفع ہونا اخباروں کے ہونے پر موقوف ہے جو آج کل وہ کام دیتے ہیں جو کام کسی زمانہ میں غور کم اور کرشم روم قدیم کی سلطنت میں کرتا تھا۔

بعض تمدنی حالتیں ایسی بھی گذری ہیں جنہیں ایک وسیع سلطنت شخصی نہیں قائم ہو سکی بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں مقسم ہو گئی جو بجائے خود آزاد اور خود سرستھیں یا کسی مشترک بادشاہ کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے کچھ خفیف سا تعلق رکھتی تھیں اسکا سبب یہ تھا۔

کہ اسباب اور آلات حکومت ایسے مکمل نہ تھے کہ جو صوبے دار سلطنت سے دور تھے انہیں بادشاہ کے احکام نافذ ہو سکتے۔ بلکہ فوج پر بھی اسکا کچھ دباؤ نہ تھا صرف اسکی نمک حلائی پر بھروسہ تھا انہیں کوئی ایسا ذریعہ تھا جس سے رعایا سے اتنا ٹیکس لیا جاتا جو اسیلے ضرور ہے کہ ایک مملکت وسیع میں حاکم وقت کی اطاعت پر رعایا مجبور کیجائے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی صورتوں میں موافق حکومت زیادہ ہونگے یا کم ممکن ہے کہ موافق حکومت اس قدر کم ہوں کہ کار حکومت بہت بڑے طور سے انجام پائے گو حکومت کے وجود میں خلل نہ پڑے اور نہ اسکی حالت ایسی اتر ہو جائے کہ اسپر دوسری قسم کی حکومت کو ترجیح ہو سکے۔ یہ آخر الذکر مسئلہ اس امر کی تحقیق پر موقوف ہے جو اب تک ہمارے معرض تحقیق میں نہیں آیا ہے وہ امر یہ ہے کہ مختلف اقسام حکومت کتنی صلاحیت ترقی بخشنے کی رکھتے ہیں۔

سابقہ میں بیان کیا گیا کہ اقسام حکومت کا محکومین کے مناسب حال ہونا میں ضروری شرطوں پر موقوف ہے پس جو لوگ اسکے قائل ہیں کہ اقسام حکومت انسان کے افعال اختیاری نہیں ہیں یعنی اسکے ارادہ سے نہیں پیدا ہوئے ہیں اگر انکی یہ مراد ہے کہ ان قیود شرطوں کا پایا جانا ضرور ہے یا اگر انکا صرف یہ مطلب ہے کہ کسی قسم کی حکومت نہیں قائم رہ سکتی تا وقتیکہ انہیں پہلی اور دوسری شرط نہ پائی جائے اور تا وقتیکہ تیسری شرط بھی بکثرت نہ موجود ہو تو انکا قول جب ان قیود سے مفید ہو تب لا کلام صحیح ہے اور لائق بحث نہیں ہے۔ لیکن اگر اس سے زیادہ کوئی بات انکو مقصود ہے تو میرے نزدیک وہ لائق تسلیم نہیں ہے۔ انکا یہ قول ہے کہ آئین سیاست کو ضرور ہے کہ ایک تاریخی بناؤ بنی ہو اور قومی عادات اور رسم و رواج وغیرہ کے موافق ہو۔ اس قول کے اگر کچھ معنی ہیں تو یہی ہیں جو ہم نے بیان کیے در نہ اسکے کچھ معنی نہیں ہیں۔ ایسے ایسے

نفردن میں خیال خام بہت پایا جاتا ہے جو اور اک صحیح اور عقل سلیم کے دائرہ سے باہر ہے  
 عملاً غور کیجئے تو آئین سیاست کے یہ لوازم جو بیان کیے گئے ہیں صرف ان قیون شرطوں کی  
 تعمیل کی آسانی کا ذریعہ ہے۔ جب کسی قوم کی رائیں اور مذاق طبیعت اور عادتیں اس  
 قسم کی ہوں کہ ایک یا چند آئین سیاست اس قوم میں آسانی جاری اور شائع ہو سکیں  
 تو وہ قوم اسکو آسانی قبول کر لگی بلکہ جن امور پر اس آئین کا بقاء اور اس سے نہایت  
 عمدہ نتائج کا پیدا ہونا مقوف ہے انکو بھی وہ قوم آسانی سے سیکھ لگی اور ابتدا ہی سے  
 عمل میں لائیگی۔ جب ایسی عادتیں اور ایسے خیالات پیشتر ہی سے موجود ہوں اور  
 مقضیٰ انکا لحاظ کامل کر کے قانون نہ بنائے تو یہ اسکی بڑی غلطی ہے۔ برعکاس اسکے  
 ان امور کو جو صرف معین اور نوید ہیں لوازم ضروری اور شرائط لابدی قرار دینا مبالغہ ہے  
 جس بات کی عادت لوگوں کو پیشتر سے ہوتی ہے اسکو کرنے پر آسانی سے رضی ہو جاتے ہیں  
 اور آسانی سے کر لیتے ہیں لکن نئی باتیں کرنا بھی آسانی سے سیکھ لیتے ہیں واقف ہو جانا شرط  
 اور جب آدمی کسی چیز کی مزاولت کرے تو اس سے واقف ہو جاتا ہے گو پیشتر اس سے  
 ناواقف تھا۔ بہت سی مثالیں اسکی موجود ہیں کہ جن امور کی آزمائش نہیں کی ہے انہیں پر  
 لوگ جان دیتے ہیں۔ یہ امر کہ کوئی قوم نئی باتیں کرنے اور اپنے نئے جدید حالات کے  
 موافق بنالینے کی کتنی قابلیت رکھتی ہے فی نفسہ اس بحث کا جزو عظیم ہے یہ ایسی صفت ہے  
 جو مختلف قوموں اور مختلف درجے کی تہذیب و شائستگی میں مختلف مقدار سے پائی جاتی ہے  
 اسکا کوئی عام قاعدہ نہیں مقرر ہو سکتا کہ کوئی خاص قوم کسی قسم خاص کی حکومت کے  
 شرائط کی تکمیل کی کس قدر قابلیت رکھتی ہے۔ یہ امر صرف اس خاص قوم کے حالات کے  
 علم اور عام عملی تجربہ اور دانائی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ایک اور امر بھی ہے

جس سے چشم پوشی نہ کرنی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی قوم عمدہ آئین سیاست کے قابل نہ ہو لیکن ایسے آئین کے لیے اسکو تیار کرنا اسپر موقوف ہے کہ اُسکے دل میں اُنکی خواہش پیدا کیجائے کسی قوم کو کسی قسم کی حکومت کی ترغیب دینے اور مدعی بنانے بلکہ اُس سے حکومت کا کام لینے کی بھی تدبیر اس سے بہتر نہیں ہے کہ اس قسم خاص کی حکومت کی تعریف اور توصیف اور اُسکے فوائد اُسکے سامنے خوب زور و شور سے بیان کیے جائیں مثلاً ہم پوچھتے ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ نسل میں اطالیہ کے مہاجن نے وہاں کے لوگوں کو آزادی اور باہمی اتفاق پر کیونکر آمادہ کیا بجز اسکے کہ اُنکو ان چیزوں کا طالب ہونے کی ترغیب دی لیکن جو لوگ ایسا کار دشوار اختیار کریں اُنکو ضرور ہے کہ نہ صرف اُس حکومت کے فوائد سے کما حقہ آگاہ ہوں جسکی ترغیب وہ عوام الناس کو دیتے ہیں بلکہ اُس حکومت کا کام چلانے کے لیے جو اخلاقی اور عقلی اور عملی لیاقتیں درکار ہیں اُننے بھی خوب واقف ہوں اور حتی الامکان وہ ایسی خواہش لوگوں کے دل میں نہ پیدا کریں جو اُنکی لیاقت سے بہت بڑھی ہوئی ہو۔

جو کچھ سابق میں بیان کیا گیا اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب حکومت کے اقسام اور اُسکے لوازم اُن تین شرطوں سے مشروط ہوں جو سابق میں کر بیان کی گئیں تو اُنکو انسان کا فعل اختیاری سمجھنا چاہیے سب سے عمدہ قسم کی حکومت کا مفہوم یہی تحقیق کرنا خطا نہیں ہے (جیسا بعض لوگوں کا قول ہے) بلکہ ایک نہایت مفید مشغل عقل سلیم کہ ہے اور کسی ملک میں ایسا عمدہ آئین حکومت جاری کرنا جو اُس ملک کی لیاقت موجودہ کا لحاظ کر کے ہر شرط و شرط متذکرہ بالا کی کسی قدر تکمیل کرنے کے قابل ہو ایک نہایت معقول فعل ہے اور عملی کوشش کے قابل ہے۔ امور سلطنت میں انسان کی مرضی اور مصلحت کو

جو دخل ہے اسکی توہین و تنقیض جتنی کی جائے اتنی ہی توہین و تنقیض اور امور کی بھی ہو سکتی ہے جنہیں انسان کی مرضی اور مصلحت کو دخل ہے انسان کی طاقت جملہ امور میں بالکل محدود و محصور ہے۔ اگر وہ کام کر سکتی ہے تو ایک یا چند قوتوں طبعی یعنی قدرتی قوتوں کے ذریعہ سے کام کر سکتی ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ جن قدرتی قوتوں سے انسان کام لینا منظور ہے وہ موجود ہوں اور وہ قوتیں ہمیشہ اپنے ہی قانون کے موافق کام کر لگیں مثلاً دریائے دھارے کو پھیر دینا بشر کی طاقت سے باہر ہے لکن اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ بچکان انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ خدا کی قدرت سے پیدا ہو گئی ہیں۔ جیسا علم جبر تغیل میں ہے ویسا ہی فن سیاست میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ جو قوت کل کو چلا یا کرتی ہے اسکو کل کے باہر تلاش کرنا چاہیے اور اگر وہ قوت معلوم یا جن موانع کا احتمال قوی ہے انکے دفع کرنے کو کافی نہ تو وہ کل بیکار ہو جائیگی۔ یہی فن سیاست ہی پر نہیں موقوف ہے کیونکہ یہ فن بھی انھیں حدود سے محدود اور مضیق قیود سے مقید ہے جسے اور فنون محدود و مقید ہیں۔

اس مقام پر ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے یا یہ کہیے کہ اعتراض تو وہی ہے اگر اسکی صورت بدلی ہوئی ہے۔ وہ اعتراض ہے کہ جن قوتوں پر بڑے بڑے پولیٹیکل امور موقوف ہیں وہ ارباب سیاست یا فلاسفہ کے اختیار سے باہر ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ ہر ملک کی حکومت تمام اعتبارات ضروری سے اس امر پر موقوف ہے کہ تمدنی قوت کی اجزائی تقسیم کے لحاظ سے اس ملک کی کیا حالت ہے۔ جو چیز سے زیادہ تمدنی قوت رکھتی ہو وہی اختیار حکومت حاصل کر لگی۔ اور طرز حکومت میں کوئی تغیر تبدیل دیر تک نہیں باقی رہ سکتا۔ اور تنقید تمدنی قوت میں متغیر کی خوشی نہ ہوتی ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی قوم اپنے آپ کی قسم کی حکومت نہیں

پسند کر سکتی۔ التنبہ حکومت کے جزئیات اور اسکی علی ترکیب کو پسند کر سکتی ہے لیکن جو چیز مجموعی حکومت کی جان و روح ہے یعنی حکومت اکل فی اکل کا حامل (بادشاہ ہو یا پارلیمنٹ یا کوئی اور چیز) اسکا مقرر ہونا تمدنی حالات پر موقوف ہے۔

میں خود تسلیم کرتا ہوں کہ یہ قول کسی قدر تو ضرور صحیح ہے۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا، وقتیکہ یہ صاف صاف اور محدود طور سے نہ بیان کیا جائے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ جو چیز سب زیادہ تمدنی قوت رکھتی ہے وہی سب زیادہ طاقت حکومت میں بھی رکھے گی تو ہم بوجھتے ہیں کہ یہاں قوت یا طاقت سے کیا مراد ہے۔ اس سے محض قوت بدنی تو نہیں مراد ہو سکتی ورنہ خالص حکومت جمہوری ہی ممکن الوجود ہو اور سب اقسام حکومت محال ہو جائیں۔ محض قوت بدنی میں دو اور جز شامل کر دیجئے یعنی عقل اور مال تو سچی بات کے قریب پہنچ جائے گا مگر اس نکت پہونچئے گا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کثیر کو قلیل دے رہتے ہیں بلکہ بھیڑ کھا کر کہ کثیر صاحب علم و مال ہیں تاہم قلیل جو ان سے علم اور دولت و دنون میں کم ہیں زبردستی سے یا دوسرے طور سے انکو اپنا محکوم اور تابع بنائے ہوئے ہیں دیکھو مَن قَلِيلًا قَلِيلًا غَلَبَتْ قِيَّةً كَثِيرًا (بِإِذْنِ اللَّهِ) ان مختلف ارکان قوت کو سیاست کے اختیارات بخشنا اس پر موقوف ہے کہ یہ سب مرتب کر لے جائیں اور انکی ترتیب سے جو فائدہ ہے وہ لامحالہ انھیں لوگوں کو حاصل ہو گا جو صاحب حکومت ہیں۔ جو فریق اور سب ارکان قوت کے لحاظ سے ضعیف ہو ممکن ہے کہ وہ اسوقت غالب آجائے جب حکومت کے اختیارات اسکو حاصل ہو جائیں اور صرف اسی وجہ سے اسکو مدت تک غلبہ حاصل ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ جب حکومت کی یہ کیفیت ہو تو اسکا مرکز ثقل باطلالاح علم جرقیل ایک تزلزل کی حالت میں رہے گا جیسے کسی چیز کا جتلا سربازہ کر ٹھوٹکا دیکھئے جب ٹھوڈر اسی بھی ٹھوکر لگے گی تو اپنی حالت سابقہ سے دور



ہوتی جائیگی نہ یہ کہ اسکی طرف غور نہ کی جائے۔

لیکن حکومت کا مسئلہ جس عنوان سے سابق میں بیان کیا گیا اس پر اس سے بھی قوی تر اعتراضات وارد ہوتے ہیں جس تمدنی قوت میں یہ استعداد ہے کہ اختیارات سیاست حاصل کر سکتی ہے وہ قوت انفعالیہ نہیں ہے بلکہ قوت فاعلیہ ہے یعنی وہ قوت جو معروض فعل میں آتی ہے اور ایسی قوت موجودہ مجموعی کا صرف ایک جز خفیف ہوتی ہے۔ اصول سیاست کے اعتبار سے دیکھیے تو قوت مطلقہ کا جز اعظم انسان کی مرضی میں موجود ہے پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ارکان حکومت کا اندازہ کرنے میں کوئی ایسی چیز فرو گذاشت کی جائے جو انسان کی مرضی پر مؤثر ہے۔ یہ خیال کرنا کہ جن لوگوں کو تمدنی قوت حاصل ہو آخر الامر حکومت کی قوت بھی انھیں کو حاصل ہو جاتی ہے اور جب یہ ہوا تو پھر اس سے کیا حاصل ہے کہ رائے جمہور پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ طرز حکومت تک پہنچے اس امر سے چشم پوشی کرنا ہے کہ رائے جمہور فی نفسہ ایک بڑی شدید تمدنی قوت ہے۔ وہ ایک شخص جو اہل الرائے ہو ان منادے آدمیوں کے برابر ہے جو اہل غرض ہوں مگر صاحب رائے ہوں۔ وہ لوگ جو عوام الناس کے ذہن میں یہ امر راسخ کر سکیں کہ ایک قسم خاص کی حکومت یا اور کوئی تمدنی امر لائق ترجیح ہے گویا محرک اور بانی اس امر کے ہوئے کہ تمدنی قوتوں کو اس قسم خاص کی حکومت کا طر فدار بنالیا۔

اسکی مثال یہ ہے کہ جس روز عوامین کے تابعین میں سے ایک شخص اور تسلیم یعنی بیت المقدس میں کفار نہانہ جار کے ہاتھ سے سنگسار ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوا لیکن ایک حوالہ جو آخر کو یونان اور روم قدیم میں جا کر حضرت مسیح کا نائب رسول بنا

لے شاید اس سے پولوس عوامی مراد ہے۔

اُس شہید راہ خدا کے سنگسار ہونے پر راضی ہو گئے تو کون شخص یہ گمان کر سکتا کہ جو صاحب سنگسار ہو کر شہید ہوئے انھیں کا فریق اسوقت خاص اور اُس مقام خاص پر سب سے قوی تر تمدنی قوت تھی؛ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس واقعہ سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ فریق فی الواقع ایسا ہی تھا؟ اسکا سبب صرف یہ ہے کہ جتنے اہل مذہب اُس زمانہ میں موجود تھے انہیں سب سے زیادہ راسخ الاعتقاد وہی فریق تھا۔ راسخ الاعتقاد ہونے ہی کی وجہ سے شہر و شہر گ کا ایک راہب اُس مجلس علماء و سلاطین میں جو مقام و مس میں جمع ہوئے تھے شہنشاہ چارلس پنجم اور سب بادشاہوں سے جو اُس محل میں جمع تھے قوی تر تمدنی قوت میں ہو گیا مگر شاید کوئی یہ کہے کہ یہ مثالیں ایسی ہیں جنہیں مذہب کو دخل ہے اور مذہبی اعتقادات ایک خاص قوت رکھتے ہیں۔ خیر۔ اب ہم ایسی مثال لکھتے ہیں جو باطل سیاست سے متعلق ہے اور جنہیں مذہب کو اگر کچھ دخل ہے تو اُس جانب ہے جو مغلوب ہوئے۔ اگر کوئی شخص اس دعویٰ کی دلیل چاہے کہ معقول محض یا علم بے عمل تمدنی قوت کا ایک جزو عظیم ہے تو ہم اُسکو وہ زمانہ یاد دلاتے ہیں جبکہ یورپ میں تقریباً کوئی ایسا ملک نہ تھا۔ آئین ایک فیاض اور صلح بادشاہ اور سب سے عجیب ترین ہے کہ ایک آزاد منش اور اصلاح پسند پوپ حکمران نہ رہا ہو مثلاً فرڈرک عظیم شہنشاہ جرمنی یا ملکہ ویکٹوریہ ثانی فرماں رواے روس یا جوزیف ثانی شہنشاہ آسٹریا یا پیٹر یو یو یا پوپ پینٹیا چار و ہم یا گنگا نلی یا یو میل یا ارڈا۔ یہ سب بادشاہان یورپ اور پوپ وغیرہ کیے فیاض اور صلح خلائق تھے حتیٰ کہ میلبیس کے امراے بوربون بھی انہیں صفحہ سے موصوف تھے اور امراے فرانس کے دماغ میں بھی وہ خیالات بھرے ہوئے تھے

جبکہ انھوں نے بڑا خمیازہ اٹھایا۔ اس سے زیادہ قطعی کون مثال اس امر کی ہوگی کہ محض قوت بدنی اور صرف دولت و شہرت مجموع قوت تمدنی کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتی۔ سلطنت برطانیہ میں اور اور سلطنتوں میں بھی جیسی غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت اگر موقوف ہوئی ہے تو اس سبب سے نہیں موقوف ہوئی ہے کہ مال و دولت کی تقسیم میں کوئی تغیر واقع ہوا ہے بلکہ صرف اس باعث سے موقوف ہوئی ہے کہ ان ملکوں میں اخلاقی خیالات بہت شائع ہو گئے ہیں مثلاً ملکات روس میں جو خانہ زاد غلام آزاد کر لیے گئے تو یہ سمجھ کر نہیں آزاد کیے گئے کہ انکو قید غلامی سے رہا کرنا ایک اخلاقی فرض ہے بلکہ ہر جیسے آزاد کیے گئے کہ اس ملک میں بہتر اور صائب تر اسے سلطنت کی سچے فائدہ کی نسبت پیدا ہوا انسان کا عمل اس کے علم کے موافق ہوتا ہے یعنی جیسا خیال کرتا ہے ویسا ہی عمل میں لاتا ہے اور اگرچہ اوسط درجہ کے آدمیوں کے خیالات اور اعتقادات عقل سلیم کی نسبت ان کے مرتبہ شخصی کے زیادہ تابع ہوتے ہیں (بقول شاعر غزلہ فکر ہر کس اقتدر بہت اوست) تاہم جو لوگ اُن سے عالی مرتبہ ہیں ان کے خیالات اور اعتقادات اور ذہنی علم آدمیوں کے متفق احوال کا بہت بڑا اثر پذیر ہوتا ہے۔ لہذا جب فی علم آدمی ایک تمدنی انتظام یا ایک آئین سیاست یا اور کسی آئین کو اچھا اور دوسرے کو برا سمجھنے لگتے ہیں یا ایک کو مدوح اور دوسرے کو مذموم تصور کرتے ہیں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اچھے انتظام کو تمدنی قوت کا وہ غلبہ بخشنا گیا ہے جبکہ وہ محتاج ہے اور برے انتظام سے وہ غلبہ اٹل کر لیا گیا ہے۔ پس یہ کلیہ کہ ہر ملک کی حکومت خواہ مخواہ ویسی ہی ہے جیسا موجودہ تمدنی قوتوں کا تقاضا ہے صرف اُس معنی سے صحیح ہے جس معنی سے یہ کلیہ اس کو شش کا مؤید ہے (خالف نہیں ہے) کہ جملہ اقوام حکومت جو موجودہ تمدنی حالت میں ممکن العمل ہیں انسان کے علاقہ اختصار پر موقوف رکھے جائیں۔

## دوسرا باب

عمدہ قسم کی حکومت کا معیار کیا ہے

جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ کسی خاص ملک کے لیے کسی قسم کی حکومت پسند کرنا انسان کا فعل اختیاری ہے تو اب تحقیق کیجاتی ہے کہ اس فعل کی اچھائی یا بُرائی کا معیار یعنی پہچان کیا ہے۔ یعنی کیا مخصوص صفتیں اُس قسم کی حکومت کی ہیں جو کسی خاص سوسائٹی یعنی گروہ کے فوائد کو ترقی دینے کی سب سے بہتر قابلیت رکھتی ہے۔

اس مسئلہ کو تحقیق کرنے سے پیشتر اس امر کو طے کرنا ضرور ہے کہ گورنمنٹ یعنی حکومت کا خاص کام کیا ہے۔ کیونکہ حکومت تو صرف ایک ذریعہ ایک مقصد کے حاصل کرنے کا ہے اور ذریعہ کی عمدگی اس پر موقوف ہے کہ اصل مقصد سے کیا موافقت اور مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو اس طریقہ سے بیان کرنے سے اسکی تحقیق کما حقہ نہیں ہو سکتی بلکہ پورے مسئلہ کی حقیقت بھی اچھی طرح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اول تو کسی گورنمنٹ کے خاص کام کچھ مقرر نہیں ہیں بلکہ مختلف تمدنی حالتوں میں گورنمنٹ کے کام مختلف ہیں اور پس ماندہ ملکوں میں بہت زیادہ اور ترقی یافتہ ملکوں میں کم ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر صرف گورنمنٹ کے خاص کاموں پر نظر کیجائے تو اسکی خاصیت کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اچھی ہے یا بُری کیونکہ گورنمنٹ کی اچھائی تو خواہ مخواہ اُسکے کاموں کی عمدگی پر موقوف ہے لیکن اسکی بُرائی اُن کاموں کی بُرائی پر منحصر نہیں ہے ہر قسم اور ہر درجہ کی مصیبت جہین انسان مبتلا ہو سکتا ہے گورنمنٹ رعایا پر ڈال سکتی ہے مگر کوئی فائدہ جسکی قابلیت انسان کا تمدنی وجود رکھتا ہے اُس سے زیادہ نہیں حاصل ہو سکتا جتنا اُس حکومت کا مقصدی ہے جس کا وہ محکوم ہے

یا جتنا اُس نے جائز رکھا ہے حکام وقت کی ضمنی دست اندازی کا کیا ذکر ہے اُنکی یہی فریاد ہے  
 کی بھی کچھ انتہا نہیں ہے اور گورنمنٹ کا جو اثر سوسائٹی کے رفاہ و بہبود پر ہوتا ہے  
 اُس کا تصور یا اندازہ نہیں ہو سکتا الا اُس وقت جبکہ انسان کے کل فوائد کا  
 من حیث المجموع لحاظ کر لیا جائے۔

جب ہکو پیچیدہ مضمون پیش آیا کہ سوسائٹی کے فوائد کو من حیث المجموع  
 اچھی یا بُری حکومت کی معیار بنانا پڑا تو اب اُن فوائد کی تفصیل بھی لکھنی ضرور ہوئی  
 میں ہم اُنکو ایسا سلسلہ دار بیان کرتے ہیں کہ وہ صفتیں معلوم ہو جائیں جنکے ہونے سے  
 کسی قسم کی گورنمنٹ اُن مختلف فوائد کو فرداً فرداً ترقی دینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ کتنی  
 آسانی ہو جاتی اگر ہم یہ کہہ سکتے کہ سوسائٹی کا فائدہ فلان فلان امور پر موقوف ہے اور  
 بجز اُنکے ایک امر فلان فلان شرائط سے مشروط ہے اور دوسرا امر فلان شرائط پر موقوف  
 اُسکے بعد یہ کہہ دین کہ جس گورنمنٹ میں یہ سب شرائط بدرجہ اتم داخل موجود ہوں وہی  
 سب سے عمدہ ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حکومت کا مسئلہ اُن مسائل عقلی سے مستبعد کیا جاتا  
 جن پر تمدنی حالت کی عمدگی موقوف ہے لیکن افسوس ہے کہ سوسائٹی کے رفاہ و بہبود کے  
 لوازم کا شمار اوقیم اسطور سے کرنا کہ اُس سے ایسے مسائل عقلی بن سکیں آسان کام  
 نہیں ہے۔ اکثر محققین جو گذشتہ یا موجودہ نسل میں فلسفہ سیاست کی تحقیق انیق میں  
 مصروف رہے ہیں لوازم مذکورہ بالا کی تقسیم کے ضروری ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن جو  
 کوششیں اس باب میں کی گئی ہیں جہاں تک میں اُسے آگاہ ہوں ایک ہی امر مجدد  
 و منحصر ہیں یعنی سوسائٹی کی رفاہ و بہبود کے لوازم کی تقسیم کی ابتدا اور اختتام دونوں اس  
 امر پر ہوتے ہیں کہ سوسائٹی کی ضرورتوں کو دو مدوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی نظام

اور ترقی تفسیم بادی النظر میں اسوجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں نظام  
تقابل لفظی اور تعاملت معنوی دونوں موجود ہیں لیکن میرے نزدیک جب ان الفاظ کا  
گوڈنسٹ کے لوازم ضروریہ کی تعریف بیان کرنی منظور ہو تو انہیں اس قسم کا فرق کرنا  
خلاف اصول علمی اور غلط ہے۔

کیونکہ اول تو ہم دیکھتے ہیں کہ انتظام اور ترقی کیا چیزیں ہیں۔ ترقی کے  
معنی میں تو ظاہر کچھ وقت نہیں معلوم ہوتی ہے جب ترقی سوسائٹی کی ضرورتوں میں سے  
ایک ضرورت خیال کی جائے تو اس کے معنی عسکری یا اصلاح ہو سکتے ہیں۔ خیر یہ مضمون  
کسی قدر صاف ہے۔ اب انتظام کیا چیز ہے۔ اس لفظ میں سب ضرورتیں سوسائٹی کی  
داخل ہیں یا سب تنہا عسکری یا اصلاح کے۔

اگر انتظام کے معنی بالکل محدود لیے جائیں تو اس سے مراد اطاعت یعنی جب  
گوڈنسٹ اپنی اطاعت رعایا سے قبول کر دے تب اس کو کہتے ہیں کہ اسے نظام کو قائم  
رکھا ہے لیکن اطاعت کے مختلف درجے ہیں اور ہر درجہ کی اطاعت مستحسن یا لائق تعریف  
نہیں ہے۔ جو حکومت بالکل مطلق العنان ہوتی ہے اسی کی یہ خاصیت ہے کہ رعایا کو پاسپی یا  
کہ ہر شخص انہیں سے فرداً فرداً احکام وقت کے ہر ایک حکم کی تعمیل بلا عذر و منت کرے  
لہذا ہو لازم ہے کہ اس تعریف کو ان احکام پر محدود کر دین جو تعمیم رکھتے ہیں  
اور حجت اور بحث کے بعد قوانین کے پیرایہ میں جاری کیے جاتے ہیں۔ اس  
معنی سے تو انتظام گوڈنسٹ کے لوازم ضروریہ میں بیشک داخل ہے۔ کیونکہ جو لوگ  
اپنے احکام کی تعمیل نہ کر سکیں وہ حکمرانی نہیں کر سکتے لیکن گو یہ گوڈنسٹ کے لوازم ضروریہ  
میں داخل ہے مگر اس کے مقاصد میں نہیں داخل ہے۔ گوڈنسٹ کو اپنی اطاعت

قبول کرانے کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ اور کسی مقصد کو انجام دے سکے۔ اب ہم کو یہ تحقیق کرنا پڑا کہ یہ دوسرا مقصد کیا ہے جس کی تکمیل گورنمنٹ کو واجب ہے اور جو صلاح کے مضمون سے بالکل علیحدہ ہے اور جس کو انجام دینا ہر سوسائٹی میں لازم ہے خواہ وہ ساکن ہو خواہ متحرک یعنی خواہ توقف کی حالت میں ہو خواہ ترقی پذیر ہو۔

اگر انتظام کے معنی کسی قدر وسیع کر دیے جائیں تو اس سے یہ مراد ہے کہ امن صلح قائم رکھنا اور تشدد کو موقوف کرنا۔ انتظام اس ملک کا ٹھیک ہے جہاں رعایا عموماً اپنے لڑائی جھگڑے کو خود ہی ماریٹ کر کے نہیں فیصلہ کر لیتی ہے بلکہ رعایا کو یہ عادت ہو گئی ہے کہ اپنے خصومات کے انفصال اور اپنے نقصانات کی تلافی کے لیے حکام وقت سے رجوع کرتی ہے۔ لیکن انتظام کے خواہ یہ وسیع معنی لیے جائیں خواہ وہ محدود معنی جو سابق میں بیان کیے گئے ہر قدر اس لفظ سے بچلے شرائط حکومت کی ایک شرط مفہوم ہوتی ہے نہ یہ کہ اس کا مقصد یا ایٹمی عمدگی کی معیار معلوم ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ رعایا کو بخوبی اس بات کی عادت ہو گئی ہو کہ تمام تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے حکام سے رجوع کرتی ہو اور گورنمنٹ کی مطیع و منتاد ہو تاہم جس طریقہ سے گورنمنٹ ان تنازعات کا فیصلہ کرتی ہو یا اور امور کا تصفیہ کرتی ہو خیرین وہ دخل دیا کرتی ہے وہ طریقہ ایسا خراب ہو کہ سب سے بدتر گورنمنٹ بھی ایسا خراب طریقہ فصل خصومات کا نہ اختیار کرے گی۔

اگر انتظام کے مفہوم میں ہم کو وہ سب چیزیں داخل کرنی منظور ہیں جن کی احتیاج سوسائٹی گورنمنٹ سے رکھتی ہے اور جو ترقی کے مفہوم میں نہیں داخل ہیں تو انتظام کی یہ تعریف لکھنی چاہیے کہ قائم رکھنا ہر قسم اور ہر مقدار کی خوبی کا جو بالفعل سوسائٹی میں

موجود ہے اور ترقی کی یہ تعریف کرنی چاہیے کہ ہر قسم اور ہر مقدار کی خوبی کو افزون کرنا یہ تعریف انتظام اور ترقی کی بہت جامع و مانع ہے کیونکہ ہمیں وہ سب امور داخل ہو گئے جنکو ترقی دینا گورنمنٹ کو لازم ہے۔ لیکن اگر ان الفاظ کے یہ معنی سمجھے جائیں تو کوئی بنیاد فلسفہ سیاست کی نہیں نکلتی۔ کیونکہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جب کوئی حکومت قائم کیجائے تو اس میں چند شرائط انتظام کے اور چند لوازم ترقی کے مقرر کر لیے جائیں اس واسطے کہ جو معنی انتظام کے اب لکھے گئے ہیں ان کے لحاظ سے اور نیز ترقی کے معنی کے اعتبار سے انتظام اور ترقی کے شرائط باہم اضافہ و تہ نہیں ہیں بلکہ علیٰ ہذا معنی ایک دوسرے کا عین ہے ضد نہیں ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جن وسائل سے وہ فوائد جو سوسائٹی میں بالفعل موجود ہیں قائم رہ سکتے ہیں بعینہ اُنھیں وسائل سے اُن فوائد میں افزونی ہوتی ہے اور اس کے بالکل صرف اتنا فرق ہے کہ پہلے مقصد کی بہ نسبت دوسرے مقصد کے لیے بہتر وسائل درکار ہیں۔

مثلاً رعایا میں فرداً فرداً کون صفتیں ایسی ہیں جنکے باعث سے وہ نیک چلی اور خوش انتظامی اور سرسبزی و خوشحالی جو سوسائٹی میں بالفعل موجود ہے قائم کیتی ہے ہر شخص قبول کرے گا کہ وہ صفتیں محنت و شقت اور ایمانداری اور انصاف اور عاقبت اندیشی ہیں۔ مگر ہم پہچنتے ہیں کہ کیا یہی صفتیں سب سے زیادہ اصلاح کا باعث نہیں ہیں اور کیا ان خوبیوں کا کسی گروہ میں زیادہ ہو جانے سے سب اصلاحوں سے بہتر اصلاح نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو گورنمنٹ میں جو صفتیں ایسی ہوں کہ رعایا کی محنت اور ایمانداری اور انصاف اور عاقبت اندیشی کو زیادہ کر دیں وہی صفتیں انکی اصلاح اور ترقی دونوں کا باعث ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ سوسائٹی کی قطعی ترقی کے لیے



جتنی صفتیں درکار ہیں اتنی اُسکی دائمی اصلاح کے لیے نہیں درکار ہیں۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کون مخصوص صفتیں انسان میں ایسی ہیں جو ترقی سے زیادہ تر تعلق رکھتی ہیں مگر انتظام اور بقا سے چندان تعلق نہیں رکھتی ہیں وہ صفتیں جو مدت اور اولوالعزمی اور جرأت ہیں لیکن اب یہ سوال ہے کہ جو غریب سو سائٹی میں بغفل موجود کیا اُسکی بقا کے لیے صفتیں اُسی قدر درکار نہیں ہیں جتنی اُسکی افزونی کے لیے ضرور ہیں؟ اگر دنیا میں کوئی امر یقینی ہے تو یہ ہے کہ جن قوتوں سے خوبیاں حاصل ہوتی ہیں صرف انہیں قوتوں سے باقی بھی رہتی ہیں۔ جب کسی چیز کو اُسکے حال پر چھوڑ دیجیے تو وہ خود خراب ہو جائیگی۔ جن لوگوں کو کامیابی بے خبر اور بے پروا کر دیتی ہے اور جو کمزوریاں دنیا کے تحمل نہیں ہوتے اُنکا عروج اور اقبال بہت مدت تک نہیں رہتا۔ وہ قوت دماغی جمپر گویا ترقی کا حصہ ہے اور جسم ترقی کا پورا مادہ موجود ہے قوت اختراع ہے۔ لیکن یہ قوت بقا کو بھی اسی قدر لازم ہے۔ کیونکہ انقلاب روزگار سے نئی نئی مشکلیں اور خطرے ہمیشہ پیدا ہو کرتے ہیں جنکا دفعہ نئی نئی تدبیروں اور فکروں سے کرنا پڑتا ہے تاکہ جو کیفیت پیشتر تھی کاش وہی باقی رہے۔ لہذا جو صفتیں کسی کو ٹرنٹ میں ایسی ہوں جنکے باعث سے چالاکی اور جودت اور جرأت اور اختراع کی ترغیب ہو وہ صفتیں بقا اور ترقی دونوں کے لوازم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ یہ صفتیں پہلے مقصد کے لیے کم اور دوسرے مقصد کے واسطے زیادہ درکار ہیں۔

اب سو سائٹی کے لوازم ذہنی سے فراغت پا کر اُسکے لوازم خارجی سے بحث کی جاتی ہے۔ کوئی پولیٹیکل تدبیر یا کوئی تمدنی بندوبست ایسا نہیں ہے جو صرف انتظام کا موجب یا فقط ترقی کا باعث ہو بلکہ جو چیز ایک کو مفید ہے وہ دونوں کو نافع ہے مثلاً

پولیس کے صیغہ کو لیجیے کہ سوسائٹی کی ترکیب کی اس جزئی عیدگی سے جو چیز تعلق تام رکھتی ہے وہ انتظام ہے۔ تاہم اگر پولیس کی کارگزاری سے انتظام درست ہو جائے یعنی جرائم کا انسداد ہو جائے اور ہر شخص اپنی جان و مال کو محفوظ سمجھنے لگے تو ہم بوجھتے ہیں کہ اس سے زیادہ کون چیز ترقی کا باعث ہو سکتی ہے جتنی زیادہ خط مال کی ہوگی اتنی ہی افزونی اُسکے پیداوار میں ہوگی اور عوام الناس میں ترقی کے یہی معنی متعارف ہیں جب آدمی اُن افکار اور تشویشوں سے جو ناقص حفاظت مال سے پیدا ہوتی ہیں فارغ البال رہتا ہے تو اُسکے ہوش و حواس ٹھکرا رہتے ہیں اور وہ نئی نئی کوششیں اپنی اور اور لوگوں کی جائداد میں ترقی کی کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ اپنے تمدنی وجود کو عزیز رکھتا ہے اور اپنے ہموطنوں کو اپنا دشمن بغیر بالبقوة نہیں سمجھتا اور اُسکے دل میں شفقت اور عنایت اور رون کے حال پر پیدا ہوتی ہے اور قوم کی عام ہیبت و کا اُسکو خیال رہتا ہے۔ پس سوسائٹی کی مصلح کے لوازم ضرورت ہی ہیں۔

پھر ٹیکس کے قاعدہ اور انتظام مال کو ملاحظہ کیجیے جس سے سب خاص عام آگاہ ہیں یہ عموماً انتظام کی مدین داخل کیا جائیگا۔ لیکن غور کیجیے کہ اس سے زیادہ کون چیز ترقی کا باعث ہو سکتی ہے؟ جو انتظام مال ترقی کا موجب ہو وہ اپنی انہیں ہیوں سے انتظام کا باعث ہوتا ہے مثلاً گفایت شعاری سے موجودہ قومی دولت باقی رہتی ہے اور اُسکی افزونی کی امید ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب ٹیکس کا بار منصفانہ طور سے عایا پر ڈالا جائے جس سے ہر شخص کو یقین ہو جائے کہ حکام نے بڑی نیک نیتی اور ایمانداری سے اور خوب جانچ جانچ کر ٹیکس باز دیا ہے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے اخلاقی خیالات

قوت اور شعور دونوں کے اعتبار سے بہت درست ہو جائیگے۔ ٹیکس باندھنے کا ایسا طریقہ جو رعایا کی محنت مزدوری یا اسکی آزادی میں بلا ضرورت حارج اور دخل نہ صرف دولت کے بقا کا باعث نہیں ہوتا ہے بلکہ اسکی افزونی کا سبب بھی ہوتا ہے اور ہر شخص کو اپنی فوری عقلی سے کام لینے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اسکے بالعکس جب انتظام مال اور ٹیکس میں ایسی غلطیاں ہو جائیں جو رعایا کو دولت اور اخلاق میں ترقی کرنے سے مانع ہوں پس اگر وہ غلطیاں عظیم ہیں تو انکا نتیجہ ضرور یہ ہوگا کہ رعایا مفلس اور بد اخلاق ہو جائیگی۔ الغرض قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب انتظام اور ترقی کے معنی نہایت وسیع لیے جائیں اور موجودہ فوائد کا استحکام اُنسے مقصود ہو تو ترقی کے لوازم انتظام کے لوازم بدرجہ اتم ہیں اور بقا کے لوازم ترقی کے لوازم کسی قدر ناقص درجے میں ہیں۔

بعض لوگوں کا دعوے یہ ہے کہ انتظام اور ترقی میں فرق میں ہے اور جو فائدہ موجود ہے اسکا باقی رہنا اور اُس سے زیادہ حاصل ہونا ان دونوں باتوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک مضبوط بنیاد تفریق کی پیدا ہوتی ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں ہم کو شاید یہ یاد دلایا جائیگا کہ ممکن ہے کہ انتظام کو کھو کر ترقی حاصل ہو۔ یعنی درحالیکہ ہم ایک قسم کے فائدہ کو حاصل کر رہے ہوں یا اُسکے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں دوسرے قسم کے فوائد ہمارے ہاتھ سے جاتے رہیں۔ مثلاً دولت میں ترقی اگر نیکی میں تنزل ہو۔ تنہے فرض کیا کہ یہ بات سچی ہے لکن اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ ترقی اور جنس سے ہے اور انتظام اور جنس سے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دولت اور چیز ہے اور نیکی اور چیز۔ انتظام میں کچھ اور ملا دیا جائے تو ترقی ہو جائے اور

اس کا جواب یہ نہیں ہے کہ ایک چیز میں ترقی سے ہر چیز میں انتظام نہیں لازم آتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز میں ترقی سے بھی ہر چیز میں ترقی نہیں لازم آتی۔ ہر قسم کی ترقی میں انتظام داخل ہے اور جب کسی خاص قسم کی ترقی کی خاطر انتظام ترک کیا جاتا ہے تو دوسرے قسم کی ترقی بھی اُسکی وجہ سے جاتی رہتی ہے اور اگر ترقی ایسی چیز نہیں ہے جسکی خاطر انتظام ترک کیا جائے تو صرف انتظام ہی کے فائدہ سے چشم پوشی نہیں کی گئی ہے بلکہ ترقی کا عام فائدہ غلط سمجھا گیا ہے۔

اگر ان متضاد خیالات کا لحاظ کر کے عہدہ حکومت کی ایسی تعریف کی جائے جو عقلاً جامع و مانع ہو تو لفظ انتظام کو اس تعریف سے نکال دینا اور یہ کہنا کہ سب عہدہ حکومت وہ ہے جو سب سے زیادہ باعث ترقی کا ہو عقلاً زیادہ تر صحیح ہو گا۔ کیونکہ ترقی اور انتظام میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ترقی میں انتظام داخل ہے مگر انتظام میں ترقی نہیں شامل ہے۔ ترقی ایک اعلیٰ درجہ اُس چیز کا ہے جس کا ایک دنی درجہ انتظام ہے انتظام دوسرے معنی سے عہدہ حکومت کے سابق الوجود لوازم کا صرف ایک جزو ہے اُسکے مفہوم اور ماہیت میں نہیں داخل ہے۔ انتظام کو ترقی کے شرائط میں محسوب کرنا مناسب ہے کیونکہ اگر کوئی مجموعی فائدہ کا بڑھانا منظور ہے تو پُر ضرور ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس بالفعل موجود ہے اُسکی نگہداشت کما حقہ کریں۔ مثلاً اگر ہم زیادہ دولت جمع کرنے کی کوشش کریں تو سب سے اولیٰ و اقدم یہ ہے کہ جو مال ہمارے پاس اس وقت موجود ہے اُسکو بے فائدہ اڑانا ڈالیں۔ اس معنی سے انتظام ترقی کی غایت و غرض نہیں ہے بلکہ اُس کا جزو ماہیت اور اُسکے حصول کا ذریعہ ہے۔ مثلاً اگر ایک بات میں نفع اُٹھایا جائے اور دوسری بات میں اُس نفع سے زیادہ نقصان گوارا کیا جائے تو یہ ترقی نہیں

ہوئی۔ پس گورنمنٹ کی ساری غلطی ہے کہ ترقی کا باعث اس آخر الذکر معنی سے ہو۔

اگرچہ عمدہ حکومت کے معیار کی یہ تعریف از روئے قواعد علم الہدایہ الطبیعیہ یعنی عقلاً ثابت ہو سکتی ہے مگر جامع و مانع نہیں ہے اس واسطے کہ لفظ ترقی سے اوپر چڑھنے یا اصطلاح انگریزی آگے بڑھنے کے معنی پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اس مقام پر اس لفظ سے آگے بڑھنا اور نیچے نہ ہٹنا دونوں باتیں مراد ہیں۔ وہی تمدنی اسباب یعنی وہی اعتقادات وہی دنیا لات۔ وہی رسوم و آئین۔ وہی دستورات جنہر سو سائٹی کی ترقی میں افزائی موقوف ہے بمعینہ انھیں اسباب پر اسکا کنترل سے بچنا بھی موقوف ہے۔ اگر ترقی کی امید نہوتی تو بھی عمر بھر آدمی کو اسباب کنترل کو دفع کرنے کی کوشش کرنی پڑتی اور آج تک یہی کیفیت تھی اور اگلے زمانہ میں بھی لوگ کل سیاست کا دار و مدار اسی پر جانتے تھے۔ انسان اور اسکے کاموں میں طبیعی استعداد کنترل کی ہے البتہ ممکن ہے کہ عمدہ آئین حکومت اگر نیک بنی ہو اور ایمان داری سے برتا جائے تو یہ استعداد کنترل ایک نامحدود عرصہ تک رُکی رہے گی۔ لیکن اس زمانہ میں لوگوں کی یہ رائے نہیں ہے بلکہ فی زمانہ اکثر لوگوں کا مذہب اسکے خلاف ہے اور انکا یہ قول ہے کہ بالجموع دیکھئے تو سب چیزیں ترقی کی طرف مائل ہیں تاہم یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیے کہ انسان کے امور ہمیشہ اترتے جاتے ہیں اور اُس پر صدمہ حاکماتوں اور برائیوں اور غلطیوں اور سستی و کامی کا غلبہ رہتا ہے اور یہ خرابیاں جو رُکی رہتی ہیں اور سب کو تباہ و برباد نہیں کرنے پاتیں تو صرف اُن لوگوں کے طفیل سے جنہیں سے بعض علی الدوام اور بعض گاہے گاہے عمدہ اور مفید مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں بہت کم اندازہ ان کوششوں کی وقعت کا ہو گا جو انسان کی طبیعت اور اسکی طرز معیشت کی اصلاح اور عمدگی

کے لیے کیجاتی ہیں اگر یہ گمان کیا جائے کہ اُن کو کششون کی قدر صرف اسوجہ سے کرنی چاہیے کہ اُنکی بدولت بہت سی اصلاح اور ترقی واقعی وقوع میں آئی ہے اور اگر وہ کششین موقوف کردی جائیں تو صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ ہم لوگ سب سے ہیں ویسے ہی رہ جائیں گے اگر اُن کو کششون میں ذرا بھی کمی ہو جائے تو صرف ترقی ہی نہ موقوف ہو جائیگی بلکہ سب چیزوں میں تنزل شروع ہو جائیگا اور جب تنزل ہونے لگا تو پھر برابر ہوتا جائیگا اور اُسکو روکنا مشکل ہوتا جائیگا یہاں تک کہ وہ نوبت پہنچ جائیگی جو اکثر تواضع میں دیکھی جاتی ہے اور جس حالت میں اکثر اصناف انسان اتناک مبتلا ہیں۔ وہ حالت ایسی قسم ہے کہ اُنکی اصلاح انسان کے امکان سے باہر ہے ہاں اگر فرشتے آسمان سے اُتر کر اُسکو دوبارہ لوہر کی طرح کھینچیں تو شاید کچھ ہو۔

**الغرض** وجہ مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ ترقی اور انتظام اور بقا انہیں سے کوئی لفظ اس قابل نہیں ہے کہ کسی قسم کی حکومت کے لوازم کی تفریق کی بناء قرار پاسکے جو تضاد ان الفاظ کے معانی میں پایا جاتا ہے وہ نفس معانی میں نہیں ہے بلکہ ان میں انسان میں ہے جو ان معانی کے مصداق ہیں۔ کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض معنی احتیاط اور بعض میں جرأت غالب ہوتی ہے اور بعض آدمیوں کو یہ خواہش زیادہ تر ہوتی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے یہ نسبت اسکے کہ ہم قدیم فوائد میں ترقی کریں یا جدید فوائد حاصل کریں۔ اور بعض اشخاص کا میلان اسکے برخلاف ہوتا ہے اور وہ فوائد موجودہ کی یہ نسبت فوائد آئندہ کی زیادہ فکر رکھتے ہیں ان دونوں کے اغراض کے حصول کی ایک ہی سبیل ہے مگر وہ اُس راستہ سے بہک کے طریق مخالفت اختیار کرتے ہیں ہر ایک گروہ ارباب سیاست و منتظمان ملک کی

ترکیب میں اس امر کا لحاظ رکھنا واجب ہے کہ انہیں دو نون قسم کے لوگ شامل کیے جائیں تاکہ ایک قسم کے لوگوں میں جو صفتیں حد اعتدال سے زائد ہوں انکو دوسری قسم کے لوگ اُس حد سے نہ بڑھنے دیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص قاعدہ ضرور نہیں ہے بشرطیکہ یہ خیال رکھا جائے کہ اسکے خلاف نہ ہونے پائے۔ جب کہن سال اور نوجوان آدمی از خود مانند شیر و شکر باہم آمیختہ ہو جائیں گے۔ یعنی جب لوگ جو عزت و وقار حاصل کر چکے ہوں اور وہ لوگ جنکو ہنوز شہرت اور ناموری نہیں حاصل ہوئی ہے باہم صحبت و رفاعت اختیار کرینگے تو عموماً یہ مقصد حاصل ہو جائیگا بشرطیکہ قدرتی مساوات میں مصنوعی قاعدہ سے خلل اندازی نہ کی جائے۔

تہذیبی ضرورتوں کی تفریق کے لیے جو فرق و امتیاز عموماً اختیار کیا گیا ہے چونکہ انہیں وہ صفتیں نہیں ہیں جو اس کام کے لیے درکار ہیں لہذا انکو اور فرق و امتیاز جو اس مقصد کے زیادہ تر مناسب ہو۔ ایسا فرق اُس تحقیق سے معلوم ہو جائیگا جو ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

اگر ہم اپنے دل سے پوچھیں کہ عمدہ حکومت کے جتنے معانی ہیں چہ اعلیٰ و چہ ادنیٰ ان سب کے لحاظ سے وہ کن اسباب پر موقوف ہے تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ سب سے بڑا سبب جو سب اسباب پر فائق ہے یہ ہے کہ جو سو سائیٹی اُس حکومت کی محکوم ہے وہ کیسے لوگوں سے مرکب ہے اور انہیں کیا صفتیں پائی جاتی ہیں اسکی پہلی مثال عدالتوں کا انتظام ہے کیونکہ کار سلطنت کا کوئی جزو نہیں ہے جس میں ذرا ذرے کام کے لیے قواعد و آلات کی ایسی شدید ضرورت ہو مگر حکام اور کارپردازان عدالت میں جو صفتیں ہونی چاہئیں انکی ضرورت اُس سے بھی زیادہ ہے

کیونکہ عدل و انصاف کے مقاصد حاصل کرنے میں قواعد وغیرہ سے کیا فائدہ ہوگا اور آخیا لیک  
اکثر لوگوں کی اخلاقی حالت ایسی ہے کہ گواہ عموماً دروغگو ہیں اور جج اور اُسکے ماتحت  
جو لوگ ہیں وہ رشوت سنانی کرتے ہیں؟۔ حلی ہذا انقیاس قواعد وغیرہ کے ذریعہ سے  
میںوسیل کا انتظام کیونکر درست ہو سکتا ہے درآخیا لیکہ جو لوگ دیانت داری اور قیامت  
کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں وہ ایسے بدشوق ہیں کہ اسکو قبول ہی نہیں کرتے  
اور یہ کام اُن لوگوں سے متعلق کیا جاتا ہے جو کوئی ذاتی غرض نکالنے کے لیے  
اسکو قبول کر لیتے ہیں کیسی ہی وسیع سلطنت جمہوری کیون نہو اُس سے کچھ فائدہ  
نہیں ہے اگر انتخاب کنندہ بے پروائی کریں اور سب سے عہدہ ممبر پارلیمنٹ کے لیے  
بہ منتخب کریں بلکہ اُس شخص کو منتخب کریں جو سب سے زیادہ روپیہ خرچ کر کے  
اپنے تئیں منتخب کرائے۔ وکلاء قوم کی کمیٹی یعنی پارلیمنٹ کی کارروائی سے  
کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگر اُسکے ممبر اپنے دو ٹوٹن کو فروخت کرتے ہیں یا ایسے  
غصہ ور ہیں کہ ذرا سی بات میں ادب قاعدہ کو بالائے طاق رکھ کر جامہ سے  
باہر ہو جاتے ہیں اور باہم زور و کوب یا بندوق مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں یا  
مثلاً کار حکومت یا اور کوئی مشترک کام اُس حالت میں کیونکر انجام پا سکتا ہے  
جبکہ لوگوں میں باہم رشک و حسد اس درجہ ہو کہ اگر انہیں سے کسی کی کامیابی کا  
ظن غالب ہو تو جن لوگوں کو اُسکی شرکت اور اعانت کرنی چاہیے وہ سب  
متفق ہو کر ایسی ناکامی کی کوشش کریں۔ جب لوگوں کا مزاج عموماً اس قسم کا ہو کہ ہر شخص  
فقط اپنے ذاتی اغراض پر نظر کرے اور عام فائدہ کی کوشش میں شریک ہونے کی کچھ فکر  
اور بردانہ کرے تو ایسی حالت میں عہدہ حکومت کا ہونا غیر ممکن ہے عہدہ حکومت کے



لو انہم ضروری کے روکنے میں جہل و نادانی کا جو اثر ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے  
 اس واسطے کہ گورنمنٹ کا کام آخر آدمی ہی تو کرتے ہیں پس اگر کار پر دازان سلطنت یا وہ  
 لوگ جو انکو منتخب کرتے ہیں یا وہ لوگ جنکے وہ جواب دہ اور مواخذہ دار ہیں یا  
 تاشائی لوگ جو سلطنت سے تعلق ذاتی نہیں رکھتے ہیں اور جنگی رے کا اثر ان سب پر  
 بڑا جاتی ہے۔ اگرچہ سب جاہل محض اور کندہ ناتراش اور بے وقوف اور متعصب ہیں تو گورنمنٹ کا  
 ہر ایک کام غلط ہو جائیگا اور جب قدر لوگ اس دے جسے آگے بڑھتے جائیگے اسی قدر حکومت  
 عمدہ ہوتی جائیگی یہاں تک کہ خوبی کی اس حد تک پہنچ جائیگی جہاں تک سکا پہنچنا  
 ممکن ہے مگر نفس الامین دہانک کبھی نہیں پہنچی ہے۔ یہ وہ درجہ عمدگی کا ہے  
 جس میں عمدہ داران گورنمنٹ خود نہایت کریم النفس اور صاحب علم و عقل ہوتے ہیں  
 اور ایک نیک نوا اور خیر اندیش اور رزق خیر رے جمہور انکو گھیرے رہتی ہے۔

الغرض جب یہ ثابت ہو گیا کہ عمدہ حکومت کا جز اعظم اور اصل یہ ہے کہ  
 جو قوم اس حکومت کی محکوم ہو اس قوم کے لوگ نیک کردار اور ذی شعور ہوں  
 لہذا سب سے زیادہ عمدگی جو کسی قسم کی حکومت کو حاصل ہو سکتی ہے یہ ہے کہ خود  
 اس قوم کی نیک کرداری اور اسکے فہم و شعور کو وہ حکومت ترقی بخشنے ہر قسم کے آہن  
 سیاست کی نسبت پہلا امر تنقیح طلب یہ ہے کہ زمین کتنی قابلیت اس بات کی ہے  
 کہ قوم محکوم میں مختلف اوصاف اخلاقی اور عقلی اور عملی کو قوت بخش سکتا ہے جو حکومت  
 اس امر کو نہایت عمدہ طور سے کرتی ہے غالباً وہ اور سب امور کے لحاظ سے بھی  
 نہایت عمدہ ہوگی اس واسطے کہ گورنمنٹ کے عملی کاموں کا اچھا ہونا انہیں مصنفوں پر  
 موقوف ہے جہاں تک یہ رعایا میں پائی جاتی ہیں۔

پس عہدہ حکومت کی ایک معیار یہ ہے کہ محکومین میں من حیث المجموع اور فرد افراد صفات حمیدہ کو زیادہ کرنے کی کتنی قابلیت رکھتی ہے کیونکہ قطع نظر اس سے کہ گورنمنٹ سے غایت و غرض صرف رعایا کی رفاه و بہبود ہے رعایا کی عہدہ صفتیں اس قوت محرکہ کا کام دیتی ہیں جو حکومت کی کل کو چلاتی ہے۔ اب دوسرا جز اعظم گورنمنٹ کی عہدگی کا باقی رہا جو خود گورنمنٹ میں ہونا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ میں کتنی قابلیت اس بات کی ہے کہ جب قدر لیاقتیں کسی وقت خاص میں رعایا میں موجود ہوں اُن سے مستفید ہو اور اُن کے ذریعہ سے مناسب مقاصد کو انجام دے۔ اس مطلب کی توضیح میں پھر وہی مثال عدالتوں کے انتظام کی لکھی جاتی ہے جو سابق میں بیان ہو چکی ہے۔ جب ایک خاص انتظام عدالتوں کا معین کر لیا گیا تو اس انتظام کا حسن و قبح و چیزوں پر موقوف ہو گا اور حکام عدالت کے حسن لیاقت پر دوم اس پر کہ جمہور کی قابلیت پر جو حکام عدالت پر موثر اور محیط ہوتی ہے۔ لکن عہدہ اور خراب انتظام عدالت میں جو کچھ فرق ہے وہ اُن تدبیروں پر موقوف ہے جو اسلئے کیجائیں کہ جو اخلاق اور عقلی لیاقتیں قوم محکوم میں موجود ہیں وہ عدل گستری کے کام میں لائے جائیں۔ یعنی ججوں کے انتخاب کا ایسا بندوبست کیا جائے کہ اعلیٰ درجہ کے خوش کردار اور ذی شعور آدمی ججی کے عہدہ پر مقرر ہوں۔ عدالتوں کی کارروائی کے طریقے عہدہ ہوں۔ وہ کارروائی شائع کی جائے تاکہ جو کچھ سقم یا غلطی اُس میں ہو وہ نکتہ چینی سے دفع ہو جائے اخباروں کے ذریعہ سے بحث اور جرح کرنے کی آزادی بخشی جائے۔ شہادت لینے کا طریقہ اس اعتبار سے کہ سچی بات دریافت کرنے کے لیے وہ طریقہ مناسب ہے یا نامناسب عدالتوں میں رسائی کے جتنے

ذریعے سپرٹائن۔ جرائم کی سرانجام دہی اور مجرموں کی گرفتاری کا بندوبست۔ یہ سب امور  
 فی نفسہ حکومت نہیں ہیں بلکہ حکومت کو اُنکے موانع سے متصل کر دینے کے ذریعے ہیں۔  
 اور اگرچہ وسائل فی نفسہ کوئی فعل نہیں کر سکتے لیکن چاہے کیسی ہی وسیع حکومت ہو بغیر ان  
 وسائل کے مفت ضائع ہوگی اور کوئی نتیجہ اُس سے نہ نکلیگا۔ گورنمنٹ کے عاملانہ صیغوں  
 کی ترکیب میں یہی ایسا ہی فرق ہے اُنکے وسائل اسوقت عمدہ ہیں جبکہ عمدہ دارون کی  
 لیاقتیں دریافت کرنے کے لیے خاص امتحانات مقرر کیے جائیں اور انکی ترقی کے  
 باب میں مناسب قواعد جاری کیے جائیں اور انہیں کام آسانی سے تقسیم کیا جائے  
 اور کام کرنے کا ایک آسان اور باقاعدہ طریقہ مقرر کیا جائے اور جب کام ہو جائے  
 تو صحت کے ساتھ اور عام فہم طور سے درج کا غذات ہو کر داخل دفتر کیا جائے اور  
 ہر شخص جانتا ہو کہ ہم کس کام کے ذمہ دار ہیں اور اور لوگ بھی اُسکو اس کام کا ذمہ دار  
 سمجھتے ہوں اور عمدہ تدبیریں اسلیے کی جائیں کہ اُس صیغہ کے کسی کام میں غفلت یا رعایت  
 یا بے ایمانی نہ ہونے پائے۔ مگر ان خرابیوں کی انسداد کی تدبیریں خود کچھ کام نہ کر نیگی  
 جیسے بے سوار کے لگا گھوڑے کو نہیں روک سکتی اگر وہ عمدہ دار جسے جانچنے کا  
 کام متعلق ہے خود ایسے مرتشی یا غفلت شعار ہیں جیسے وہ لوگ جنکے کام کی جانچ اُنکو  
 کرنی چاہیے اور اگر بلکہ یعنی خاص و عام جو سب جانچنے والے عمدہ داروں کے  
 پیر و مرشد ہیں ایسے جاہل یا کاہل یا بے زبان یا بے پروا اور کم توجہ ہیں کہ جو گرامی  
 اُنکو کرنی چاہیے اُسکو نہ کریں تو انتظام کے آلات اور وسائل چاہیے کیسے ہی عمدہ ہوں  
 کچھ فائدہ اُنسے نہوگا۔ تاہم عمدہ آلات خراب آلات پر ہمیشہ ترجیح رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر  
 آلات عمدہ ہیں اور کام چلانے والی یا غلطی کو روکنی والی قوت جتنی موجود ہے وہ

کافی نہیں۔ ہے تو بھی وہ آلات اتنی ہی قوت سے فائدہ کے ساتھ کام لینگے۔  
 لیکن چلانے یا روکنے والی قوت چاہیے جس قدر ہو بغیر آلات کے کافی نہیں ہوگی  
 مثلاً مشترک نہ تو نقصان کا مانع نہ نفع کا باعث ہو سکتا ہے اگر خاص و عام نہ دیکھیں  
 کہ کیا کام ہو رہا ہے لیکن بغیر مشترک ہونے کے خاص و عام جس کام کو دیکھنے نہیں پاتے  
 اسکو کیونکر روک سکتے ہیں یا اسکی ترغیب دے سکتے ہیں۔ ہر سرکاری محکمہ یا دفتر کا  
 انتظام کامل عقلاً وہ ہے جس میں اس محکمہ یا دفتر کے ہر ایک کارکن کی غرض یا فائدہ اس کے  
 فرض منصبی سے بالکل متحد ہو۔ صرف ایک قاعدہ مقرر کر دینے سے یہ مقصد نہیں آ سکتا  
 لیکن اگر کوئی مناسب قاعدہ اس کے لیے نہ مقرر کیا جائے تب یہ مقصد اتنا بھی نہ برائیگا  
 جتنا قاعدے کی پابندی سے برآ سکتا ہے۔

جو کچھ ہم نے گورنمنٹ کے جزئیات کے انتظام کی نسبت بیان کیا ہے وہ اسکی  
 ترکیب پر بدرجہ اتم صادق آتا ہے۔ ہر قسم کی حکومت جس سے فائدہ کی امید ہو سکتی ہے  
 ایک مجموعہ مرکب بعض اُن عمدہ صفاتوں کا ہے جو قوم محکوم کے لوگوں میں فرداً فرداً  
 پائی جاتی ہیں اور جب کا یہ کام ہے کہ اس گروہ کے معاملات کا من حیث المجموع انتظام  
 کیا کرے حکومت بالوکالت یا بیچا پتی گورنمنٹ یعنی وہ حکومت جس میں گروہ محکوم کے  
 دکلا یا قائم مقام شریک ہوتے ہیں ایک ذریعہ اس بات کا ہے کہ اس گروہ میں  
 عموماً جتنی عقل و شعور اور ایمان داری موجود ہے اور اس گروہ کے بہترین عقلا میں  
 فرداً فرداً جو عقل و دانش اور نیکی موجود ہے وہ حکومت کے کام میں بلا واسطہ  
 صرف ہوتی ہے اور انکو حکومت میں اختیار اس سے زیادہ حاصل ہو جاتا ہے  
 جتنا اور کسی قسم کی حکومت میں حاصل ہوتا اور دوسری قسم کی حکومت میں بھی جتنی قوت

یا اختیار اُنکو حاصل ہے اُسی کی بدولت جو کچھ خوبی ہے سو ہے اور جس عیب سے وہ بری ہے اُسی کے طفیل سے بری ہے یہ اوصاف حمیدہ جبقہ رزیدہ ہوں اور جتنے عمدہ طریقہ سے مرتب کیے جائیں اتنی ہی عمدہ حکومت ہوگی۔

پس معلوم ہوا کہ جو خوبی آئین سیاست کے کسی سلسلہ میں پائی جاسکتی ہے وہ دو قسم کی ہوگی ایک یہ کہ آئین سیاست کی اُس سلسلہ کے باعث سے گروہ حکوم کی عام عقلی لیاقت یا داغی قوت میں کس درجے تک ترقی ہوئی ہے۔ اور اس ترقی میں عقل۔ اخلاق عمل۔ کارگزاری۔ ان سب کی تکمیل داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ جتنی لیاقت عقلی اور اخلاقی اور عملی اس گروہ میں بالفعل موجود ہے وہ کس درجہ تک ایسی مرتب کر لی گئی ہے کہ امور سلطنت پر غایت درجہ موثر ہو سکے۔ گورنمنٹ کا حسن وضع اسطور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آدمیوں پر اثر کیا اثر ہوا اور اوجہ زین پر اُس نے کیا فعل کیا۔ اُس نے رعایا کو کیا بنادیا اور اُس سے کیا کام کیا۔ کتنی قابلیت وہ خود رعایا کو ترقی یا تنزل بخشنے کی رکھتی ہے۔ اور کیا اچھایا بُرا کام اُس نے رعایا کی خاطر یا اُس کے ذریعہ سے کیا۔ گورنمنٹ میں دو کیفیتیں متا پائی جاتی ہیں۔ وہ ایک فطریہ ہے جو انسان کے دماغ پر اثر کرتی ہے اور ایک سلسلہ امور خلافت کے انتظام کا ہے۔ پہلی خبیثیت سے اُسکا مفید اثر اگر چہ ضمناً ہوتا ہے لیکن نہایت قوی ہوتا ہے اور اُسکا مضر اثر صریحاً ہو سکتا ہے۔

گورنمنٹ کے ان دو کاموں میں جو فرق ہے وہ نقطہ بے کافرق نہیں ہے جیسا انتظام اور ترقی میں فرق بیان کیا گیا بلکہ قسم کافرق ہے لیکن یہ خیال کرنا چاہیے کہ ان دونوں میں تعلق تام نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آئین سیاست جس سے امور سلطنت کا

سب سے عمدہ انتظام جو ملک کی تہذیب و شایستگی کی حالت موجودہ میں ممکن ہے ہو سکتا  
 صرت ایسی ایک حیثیت سے اُس ملک کی ترقی میں افزونی کا باعث ہوتا ہے جس قوم میں  
 قوانین نہایت منصفانہ جاری ہوں اور عدالتوں کا انتظام نہایت عمدہ اور پاک پاکیزہ ہو  
 اور عام انتظام ردِ شمنِ ضحیری کے ساتھ کیا جاتا ہو اور انتظام مالِ غایت درجہ فرینِ انصاف  
 اور بہت سبک ہو اور یہ سب خوبیاں اُس حد تک پائی جائیں جتنا کہ اُس قوم نے علم  
 اور اخلاق میں ترقی کی ہو ایسی قوم بہت جلد ترقی کے عالی درجہ تک پہنچ جائیگی۔  
 اور کوئی طریقہ جس سے آئین سیاست قومِ محکوم کی ترقی کا سبب بدرجہ اتم ہو سکتا ہے  
 اس سے بہتر نہیں ہے کہ جو کام اُس قوم کو براہِ راست کرنا چاہیے اسکو وہ اچھی طرح  
 کرے لیکن بالکس ایسے اگر آلات حکومت ایسے خراب بنائے گئے ہوں کہ اپنا خاص کام بھی  
 برے طور سے انجام دیتے ہوں تو ہزار ہا نتائج اس قسم کے پیدا ہونگے کہ اُس قوم کے اخلاق  
 خراب ہو جائیں گے اور اسکی قوت عقلی اور عقلی دونوں زائل ہو جائیں گی۔ مگر تاہم یہ فرق  
 واقعی ہے فرضی نہیں ہے اس واسطے کہ یہ صرف ایک ذریعہٴ تامل اُن ذرائع کے ہے جسے  
 آئین سیاست انسان کی عقل کو ترقی یا تزلزل بخشتا ہے۔ اب اُس ترقی یا تزلزل کے سہاوا  
 اور طریقے کیا ہیں یہ ایک وسیع مضمون ہے جسکی تحقیق علیحدہ کی جائیگی۔

پس ہر قسم کی حکومت یا آئین سیاست دو طرح سے گروہِ محکوم کی رفاہ و بہبود  
 مؤثر ہوتا ہے۔ ایک اس طرح سے کہ وہ اُس گروہ کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے۔  
 دوسرے اس طرح سے کہ جو حالت اُس گروہ کے تعلیم کی بالفعل ہے اُس لحاظ کر کے وہ  
 اُسکے مجموعی معاملات کا انتظام کرتا ہے ظاہر الاختلاف ملک اور تہذیب و شایستگی  
 کے فرق سے امرثانی میں بہ نسبت امر اول کے کم اختلاف ہوتا ہے۔ امرثانی گورنمنٹ کی

اصلی ترکیب سے بہت کم تعلق رکھتا ہے۔ کار حکومت کے عملدرآمد کا سب سے عمدہ طریقہ جو ایک آزاد سلطنت میں ہوتا ہے وہی سلطنت شخصی مطلق العنان میں بھی جاری ہو سکتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ غالباً سلطنت شخصی مطلق العنان اُسکو عمل میں نہ لائیگی مثلاً جہاد سے متعلق قوانین۔ اصول شہادت اور طریقہ کار روائی عدالت۔ ٹیکس اور مالی انتظامات کچھ ضرور نہیں ہے کہ یہ امور مختلف اقسام حکومت میں مختلف ہوں اس میں سے ہر ایک امر کے متعلق خاص اصول اور مخصوص قواعد ہیں جو اُس مضمون سے جربیان ہو رہا ہے علم و تحقیق طلب ہیں۔ اصول عامہ قانون۔ قوانین دیوانی و فوجداری مالی اور تجارتی انتظام۔ یہ سب فی نفسہ علوم ہیں یا یہ کہ وسیع علم سیاست کے مختلف شعبے ہیں۔ اور ان سب علوم کے جو نہایت مفید مسائل ہیں اگرچہ جملہ اقسام حکومت میں نہ سمجھے جائیں اور نہ عمل میں لائے جائیں تاہم اگر وہ سمجھے جائیں اور عمل میں لائے جائیں تو ہر قسم کی حکومت میں بدرجہ مساوی نفع بخشینگے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ مسائل بغیر جہاد تربیات کے سب تمدنی حالتوں میں اور عقل انسانی کے سب درجوں میں نہیں صادق آسکتے۔ تاہم اکثر یہ مسائل صرف جزوی تربیات کے محتاج ہیں اور خفیف تربیات کے ساتھ تمدن کی ہر ایک حالت میں جہیں اس قدر ترقی ہو چکی ہو کہ اُنکو سمجھنے کے قابل حکام موجود ہوں جاری ہو سکتے ہیں اور جس گورنمنٹ کے لیے یہ مسائل بالکل موزون و مناسب ہوں اُنکو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایسی خراب ہے یا عام رائے کے ایسی خلاف ہے کہ مباح ذریعوں کے اپنے تئیں قائم رکھنے کی قابلیت نہیں رکھتی ہے۔

لکن گردہ محکوم کے جو اغراض خود اُس گردہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہیں انکی اور ہی کیفیت ہے۔ آئین سیاست جس حیثیت سے کہ گردہ محکوم کی تعلیم و تربیت کا

وزیر ہے اُس حیثیت سے اسکا مختلف ہونا اور اُس درجہ کے مناسب ہونا جس درجہ تک وہ گروہ پہنچا ہے ضرور ہے۔ اس زمانہ کے مسائل سیاست کو جو اگلے زمانہ کے کلیات سیاست پر شرف حاصل ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ اس زمانہ میں آخر الذکر مسئلہ بہ دلیل یا بلا دلیل تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اگلے زمانہ میں انگلستان یا فرانس کے ایسے سلطنت جمہوری ایسے دلائل سے طلب کی جاتی تھی جن سے اس قسم کی سلطنت صحرائین عربوں یا دشمنی باشندگان جزائر ملایا کے بھی مناسب حال ثابت ہو سکتی تھی مختلف قوموں کی حالت تہذیب شایستگی کے لحاظ سے ذیل ہونے ہوتے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہے جو اعلیٰ قسم کے حیوانات کی حالت سے کچھ ہی بہتر ہے اور یہی کیفیت اُنکے عروج و رفعت کی ہے اور آئندہ نہیں معلوم کتنے بلند درجہ پر پہنچ جائیگی۔ ہر قوم چند اسباب جمع ہو جانے کی وجہ سے منجملہ انہیں ذیل حالتوں کے ایک حالت فروغ پا سکتی ہے اور منجملہ اُن اسباب کے ایک سبب قوی اُسکے عروج کا دھوکہ دے جسکی وہ محکوم ہے۔ ترقی کے سبب درجوں میں جو انسان کو آجتک حاصل ہوئے ہیں سب سے زیادہ قوی اسباب جن سے کسی قوم کو وہ رُشد حاصل ہوا ہے جو بالفعل موجود ہے اور اُتنا عروج حاصل ہو سکتا ہے جتنی قابلیت اُنہیں ہے یہ ہیں کہ افراد قوم پر کس قسم اور کس درجہ کی حکومت کی جاتی ہے اور حکومت کیونکر تقسیم کی گئی ہے اور احکام اور انکی تعمیل کی کیا کیفیت ہے۔ مگر اُس قوم کا مذہبی اعتقاد اس سے مستثنیٰ ہے۔ جس حکومت کی محکوم وہ قوم ہے اگر وہ حکومت اُس خاص درجہ ترقی کے مناسب نہیں ہے جس درجہ تک وہ قوم ترقی کر چکی ہے تو ممکن ہے کہ اُنکی ترقی کئی چیزیں رک جائے۔ اور اگر گورنمنٹ میں صرف ایک بھی صفت ہو کہ اُنکے اثر سے گروہ محکوم



ایک درجہ ترقی سے آگے بڑھ کر دوسرے درجہ تک پہنچ جائے تو اور جتنے عیوب اس گورنمنٹ میں ہوں تقریباً وہ سب معاف ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ترقی کے مخالف اور مضر امور نہ ہوں۔ اسکی ایک مثال جو سابق میں بیان ہو چکی ہے بھر لکھی جاتی ہے کہ جو قوم ایک وحشانیہ خود سری کی حالت میں ہو اور ہر قسم کے بیرونی اختیار یا دباؤ آزاد ہو وہ کچھ ترقی تہذیب شائستگی میں نہیں کر سکتی تا وقتیکہ وہ اطاعت کرنا نہ سیکھ لے لہذا جو گورنمنٹ اس قسم کے لوگوں پر حکومت کرنا چاہے اس میں یہ صفت ضرور ہونی چاہیے کہ اپنی اطاعت قبول کروائے اور یہ وہ اُس وقت کر سکتی ہے کہ مطلقاً یا تقریباً مطلق العنان ہو جس حکومت میں عوام کو کچھ بھی دخل ہو اور جبکا دار و مدار اس امر پر کہ مختلف افراد قوم اپنی آزادی فعل سے دست بردار ہوں۔ وہ قوم کو پہلا ہی سبق نہ پڑھا سکے گی جسکی محتاج وہ اپنی ترقی کے اس درجہ میں ہے لہذا جب قوموں میں تہذیب و شائستگی دیگر مہذب قوموں کے قرب و اتصال سے نہ پیدا ہوئی ہو تو ہمیشہ اس بادشاہ مطلق العنان کی بدولت حاصل ہوگی جس نے حکومت مذہبی یا فوجی قوت سے حاصل کی ہے بلکہ اکثر غیر ملک کے آدمیوں کے زور و شیر سے اسکو حکومت مل جاتی ہے۔

علاوہ اسکے غیر مہذب قوموں میں جو سب سے زیادہ بہادر اور مضبوط ہوتے ہیں اس دائمی محنت جس میں کچھ افز و خگی نہ ہو کر اہستہ رکھتے ہیں حالانکہ حقیقی تہذیب شائستگی ایسی ہی مشقت سے آتی ہے اور بغیر اسکے نہ تو عقل مجرد میں وہ خاصیتیں اور خادقین پیدا ہو سکتی ہیں جو مہذب سوسائٹی کے لیے ضرور ہیں اور نہ عالم ادبیات میں اسکا گداز ہو سکتا ہے۔ جب ایسے ہی شاذ و نادر اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ایک عرصہ دراز گزر جاتا ہے تب ایسے لوگوں کو محنت و مشقت کی عادت پڑ جاتی ہے۔

پڑتی ہے الّا یہ کہ چند روز اُسے زیر دستی محنت کرائی جائے۔ اسی وجہ سے جب غلامی سے محنت کی عادت پڑ جاتی ہے اور اکثر افراد قوم کا پیشہ محنت مزدوری ہو جاتا ہے تو ممکن ہے کہ لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کی بہ نسبت غلامی کی بدولت اُنکو جلد تر آزادی حاصل ہو جائے۔ یہ بیان کرنا کیا ضرور ہے کہ غلامی کو یہ قدر صرف اُسوقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ تمدن کی ابتدائی حالت ہو کیونکہ مہذب قوم کے پاس گروہ محکوم کما شایستہ بنانے کے اور بہت سے ذریعے ہوتے ہیں اور غلامی جملہ اعتبارات سے اس حکومت کے بالکل خلاف ہے جسکی بنا قانون پر ہو اور جو فی زمانہ ناظر معاشرہ اور طریق تمدن کی اصل و بنیاد ہے اور جب بردہ فروشوں کا فرقہ مہذب ملک میں آجاتا ہے تو بردہ فروشی کی وجہ سے اُسکی طبیعت ایسی خراب ہوجاتی ہے کہ موجودہ تمدنی حالت میں بردہ فروشی اختیار کرنا وحشیانہ حالت سے بدتر حالت پر عود کرنا ہے۔

لکن ہر ایک قوم جو اب مہذب و شایستہ ہے کسی نہ کسی وقت میں ضرور غلامی کی حالت میں تھی۔ جو قوم غلامی کی حالت میں ہوا اُسکو اُس حالت سے خلاص کرنے کے لیے اس قسم کی حکومت نہیں درکار ہے جیسے وحشی قوم کو وحشیانہ حالت سے نکالنے کے لیے درکار ہے۔ اگر وہ قوم خلقت سے قوی اور جالاک ہے علی الخصوص اگر اُس گروہ میں ایک جفاکش فرقہ بھی موجود ہے اور نہ تو وہ غلاموں کا فرقہ ہے نہ بردہ فروشوں کا (جیسا یونان کی سلطنت میں تھا) تو غالباً اُس قوم کی ترقی کے لیے صرف اُسی قدر درکار ہے کہ وہ آزاد کر دی جائے اور جب وہ آزاد کر دی جائے جیسے روم قدیم میں آزاد کردہ غلاموں کی کیفیت ہوتی تھی تو اُسی طرح اُسکو بھی آزاد رعایا کے

پورے حقوق مل سکتے ہیں۔ مگر غلامی کی معمولی حالت یہ نہیں ہے بلکہ یہ اسکی علامت ہے کہ غلامی معدوم و مفقود ہوتی جاتی ہے سچ پوچھیے تو غلام وہ شخص ہے جسے خود اپنی مدد کرنی نہیں سیکھی ہے۔ بیشک وہ ایک درجہ وحشی آدمی سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اسکو حکومت کا پہلا ہی سبق پڑھنا نہیں باقی رہا ہے یعنی وہ اطاعت کرنا سیکھ چکا ہے۔ اگر وہ صرف صرخی اور بلا واسطہ حکم کی تعمیل کرتا ہے کیونکہ پیدائشی غلاموں کی یہ خاصیت ہے کہ اپنے کردار کو کسی قاعدہ یا قانون کے موافق نہیں کر سکتے۔ وہ صرف وہ کام کر سکتے ہیں جبکہ حکم اُنکو دیا جائے اور جب حکم دیا جاتا ہے تب ہی اُس کام کو کرتے ہیں۔ جب وہ شخص جس سے وہ ڈرتے ہیں اُس پر سزا دل بنا رہے اور اُنکو سزا کی دھمکی دیتا رہے تب تو وہ اطاعت کرتے ہیں لیکن جان اُس شخص نے مجھ موڑا وہب کام ادا ہو رہا رہ گیا۔ جو امر ایسے غلاموں کو کام کرنے کا محرک ہوتا ہے اسکو چاہیے کہ اُنکے فرائض سے متعلق ہو بلکہ اُنکے نفس پر موثر ہو یعنی اُنکے دل میں نور امید و بیم پیدا کر دے۔ مطلق العنان حکومت جونیون کو دھیرا کر لیگی مگر غلاموں کے عیوب کو اور زیادہ کر دیگی اور جب حکومت خود انہیں سے متعلق کر دی جائے تو وہ اسکا انتظام خاک بھی نہ کر سکیں گے۔ وہ خود اپنی ترقی نہیں کر سکتے بلکہ کوئی اور اُسے ترقی کرائے تو وہ ترقی کریں۔ جو بات اُنہیں نہیں ہو سکتی اور جبر انکی ترقی موقوف ہے وہ یہ ہے کہ مطلق العنان حکومت اُنہیں اٹھائی جائے اور قانون کی حکومت کے تابع کیے جائیں۔ اُنکو ملنگ گورنمنٹ یعنی اپنے اوپر خود حکومت کرنا سکھانا چاہیے اور سلف گورنمنٹ کے معنی اُسکے ابتدائی درجہ میں یہ ہیں کہ جو ہدایت کیجائے اُسکے موافق عمل کرنے کی قابلیت۔ جس چیز کی احتیاج اُنکو ہے وہ حکومت باجبر نہیں ہے بلکہ حکومت بالرفق ہے۔

یعنی بدایت کے محتاج ہیں زبردستی کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ وحشت و جہالت کی وجہ سے وہ لوگ کسی کا کنا نہیں مانتے بجز ان انخاص کے جنکو زبردست سمجھتے ہیں لہذا انکے حق میں وہ حکومت مناسب ہے جو زبردستی کر سکے مگر کمتر زبردستی کرے یعنی ایک قسم کی مربیانہ حکومت مطلق العنان ہو جو سوسائٹی کے سب کاموں پر ایک عام نگرانی عمل میں لایا کرے تاکہ ہر شخص کو یہ خیال رہے کہ حاکم وقت اتنی قدرت رکھتا ہے کہ جو قاعدہ مقرر کر دے اسکی پابندی کر لے مگر چونکہ یہ غیر ممکن ہے کہ حاکم وقت نہایت خفیف جزئیات متعلقہ تجارت و معاشرت کا انضباط و انصرام خود کیا کرے لہذا وہ افراد رعایا کو خواہ مخواہ یہی ترغیب دیتا ہے کہ بہت سا کام اپنی راسے سے خود کر لیا کریں۔ اس قسم کی حکومت کو مارے باندھے کا سودا کنارا ہے اور اسی کی ضرورت ایسے لوگوں کو ایسے ہے کہ تمدنی ترقی کے دوسرے درجہ سے انکو بہت جلد پارنگھادے مثلاً اسی قسم کی گورنمنٹ امریکا میں صوبہ پر واد صوبہ پر اگوسے کے تھے۔ شاید یہ بیان کرنا ضرور نہیں ہے کہ یہ مارے باندھے کا سودا صرف اس لحاظ سے لائق پذیر الی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ لوگوں کو خود تنہا چلنے پھرنے کی لیاقت آجاتی ہے۔

اس مطلب کی توضیح میں زیادہ طول دینا خارج از بحث ہے۔ کیونکہ اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ہر ایک تمدنی حالت کے مناسب کس قسم کی حکومت ہے تو پچا پچائی گورنمنٹ جو اس رسالہ کا موضوع ہے بالاسے طاق رکھی رہے اور ایک نئی کتاب فن سیاست مدن میں تصنیف کرنی پڑے چونکہ اس رسالہ کی غایت و غرض محدود ہے لہذا صرف اصول عامہ فلسفہ سیاست سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس امر کا تصفیہ کرنا کہ کس قسم کی حکومت کس خاص قوم کے نہایت مناسب حال ہے اس پر موقوف ہے کہ اس قوم کے

عیوب و نقائص میں سے کون عیوب اُسکی ترقی کے مانع فوری ہیں یعنی یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ اُسکی راہ کسے روکی ہے۔ ایسی قوم کے لیے سب سے عمدہ حکومت وہ ہے جو اُسکو وہ چیز دے جسکے نہونے سے وہ قوم آگے نہیں بڑھ سکتی یا اگر آگے بڑھتی ہے تو ٹکراتی اور ٹھوکرین کھاتی ہوئی بڑھتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جتنے امور کا مقصود وہ مال ترقی ہو انہیں یہ لحاظ ضرور رکھا جائے کہ جس فائدہ کی ضرورت ہے اُنکی جستجو میں وہ نعمت ہاتھ سے نہ جاتی رہے جو بالفعل موجود ہے یا انہیں نقصان نہ پہونچے۔ مثلاً وحشی قوموں کو اطاعت سکھانی چاہیئے مگر نہ اس طور سے کہ وہ ایک وحشی قوم کے بدلے ایک غلاموں کا گروہ بنجائے۔ پس جس قسم کی گورنمنٹ نہایت مؤثر ذریعہ اس بات کا ہے کہ کسی قوم کو اُسکی ترقی کے دوسرے درجہ سے پار نہ لگھا دے وہ اُس قوم کے لیے بالکل نامناسب ہوگی اگر وہ کام کو ایسے طریقہ سے کرے کہ قوم ترقی کے دوسرے درجہ تک نہ پہونچ سکے یا وہاں تک پہونچنے کے قابل نہ رہے ایسی صورتیں اکثر دُفع میں آتی ہیں اور منجملہ اُن واقعات تاریخی کے ہیں جو نہایت اذہمناک ہیں مثلاً مصر میں جو علماء دین کی حکومت قائم ہوئی تھی یا چین میں جو مہربانہ سلطنت مطلق العنان تھی تو یہ دونوں بہت عمدہ ذریعے اسکے ہوئے کہ مصر اور چین کی قوموں کو ہتذیب و نہایتگی کے اُس درجہ تک لینگے جہاں تک وہ پہونچ سکتے تھے مگر جب وہ قومیں اُس درجہ تک پہونچ گئیں تو عقلی آزادی اور شخص کے نہونے کی وجہ سے وہیں پر رک رہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ترقی کے لوازم سے ہیں اور جس آئین سیاست نے ان قوموں کو ترقی کے اُس درجہ تک پہونچا دیا تھا اُنہی نے اُنکو اُس قابل نہیں رکھا کہ لوازم ترقی کو خود حاصل کر سکیں اور چونکہ وہ آئین زائل ہو کر دوسری قسم کا آئین سیاست اُسکے بدلے

نہیں جاری ہوا لہذا اُنکی آئندہ ترقی موقوف ہو گئی۔ اُن قوموں کی تفتیش ایک اور مشرقی قوم کی نظیر بیان کی جاتی ہے یعنی قوم یہود۔ یہود کی سلطنت بھی سلطنت شخصی مطلق العنان تھی اور علمائے دین کی حکومت تھی اور اُنکے آئین سیاست میں علمائے دین کو اقتدار دخل تھا جیسا ہندو دین برہمنوں کو ہے۔ اُسی آئین سیاست کی بدولت یہود کو وہ بات حاصل ہوئی جو دیگر مشرقی قوموں کو اپنے اپنے آئین سیاست سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ بات یہ تھی کہ یہود محنت و مشقت اور اطاعت کے عادی ہو گئے اور ایک قومی زندگی اُنکو حاصل ہوئی لیکن اُنکے باپ بڑے ہون اور اُنکے ملاؤں کو کبھی ہر نہیں نصیب (جیسا اور قوموں میں ہوا تھا) کہ اُنکی کیریکر یعنی طبیعت کو درست کرنا بالکل اپنے اختیار میں رکھتے۔ اُنکا مذہب ایسا تھا کہ بعض وہ اشخاص جو طبع عالی رکھتے تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے اپنے تئیں ملہم من اللہ یعنی پیغمبرانِ خدا سمجھنے لگے اور لوگ بھی اُنکو ایسا ہی تصور کرنے لگے اور ایک نہایت بیش بہا سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کا پیدا ہوا جنکی پیغمبری کی حیثیت اکثر اُنکے محافظ رہی اور اسی حیثیت کی بدولت وہ ایسے صاحب قوت و اختیار ہو گئے کہ اکثر اوقات سلاطین اور علمائے دین پر غالب رہے اور اُس چھوٹے سے گوشہ زمین میں جبکا نام یہودیت ہے اُن متضاد قوتوں کو قائم رکھا جنکی بقا پر دائمی ترقی کا حصر ہے۔ لہذا اُس ملک (یہودیہ) میں مذہب وہ چیز نہ تھی جو اور بہت سے ملکوں میں تھی یعنی وہ اعتقادات اور رسوم جو ایک دفعہ مقرر ہو گئے ہیں پس پھر کی لکیر ہیں اور ترقی آئندہ کے مانع اور سد راہ ہیں۔ چنانچہ ایک عالم یہود نے جبکا نام اگیم نیلوڈو ہے درست لکھا ہے نبیائے بنی اسرائیل حکومت دینی اور دنیوی دونوں کے لحاظ سے اس زمانہ کے آزاد اخبارات کے

ہموزن اور ہم پلہ تھے۔ یہ مثال صحیح ہے مگر جبرستہ نہیں ہے کیونکہ اس سے بخوبی تصور اس بات کا نہیں ہو سکتا کہ یہودی قومی زندگانی کے اس رکن اعظم یعنی انبیاء بنی اسرائیل سے یہودی قومی تاریخ بلکہ تاریخ عالم میں کیا کیا کار نمایاں ہوئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ وحی و الہام کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوا لہذا جو حضرات نہایت عالی طبع اور بلند خیال اور کریم النفس تھے جو باتیں انکو لائق زجر و توبیخ معلوم ہوئیں انکی جو ذمہ داری اور ممانعت انھوں نے خود خداوند عالم کے حکم سے کی اور مزید برآں قومی مذہب کی بہتر اور پاکیزہ تر تفسیر بیان کی جو اُس زمانہ سے خود اُس مذہب کا جزو ہو گئی ہے۔ پس جس شخص نے بائبل یعنی کتب سماویہ کو ایک کتاب سمجھ کر پڑھنے کی عادت ترک کر دی ہے (چند ہی روز ہوئے کہ عیسائیوں اور غیر عیسائیوں کو یہی عادت تھی) اُسکو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ صحیفہ حضرت موسیٰ یعنی توریت میں جو احکام دینی اور فلاحی اخلاقی لکھے ہیں بلکہ دیگر کتب تواریخ میں بھی (جو بیشک عبرانیوں کے کنسر ویوٹو علماء دین کی تصنیفات ہیں) جو باتیں اس قسم کی لکھی ہیں انہیں اور صحف انبیاء کے احکام اور فلاح میں زمین آسمان کا فرق ہے اور صحف آخر الذکر اور اناجیل اربعہ میں بھی ایسا ہی فرق ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے حالات اس سے زیادہ ترقی کے مقتضی نہ تھے لہذا یہود بعض اسکے کہ مثل اور ایشیائی قوموں کے متوقف ہوں یونانیوں کے بعد ایک نہایت ترقی پذیر قوم زمانہ سلف میں تھی اور یہود اور یونانی ہی اس زمانہ کی تہذیب و شائستگی کے اصل اصول اور محرک قوی ہوئے۔

پس یہ امر کہ مختلف ہتھام حکومت مختلف تمدنی حالتوں کے موافق ہیں یا مخالف بغیر اسکے نہیں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ترقی کے اُن تمام مدارج کا لحاظ کیا جائے جو ہمنور

سوسائٹی کو طے کرنے باقی ہیں یعنی وہ درجے جو پیش بینی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور نیز وہ غیر متناہی سلسلہ جیسا کہ تصویر بھی بالفعل نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مختلف اقسام حکومت کا خزن و قیچ تشخیص کرنے کے لیے ضرور ہے کہ ایک قسم کی حکومت ایسی فرض کر لی جائے جو فرد اکمل ہو یعنی فی نفسہ سب سے عمدہ ہو اور وہ ایسی حکومت ہو کہ جن شرائط ضروری پر اسکے فوائد کا ظاہر ہونا موقوف ہے اگر وہ شرائط پائے جاتے تو سب اقسام حکومت سے زیادہ نہ صرف ایک ہی قسم اور درجہ کی ترقی کی افزونی کا باعث ہوتے بلکہ ترقی کے جملہ اقسام اور مدارج کی زیادتی کا سبب ہوتے جب یہ بات قرار پا چکی تو اب ہمکو تحقیق کرنا چاہیے کہ وہ کونسی عقلی حالتیں ہیں جن پر اس قسم کے گورنمنٹ کے فوائد کا ظاہر ہونا موقوف ہے اور وہ کونسے عیوب ہیں جو کسی قوم کو ایسے فوائد حاصل کرنے سے مانع ہو سکتے ہیں جب یہ تحقیق ہو جائیگا تب یہ مسئلہ عقلی بنا نا ممکن ہو گا کہ کن حالات میں اس قسم کی حکومت کو قائم کرنا قرین مصلحت ہے۔ اور یہ امر بھی شخص سمجھو کہ جب کسی حالت میں ایسی حکومت کو قائم نہ کرنا عقلاً اولیٰ ہو تو پھر اور کس قسم کی حکومت قائم ہو سکتی ہے جو اُس سے اونٹے تو ہو مگر ایسی ہو کہ قوم محکوم کو ترقی کے اُن متوسط درجوں سے باز نہ رکھا دے جنکو طے کرنا واجب ہے قبل اسکے کہ وہ قوم سب سے عمدہ قسم کی حکومت کے قابل ہو جائے۔

منجملہ ان امور متقیع طلب کے امر آخر الذکر خارج از بحث ہے لیکن امر سابق الذکر کہ بہت بزرعظم اس بحث کا ہے۔ اب ہم بلا تامل ایک قضیہ بیان کرتے ہیں جسکے دلائل و براہین اس کتاب میں آگے چلکر لکھے جائینگے۔ وہ قضیہ یہ ہے کہ گورنمنٹ سب اقسام حکومت سے عقلاً بہتر ہے دو بنچاہتی گورنمنٹ کے مختلف اقسام میں سے ایک نہ ایک قسم ہے۔



## تیسرا باب

اس بیان میں کہ بہترین اقسام حکومت عقلاً پچایتی گونٹ ہے  
انگلستان کو آزادی حاصل ہوئے صد ہا برس کا زمانہ گزرا ہے اسی وقت سے  
ہم یہ بات سننے چلے آئے ہیں کہ اگر بادشاہ مطلق العنان اچھا ہو تو مطلق العنان  
سلطنت شخصی سب سے عمدہ قسم حکومت کی ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کی حکومت کو بہترین  
اقسام حکومت خیال کرنا بالکل غلط اور نہایت مضر ہے۔ اور جب تک یہ خیال دفع  
نہو جائیگا گونٹ کی نسبت ہمارے سب خیالات کو بالکل ستیا ناس کر دیگا۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے اُنکے زعم ناقص میں جب حکومت مطلقہ اُس شخص احد کو  
حاصل ہو جائے جو نیک نہاد ہو تو گونٹ کے تمام فرائض ایمانداری اور دشمنی کے  
ساتھ ادا ہونگے۔ یعنی اچھے قوانین بنائے اور جاری کیے جائینگے اور بُرے قوانین  
اصلاح کجائیگی اور سب بڑے بڑے عہدوں پر سب لائق آدمی مقرر کیے جائینگے اور  
جہان تک اُس ملک کے حالات اور انکی عقلی اور اخلاقی ترقی تقضی ہوگی وہاں تک  
عدالتوں کا انتظام عمدہ ہوگا اور رعایا پر ٹیکس کا یا خفیف اور بہت سمجھ بوجھ کر ڈالا جائیگا  
اور حکومت کے ہر صیغہ کا کام بڑے سلیقہ اور دیانتداری سے انجام پائیگا جن لوگوں کا  
یہ قول ہے اُنکی خاطر سے میں یہ سب باتیں تسلیم کرتا ہوں مگر یہ گذارش کرتا ہوں کہ میں نے  
ایک نہایت اعظمیہ کو تسلیم کر لیا ہے اور جو نتائج بیان کیے گئے اُنکا عشر عشر بھی تو اُن الفاظ سے  
نہیں مفہوم ہوتا جو اس وقت موضوع بحث ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں ”ایک اچھا بادشاہ  
مطلق العنان“ یہ الفاظ صرف اُس پادشاہ کی نیک ندامی ہی پر نہیں

ولالت کرتے ہیں بلکہ اُسکے وسیع النظر ہونے پر بھی ولالت کرتے ہیں پس اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اُسکو ہر وقت صحیح اور مفصل اطلاع اس امر کی ہوتی رہتی ہے کہ ہمارے ملک کے ہر ضلع میں حکومت کے ہر شعبہ کا کام کیونکر ہو رہا ہے اور یہ بھی اُسکو لازم ہے کہ ہر روز جو میں گھنٹہ (شاہ دگد اور نوٹن کو لےنا ہی وقت مل سکتا ہے) توجہ تمام اور کامل نگرانی کا سلطنت کے سبب جزئیات پر عمل میں لائے یا اقل مراتب وہ اتنا قوت ہو کہ عام گروہ رعایا میں سے مستندین اور لائق آدمیوں کو بچان بچان کر کے بعد اذ کثیر منتخب کرے اور وہ سب ایسے قابل ہوں کہ انتظام کے ہر ایک شعبہ کا کام اپنے افسران اعلیٰ کے زیر اختیار اور زیر نگرانی بخوبی انجام دے سکیں۔ مزید برآں اُس بادشاہ کو یہ بھی لازم ہے کہ چند ایسے نیک دار اور لائق و فائق آدمیوں کو تجویز کرے جو کسی دوسرے کی نگرانی کے محتاج نہ ہوں بلکہ وہ خود اور نوٹن پر نگرانی کر سکیں۔ اس کا رد شو اور کو مختل طور سے انجام دینے کے لیے بھی ایسی غیر معمولی قوتیں اور جو دتین درکار ہیں کہ غالباً وہ اچھا بادشاہ مطلق العنان جسکو ہم نے فرض کیا ہے ایسے کام کو قبول ہی نہ کرے گا۔ شاید اس امید سے قبول کرے کہ اُنکی بدولت اُن خرابیوں سے اُنکی جان بچے گی جسکی برداشت اُس سے نہ ہو سکے گی اور شاید کرتے کرتے آئندہ یہ کام چل سکے لیکن اگر اس امر عظیم کا لحاظ نہ کیا جائے تو بھی ہماری دلیل چل سکتی تھی۔ یعنی فرض کیجئے کہ مشکل نہ پیش آئے تو بھی کیا نتیجہ ہو گا؟۔ یہی نتیجہ ہو گا کہ ایک اکیلا آدمی جسکی جودت اعجاز کے درجہ تک پہنچی ہو ایک بے شعور قوم کے کل معاملات کا انتظام کرے۔ اُس قوم کا بے شعور ہونا تو خود حکومت مطلق العنان کے مفہوم سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ قوم میں حیث المجموع اور بالا نفرد کچھ اختیار اور مطلق دخل خود اپنے امور کے

انتظام میں نہیں رکھتی ہے اور اپنی مجموعی اغراض کی نسبت اپنی مرضی کو عمل میں نہیں لاتی ہے۔ بلکہ اسکے کل امور کا فیصلہ دوسرے شخص کی مرضی پر موقوف ہے جسکی نافرمانی کا قانوناً جرم ہے۔ ایسی حکومت کے محکوم ہونے سے بندگان خدا کی کیا کیفیت ہو جائیگی انکے قوی عقلی اور قوی عملی کی تکمیل کیونکر ہوگی؟ شاید محض مسائل عقلی میں غور کرنے کی اجازت انکو ہو کر یہ بھی اُسوقت تک جب تک کہ انکی فکر یا تو امور سیاست میں بالکل مصروف ہی نہو یا انکے عمل سے مطلق سر و کار نہ رکھتی ہو بڑی کرامات انکی یہ ہے کہ عملی امور کی نسبت کچھ صلاح و مشورہ دیا کریں اور بادشاہ مطلق العنان چلیے کیسا ہی حلیم ہو انکی عملداری میں کسی کو یہ امید نہیں ہو سکتی کہ حکام وقت جسے ہمارے امور کا انتظام متعلق ہے ہماری عرض و معروض سنیں گے بھی چہ جائیکہ اسکا لحاظ کرنا یا شاید جن لوگوں کا شرف اور بزرگی مشہور و معروف اور مسلم ہے انکا کوئی مشورہ سنایا جا سنا یا کسی شخص کو ایسا ہی ذوق و شوق طبع آزمائی اور دماغ سوزی کا ہو جو دماغی محنت اُس حال میں گوارا کرے جبکہ اُس محنت کا کوئی ظاہری نتیجہ نہ پیدا ہو یا اُس کام کو کرنے کی لیاقت حاصل کرے جو اُس سے کبھی لیا ہی نہ جائیگا۔ ہزارانہ میں ہشتالیسے چوبیس عموماً دماغی محنت کا محرک قوی یہ امید ہو ا کرتی ہے کہ اس محنت کے نتائج سے کوئی عملی فائدہ نکلے گا۔ اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ قوم دماغی قوت بالکل رکھتی ہی نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اور ہر خاندان کو اپنے روزمرہ کا کام کاج خود کرنا پڑتا ہے اور اُس کام میں تھوڑی بہت دانائی اور لیاقت عملی صرف کرنی پڑتی ہے۔ ایسے بادشاہ کی عملداری میں ایک منتخب فرقہ ایسے محققین کا بھی ہو گا جو علوم عقلیہ کی تحقیق اس غرض سے کرتے ہیں کہ جسے عملی فوائد نکالیں یا اشغال علمی میں محض شوقیہ مشغول رہتے ہیں۔

ایک فرقہ کا رہبر و ازان سلطنت کا بھی ہوگا اور بعض اشخاص کو کار سلطنت انجام دینے کے لیے اقل مراتب چند مجرب گروے دیل کلیات حکمرانی و فرمانروائی سکھائے جائیں گے اور جو لوگ سب سے زیادہ عالی دماغ ہوں گے وہ کسی خاص صیغہ میں (مثلاً فوج کے صیغہ میں) اس لیے بھرتی کیے جائیں گے کہ اس بادشاہ مطلق العنان کی شان و شوکت کو زیادہ کریں۔ مگر عوام الناس کو سب اہم علی امور پر نہ تو اطلاع حاصل ہوتی ہے اور نہ وہ توجہ کرتے ہیں اور اگر انکو ان امور کا علم ہوتا بھی ہے تو صرف علم سطحی یا علم بے عمل جیسا مثلاً فن بنجاری سے وہ لوگ واقف ہوں جنہوں نے بنجار کے اوزار کبھی ہاتھ سے چھوئے بھی نہ ہوں۔ اور صرف انکی عقل ہی کا نقصان ہوتا ہے بلکہ انکی اخلاقی لیاقتیں بھی ششمر کے رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ جب انسان کے کام کا دائرہ ضعیف قواعد سے محدود اور تنگ کر دیا جائے تو اس کے خیالات بھی اُسی قدر تنگ اور جھوٹے ہو جاتے ہیں جس قلبی کی غذا اعلیٰ ہے۔ یہاں تک کہ جو محبت عزیزوں میں باہم ہوتی ہے اسکا دار و مدار بھی یا ہیمن سلوک پر ہے۔ اگر آدمی کو اپنے ملک کے لیے کچھ نہ کرنا ہے تو وہ اسکی کچھ پروا نہ کرے گا۔ یہ مثل سلف سے چلی آتی ہے کہ سلطنت مطلق العنان میں ایک ہی محب وطن ہوتا ہے یعنی خود سلطان مطلق العنان یہ مثل اس بات کے سمجھنے پر موقوف ہے کہ بادشاہ جابر کا کیا ذکر ہے بادشاہ عاقل اور عادل کا محکوم مطلق بننے سے بھی قوم کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں المذہب باقی رہتا ہے اور مذہب ایسی چیز ہے جس پر یہ بھروسہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کو خاک سے پاک کر دیگا۔ لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سلطنت مطلق العنان کے مقاصد کے لیے مذہب نحو جیکے محفوظ رہے گا تب بھی ایسی حالت میں مذہب کو تمدن سے کچھ علاقہ نہیں باقی رہتا

اور وہ سمٹ سمٹا کر ایک ذاتی معاملہ درمیان انسان اور اُسکے خالق کے رہ جاتا ہے جو صرف انکی نجات اخروی پر مؤثر ہے جبٹ ہب کی شکل ہو تو وہ خود غرضی اور کم ظرفی کے ساتھ بخوبی جمع ہو سکتا ہے اور جو شخص اُسکا مقتدہ ہو وہ نفس پرست آدمی کے زیادہ بہرہ رومی اور شفقت اپنے بنی نوع پر نہیں رکھتا ہے۔

اچھی حکومت مطلق العنان سے وہ گورنمنٹ مراد ہے جس میں وہاں تک جاننا تک حاکم مطلق العنان پر موقوف ہے حکام وقت یا عہدہ داران سرکاری رعایا پر ظلم نہیں کرتے مگر جس قوم کے مجموعی معاملات کا انتظام اور جتنا غور و فکر اُسکی اغراض مجموعی سے متعلق رکھتا ہے وہ سب خود قوم نہیں کرتی بلکہ غیر لوگ کرتے ہیں اور قوم اپنی ذاتی جو دتوں کو ترک کر دینے کی عادی اور اُسپر راضی ہوتی جاتی ہے۔ سب امور کو گورنمنٹ پر موقوف رکھنا ایسا ہے جیسا اُنکو خدا کے سپرد کرنا اور اسکے معنی یہ ہیں کہ ہمکو خود اپنے امور کی کچھ پروا نہیں ہے اور جب اس بے پردائی سے خراب نتائج پیدا ہوں تو اُنکو آفات ارضی و سماوی کہہ کر قبول کر لیا۔ پس ہشتا چہ غور پسند آدمیوں کے جنکو شغال علمی کا ایک ذاتی شوق ہوتا ہے کل قوم کی عقل اور خیالات اعلا من ضروری کے استحصا میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اور جب یہ اغراض حاصل ہو جاتے ہیں تو اپنی ذاتی آرائش و نمائش اور تفریح طبع کی فکر میں رہتے ہیں لکن اگر تاریخی شہادت کچھ وقعت رکھتی ہے تو جس قوم کی کیفیت ہوا سکو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسکے انحطاط کا زمانہ آگیا ہے یعنی اگر اُس قوم نے کچھ ترقی کی ہے تب اُسکو انحطاط ہوگا ورنہ انحطاط کس چیز میں ہوگا۔ اگر اُسنے ایک مشرقی قوم کی حالت کے کبھی عروج نہیں کیا ہے تو اُسی حالت میں پڑی رہیگی۔ لکن اگر اپنی جو دت اور وطن دوستی اور

سالی دماغی سے کہ یہ قومی اوصاف آزادی کا ثمرہ ہے، یونانیوں اور رومیوں کی طرح اس قوم نے کچھ عروج حاصل کر لیا ہے تب بھی چند ہی پشتون میں اسکی حالت ایک مشرقی قوم کی سی ہو جائیگی۔ اور اس حالت کے یہی معنی نہیں ہیں کہ سفہاء امن و عافیت سے رہنا اور روز افزون خرابی سے بچنا بلکہ اکثر اسکے معنی یہ تھکے ہیں کہ کسی قوی تر بادشاہ مطلق العنان نے یا قرب و جوار کی کسی وحشی قوم نے جیسے جوشیا نہ ختی کے ساتھ آزادی کی جو دین بھی موجود تھیں اس قوم کو منسلوب و مسخر کر کے غلام بنا لیا۔

یہ امور حکومت مطلق العنان کے صرف نتائج ضروری نہیں ہیں بلکہ اسکے لوازم ماہیت ہیں جسے کچھ چارہ نہیں ہے الا اسوقت کہ حاکم مطلق العنان اپنی مطلق العنانی سے دست بردار ہو کر کار حکومت کو اسطرح ہونے دے کہ گویا قوم اپنے اوپر خود حکمرانی کر رہی ہے گویا امر کیسا ہی خلاف قیاس ہو لیکن فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ مطلق العنان باقاعدہ حکومت کے اکثر فوائد اور قیود کی پابندی کرے یعنی اخبارات اور رعایا کو مباحثہ کی آزادی بخشے تاکہ ایک رے جمہور قائم ہو اور قومی معاملات پر ظاہر ہو سکے۔ اور امور مختص المقام کا انتظام خود قوم کو بلا دست اندازی حکام کرنے دے بلکہ یہاں تک کرے کہ اپنی گورنمنٹ کے لیے ایک کونسل یا کمیٹی کو تسلیں مقرر کرے جسکے ممبروں کو کل یا جزو قوم نے منتخب کیا ہو لیکن ٹیکس یا دھننے کا اختیار اور اعلیٰ درجہ اختیار قانون سازی اور عالمانہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اگر بادشاہ مطلق العنان ایسا کرے اور اپنی مطلق العنانی سے اس حد تک دست بردار ہو جائے تو اکثر وہ خرابیاں جو حکومت مطلق العنان کو لازم ہیں نہ پیدا ہوں گی۔

یعنی امور سیاست میں جو دت اور جلال کی اور معاملات سلطنت کے انتظام کی  
 لیاقت قوم میں پیدا ہونے کا کوئی مانع نہ باقی رہیگا اور ایک رے جمہور ایسی قائم  
 ہو جائیگی جو صرف گورنمنٹ کا منہ ہی نہ چڑھائیگی۔ لیکن ایسی ترقی سے نئی نئی فتنیں  
 پیدا ہونگی۔ کیونکہ جب رے جمہور بادشاہ کے حکم کی تابع نہ ہوں تو وہ حال سے  
 خالی نہیں بلکہ موافق ہوگی یا مخالف۔ اور پرنظام ہے کہ چاہے جیسی گورنمنٹ ہو اکثر  
 لوگ اُس سے ناراض ضرور ہونگے اور جب انکے خیالات کے انظار کے ذریعے یعنی  
 اخبارات موجود ہوں تو اکثر اوقات ایسی رائیں مشہور ہونگی جو گورنمنٹ کے خلاف ہوں گی  
 پس جب ان مخالف رایوں کی کثرت ہوگی تو اس وقت بادشاہ کیا کریگا؟ کیا وہ قوم  
 کی خاطر سے اپنی رائے کو بدل دیگا؟ اگر وہ ایسا کریگا تو پھر بادشاہ مطلق العنان  
 کیونہ باقی رہیگا بلکہ ایک پابند قاعدہ بادشاہ ہو جائیگا اور قوم کا کہ یا اسکا وزیر عظیم  
 بن جائیگا نقطہ اسکو اتنا اختیار حاصل رہیگا کہ برخاست یا معزول نہ ہو سکیگا۔ اگر وہ ایسا نہ کریگا  
 تو وہ حال سے خالی نہیں بلکہ اپنی حکومت مطلق العنان سے وہ قوم کی مخالفت کو  
 دفع کریگا یا قوم میں اور اُس شخص واحد میں خصومت دائمی پیدا ہو جائیگی جسکا ایک ہی  
 انجام ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت کے نتائج لا بدی کو تو وہ مذہبی اصول بھی نہ روک سکیگا  
 جسکا مفاد یہ ہے کہ بادشاہ ظل اللہ ہے اسکی بلا عذر اطاعت سب پر فرض ہے۔ ایسا  
 بادشاہ یا تو باقاعدہ حکومت کے شرائط کو قبول کریگا یا اسکے مقام پر دوسرا شخص مقرر  
 کیا جائیگا جو ان شرائط کو منظور کرے پس جب مطلق العنانی صرف برائے نام گئی  
 تو جو فرائض مطلق العنان سلطنت شخصی کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ نہ حاصل ہونگے  
 اور اگر حکومت کے فرائض بھی اُس سے بہت ناقص طور سے حاصل ہونگے۔ کیونکہ اگرچہ

رعایا کو علائقی ہی آزادی کیون نہ حاصل ہو لکن اسکو یہ بھی نہ بھولیگا کہ یہ آزادی ہرگز بالعرض اور رعایتاً حاصل ہے اور جو حیثیت سلطنت کی اب ہے اسکا تقاضی ہی ہے کہ ایک چشم زدن میں یہ آزادی جسے چھین لیجائے۔ الغرض۔ اسکو یہ خیال ضرور ہوگا کہ اس قسم قانوناً غلام ہیں گو ہمارا مالک عاقل یا مہربان ہے۔

پس ایسی حالت میں کچھ تعجب نہیں ہے کہ مصلحان حکومت ان موانع سے بترک اور عاجز اگر جو قوم کی جہالت اور بے پروائی اور ناتریت پذیری اور بیوقوفیت کی وجہ سے اور اس سبب سے کہ خود غرض آدمی اپنے ذاتی اغراض کی خاطر اور ان زبردست حربوں سے مسلح ہو کہ جو آزاد قوانین کی بدولت اُنکے ہاتھ لگے ہیں نہایت مفید عام اصلاحات کے سدراہ ہیں بعض اوقات آہ سرد دل پُر درد سے کہنچکر یہ دعا مانگین کہ خدا کرے کوئی دست زبردست ان سب موانع ترقی کو دفع کرے اور اس قوم کو اپنے اوپر بہتر طریقہ سے حکومت کرنا سکھائے لکن اگر اس امر سے قطع نظر کیجائے کہ جہاں ایک بادشاہ مطلق العنان گاہے ملے ایک آدم خرابی کی اصلاح کرتا ہے وہاں ننانوے بادشاہان مطلق العنان صد ہا خرابیاں پیدا کرتے ہیں تو بھی وہ لوگ جو سمجھے ہوئے ہیں کہ ایسی حکومت کی بدولت ہماری امیدیں برائیںگی عمدہ حکومت کے مفہوم سے اُنکے جزاء عظم کو خارج کر دیتے ہیں یعنی خود قوم کی ترقی۔ آزادی کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جس ملک میں آزادی ہے وہاں بادشاہ وقت قوم کے عقول کو بالائے طاق نہیں رکھ سکتا اور اُنکے امور کی اصلاح نہیں کر سکتا تا وقتیکہ خود اس قوم کی اصلاح نہ کرے اگر یہ ممکن ہو کہ کسی قوم پر بغیر اسکی خواہش یا اعانت کے عمدہ طور سے حکومت ہو سکے تو وہ عمدہ حکومت اُسے ہی عرصہ تک قائم ہوگی جتنی تک



آزادی اس قوم کی بانی رہتی ہے جسکو بغیر انکی شرکت اور امداد کے کسی غیر قوم نے  
 آزاد کر دیا ہو۔ یہ سچ ہے کہ بادشاہ مطلق العنان رعایا کو تعلیم و تربیت کر سکتا ہے اور  
 انکا یہی نسل انکی مطلق العنانی کا عذر قوی ہے۔ لیکن جس تعلیم و تربیت سے یہ مقصود نہ ہو  
 کہ انسان صرف ایک سچس کن بنکر نہ رہ جائے اسکا نتیجہ انیر کو یہی ہوتا ہے کہ انسان  
 دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ اپنے افعال کا بہن خود اختیار ہے۔ مثلاً اٹھارہویں صدی میں  
 جو بڑے بڑے سفی فرانس میں گذرے انکو فرقہ جھوٹ نے تعلیم و تربیت کیا تھا۔ اس  
 معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ جھوٹ نے جو تعلیم دی تھی انہیں بھی یہ منت تھی کہ اُسے لوگوں کے  
 دل میں آزادی کی خواہش پیدا کر دی۔ جو چیز انسان کے قوی عقلی کو قوت بخشتی ہے  
 گو وہ قوت کیسی ہی خفیف ہو وہی اُسکے دل میں زیادہ تر خواہش اس بات کی پیدا  
 کرتی ہے کہ اُن قوتوں کو بلا مزاحمت کام میں لائے اور اگر لوگوں کو ایسی تعلیم دی جائے  
 جس سے اُنکو وہ حالت حاصل کرنے کی لیاقت نہ آجائے جسکے آرزو مند بلکہ غالباً جسکے  
 طالب اور جو یا اُس تعلیم کے اثر سے وہ لوگ ہو جائینگے تو ایسی تعلیم کو ناقص  
 سمجھنا چاہیے۔

میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ جب بہت شدید ضرورت لاحق ہو تو حکومت مطلقہ  
 یا مطلق العنانی چند روز کے لیے نہ حاصل کر لی جائیگی۔ زمانہ سلف میں آزاد قوموں نے  
 جب یہ دیکھا کہ سلطنت ایسے امراض میں مبتلا ہے جسکی دوا صرف مطلق العنانی ہے  
 اور جو اس سے کمتر دوا سے نہیں دفع ہو سکتے تو کسی شخص کو خود اپنی مرضی سے حکم  
 مطلق العنان بنا دیا مگر ایسی حکومت مطلقہ کو ایک محدود زمانہ تک بھی قبول کر لینا  
 صرف اس شرط سے جائز ہے کہ جیسا سولن امپریکس نے یونان میں کیا تھا اُسی طرح

وہ حاکم جسے حکومت مطلقہ حاصل کی ہے اُسکو اُن مورخ کے دفع کرنے میں صرف کرے جنہوں نے قوم کو آزادی حاصل کرنے سے باز رکھا ہے۔ اچھی حکومت مطلقہ ملک کے معنی ہی عقلاً بالکل غلط ہیں کیونکہ تجربے کے کہ ایسی حکومت کسی چند روزہ مقصد کے حصول کا ذریعہ گردانا جیسے یہ ایک محض مہل اور نہایت خطرناک خیال حسام ہو جاتا ہے۔ مثل مشورہ ہے کہ بڑے کو بڑا ہی چاہیے (الغیثات للغیثین) لہذا ایک اچھی حکومت طلق العنان کا ایسے ملک میں ہونا جسے تہذیب و تالیف میں کچھ بھی ترقی کی موثری حکومت طلق العنان کے ہونے سے بھی زیادہ مضر ہے کیونکہ سابقہ لادکر حکومت قوم محکوم کے خیالات اور خواہشوں اور وجود و قوت کو بالکل ضعیف اور ردی کر دیتی ہے۔ مثلاً غنسطوس قیصر کی مطلق العنانی نے رومیوں کو طبریاں کی بادشاہت کے لیے تیار کر دیا تھا۔ اگر غنسطوس قیصر کے عہد میں رومی تقریباً دو پستون تک ایک ملازم غلامی کی حالت میں نہ رہے ہوتے جس سے انکی خدیت بالکل مٹ گئی تھی تو غالباً انہیں اتنی جرات اور حوصلہ باقی رہتا کہ طبریاں قیصر سے جو اُس سے بھی اظلم تھا بغاوت پر آمادہ ہو جاتے۔

یہ امر ثابت کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ عقلاً عمدہ ترین اقسام حکومت وہ ہے جس میں بادشاہت یعنی حکومت اکل فی اکل یا سب سے اعلیٰ درجہ کا اختیار شاہی اکل قوم کو من حیث المجموع دیا جائے اور ہر فرد قوم اس اعلیٰ درجہ کے اختیار کی تعمیل میں نہ صرف اسے زنی کا حق رکھے بلکہ کبھی کبھی کاروبار سلطنت میں اُسکو خود داخل دینا پڑے اور وہ کسی عام یا مختص المقام کام کو خود انجام دیا کرے۔

اس کلیہ کی صحت دریافت کرنا اس پر موقوف ہے کہ اسکی تحقیق اُن دو امور میں کے

محافظ سے کجاے جو عمدہ حکومت کو لازم ہیں جیسا سابق میں بیان کیا گیا یعنی ایک یہ امر کہ جو عقلی اور اخلاقی اور عملی قوتیں سوسائٹی کے مختلف افراد میں بالفعل موجود ہیں انکے ذریعہ سے اُس گورنمنٹ نے سوسائٹی کے امور کے انتظام کو کماتا نہ دست اور شایستہ کر دیا ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ اُن قوتوں کی ترقی یا تنزل پر اُس گورنمنٹ نے کیا تاثیر کی ہے۔

شاید یہ بیان کرنا کچھ ضرور نہیں ہے کہ عقلاً عمدہ ترین اقسام حکومت سے وہ حکومت مراد نہیں ہے جو سب سے فی الحال توں میں عمل پذیر یا مناسب بلکہ وہ حکومت مقصود جس سے درآخا لیکہ وہ عمل پذیر اور مناسب مل ہو بالفعل اور آئندہ نہایت مفید نتائج پیدا کرے پیدا ہوں۔ صرف حکومت جمہوری محض ہی ایسی حکومت ہے جس پر یہ تعریف صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ وہ دونوں صفتیں جو عمدہ حکومت کو لازم ہیں اس قسم کی حکومت میں بدرجہ اتم و اکمل پائی جاتی ہیں یعنی بالفعل خوش انتظامی کا ہونا اور آئندہ قومی حیثیت کا درست اور شایستہ ہو جانا یہ دونوں مقصد جیسے خالص سلطنت جمہوری سے حاصل ہوتے ہیں کسی قسم کی حکومت سے نہیں حاصل ہو سکتے۔

حکومت جمہوری کی عمدگی یہ لحاظ موجودہ رفاہ و بہبود کے دو اصول پر موقوف ہے جو نہایت عظیم المصداق ہیں یعنی انسان کے کل امور پر علی العموم صادق آتے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کے حقوق اور اغراض کا تحفظ کامل ہو یہ یقین رہے کہ خود وہ شخص انکی مخالفت کرنے کے قابل اور اسکا عادی ہو۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ بہت ہی اور جبکہ مختلف قیمن عام سرسبزی اور خوشحالی کو ترقی دینے میں صرف کجا امن اتنی ہی اور اسی قدر تعمیر اور فروغ اسکو حاصل ہوگا۔

اب یہ دونوں اصول اس عنوان سے بیان کیے جاتے ہیں کہ زیادہ تر مفید مطلب ہوں۔ انسان دوسرے کے شر سے اُسی قدر محفوظ رہ سکتا ہے جس قدر وہ اپنے نفس کی حفاظت کی قدرت خود رکھتا ہے اور اُسکی حفاظت کرتا ہے اور انسان اپنی ضرورتوں کو رفع کرنے میں اُسی قدر نمایاں کامیابی حاصل کر سکتا ہے جس قدر وہ اپنے نفس پر بھروسہ کرتا ہے یعنی جو کچھ وہ بذات خود یا اوروں کی مشارکت سے کر سکتا ہے اُسبہر زیادہ تر بھروسہ رکھتا ہے نہایت اُسکے کہ اور لوگ اُسکے لیے کچھ کریں۔

پہلا اصول جسکا مفاد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ذاتی حقوق غرض کا خود ہی محافظ ہے منجملہ اُن کلیات عقلی کے ہے جنہر ہر شخص جو اپنے امور کے انتظام کی لیاقت رکھتا ہے بے تکلف عمل کرتا ہے۔ اکثر اشخاص اس اصول سیاست سے بہت بیزار ہیں اور اُسکی بڑی مذمت کیا کرتے ہیں کہ اس سے ساری دنیا میں خود غرضی پھیل جائیگی۔ اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ کلیہ باطل ہے کہ آدمی کا قاعدہ ہے کہ اپنے نفس کو اوروں پر ترجیح دیتا ہے اور جو اُس سے قریب تر ہوتا ہے اُسکو بعید تر پر شرف بخشتا ہے تو پھر کمیونٹیزم یعنی سب بنی آدم کے مساوات کلی کا مذہب صرف مکن العمل ہی نہیں بلکہ واجب العمل ہے کہ سوائے اُسکے اور کوئی صورت تمدن کی باقی نہیں رہتی۔ اور جب وہ وقت آجائیگا تو یہی طریقہ تمدن یقیناً جاری ہو جائیگا۔ اور مجھے جو پوچھئے تو جب میں عالمگیر خود غرضی کے مسئلہ کا قائل ہی نہیں ہوں تو پھر مجھے یہ تسلیم کر لینا کیا مشکل ہے کہ اس زمانہ میں بھی کمیونٹیزم خواص میں جاری ہو سکتا ہے اور آئندہ عوام میں بھی جاری ہو جائیگا۔ لیکن اگرچہ اس رائے کو وہ لوگ نہیں پسند کرتے ہیں جو موجودہ آئین سیاست کے طرفدار ہیں اور اس مسئلہ پر

معرض میں کہ خود غرضی عموماً سب کمین غالب رہے تاہم مجھے یہ گمان ہے کہ وہ لوگ بھی فی الواقع یہی یقین رکھتے ہیں کہ اکثر آدمی اپنے نفس کو اور دن پر متدم سمجھتے ہیں گر شاہی اختیارات میں جو سب کو شریک ہونے کا حق حاصل ہے اسکی تائید میں اتنا بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ یہ خیال کرنا ضرور نہیں ہے کہ جب حکومت کسی خاص فرقہ کو حاصل ہو جائیگی تو وہ فرقہ اور فرقوں کو اپنے اوپر دیدہ و دستہ تصدق کر دیگا۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جو فرقہ حکومت سے خارج رکھا جائیگا جب اس کے بھنسنے کی نصرت و حمایت کو نہ موجود ہونگے تو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ رہیگا کہ اس کے اغراض سے چشم پوشی کیجائیگی اور جب وہ اغراض دیکھے جائیگی کہ وہ لوگوں کی نگہ سے نہ دیکھے جائیگی جبیر انکا اثر پہنچتا ہے مثلاً اس ملک (انگلستان) میں اہل حرفہ حکومت میں بالذات کچھ مداخلت نہیں رکھتے ہیں لیکن مجھ کو یقین نہیں ہے کہ جو فرقے حکومت میں مداخلت رکھتے ہیں عموماً انکا یہ ارادہ ہے کہ اپنے فائدہ کے آگے اہل حرفہ کے فائدہ کو بالائے طاق رکھیں۔ البتہ کسی زمانہ میں انکا یہی ارادہ تھا اور یہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایکٹ مڈیک وہ لوگ یہ کوشش کرتے رہے کہ اہل حرفہ کی مزدوری کو قانون کے زور سے کم کر دیں۔ لیکن آجکل انکا مزاج بدلا ہوا ہے اور وہ اہل حرفہ کے فائدہ کے لیے اپنا نقصان عظیم کو ارا کرتے ہیں علی الخصوص وہ پیسہ کو اتنے عزیز نہیں کرتے ہیں اور انکی داد و دہش میں بہت افراط ہو گئی ہے اور یہ انکی عین خطا ہے۔ میرے نزدیک تو اس رخ سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہمارے ملک کے حکام سے زیادہ کسی ملک کے حکام کی دلی خواہش یہ ہے کہ اپنے غریب عیالوں کی نسبت اپنے فرض کو نیک نیتی سے ادا کریں تاہم میں پوچھتا ہوں کہ آیا پارلیمنٹ

یا اسکا کوئی ممبر کسی مسئلہ کو دم بھر بھی اُس نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نظر سے اسکو اہل حرفہ دیکھتے ہیں یعنی جب کوئی ایسا مضمون پیش آتا ہے جس میں کوئی غرض مزدور پیشہ لوگوں کی شامل ہوتی ہے تو کیا وہ اور کسی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اُن لوگوں کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جنکی مزدوری وہ بچا رہے کرتے ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے امور کی نسبت جو رائے اہل حرفہ کی ہوتی ہے وہ عموماً اور لوگوں کی رائے کی بہ نسبت اب الی الصواب یعنی زیادہ صحیح ہوتی ہے لیکن بعض اوقات تو انکی رائے بھی انہی قدر صحیح ہوتی ہے۔ بہر کیف چاہے انکی رائے صحیح ہو چاہے غلط اسکو بغوش ہوش مٹن لینا تو ضرور ہے نہ کہ اُس سے روگردانی یا چشم پوشی کی جائے جیسا اب ہوتا ہے۔ مثلاً اہل حرفہ کے کام چھوڑ دینے کی بحث جو پارلیمنٹ میں پیش ہے مجھکو اس میں شک ہے کہ ہوس آف لارڈس یا ہوس آف کلئش کا ایک ملوڈ ممبر بھی ایسا ہے جسکو یہ یقین کلی ہو کہ اس مقدمہ میں مزدوروں کے مالک ہی حق پر ہیں اور بچا رہے مزدور جو کہتے ہیں دو محض مہل و مزخرف ہے لیکن جن لوگوں نے اس بحث پر غور کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور جو اہل حرفہ اپنا کام بند کر دیتے ہیں اگر پارلیمنٹ میں انکی کچھ شنوائی ہو سکتی تو اس مقدمہ میں ایسی سطحی یا سرسری طور سے کیوں بحث کی جاتی ہے جیسی اب بحث ہو رہی ہے۔

انسان کے معاملات کا اسلوب کچھ خلقت ہی سے ایسا ہے کہ آدمی کی یہ نیت کہ اوروں کے حقوق کی حفاظت کرے چاہے کیسے ہی خالص ہو مگر اوروں کی یہ امر ہرگز مناسب اور مفید نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ باندھ کر بیٹھ رہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ سچی بات یہ ہے کہ اپنے ہی ہاتھ سے آدمی واقعی اور دائمی اصلاح اپنے حال میں کر سکتا ہے

ان دونوں اصول کے مشترک اثر سے سب آزاد قومیں ناراضانی اور جرائم سے محفوظ بھی رہی ہیں اور قوموں کی بہ نسبت انکو رفاہ و فلاح بھی زیادہ ہوئی ہے اور جب آزادی جاتی رہی ہے تب انکی سرسبزی اور خوشحالی بھی کم ہو گئی ہے مثلاً دنیا کی آزاد سلطنتوں کا مقابلہ درآئیکہ انہیں آزادی باقی ہو انکے مبصر مطلق العنان سلطنت شخصی یا سلطنت امر کی رعایا کے ساتھ کیجیے۔ مثلاً یونان کے قدیم شہروں کا مقابلہ ان کے صوبوں سے کیجیے یا اطالیہ کی سلطنت جمہوری اور صوبہ فلینڈرس اور جرمنی کے آزاد شہروں کا مقابلہ یورپ کی خود سلطنتوں سے کیجیے یعنی ہالینڈ اور سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ کا مقابلہ اسٹریا یا فرانس سے اس کیفیت کے لحاظ سے کیجیے جو اس ملک کے قبل انقلاب سلطنت تھا انکے اعلیٰ درجہ کی سرسبزی و خوشحالی کا انکا کبھی نہیں کیا گیا ہے اور اسی سرسبزی سے انکی حکومت کی عمدگی اور انکی تمدنی تعلقات کی خوبی ثابت ہوتی ہے۔ اور اسپر کیا موقوف ہے ہر صفحہ تاریخ سے انکا استغنا ظاہر ہے۔ اگر ایک زمانہ کا مقابلہ دوسرے زمانہ سے نہ کیا جائے بلکہ جو مختلف سلطنتیں کیسے ہی زمانہ میں گزری ہیں انکا مقابلہ باہم کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ آزاد سلطنتوں میں باوجود اعلان دشمنی کے بد انتظامی کا ہونا چاہے کیسے ہی مبالغہ سے بیان کیا جائے تو بھی اسکا مقابلہ اس ظلم و جور سے نہیں ہو سکتا جو شخصی سلطنتوں میں رعایا پر عموماً ہوتا تھا اور نہ اس ظلم و ستم سے اسکا مقابلہ ہو سکتا ہے جو ہر روز افراد رعایا پر ان مالی انتظامات کی بدولت ہوتا تھا جس سے رعایا کو لوٹ لینا مقصود تھا اور ان جھگڑاؤں عدالتوں میں ہوتا تھا جنکی کارروائی پوشیدہ رہتی تھی۔

یہ تسلیم کر لینا واجب ہے کہ جہاں تک آزادی کے فوائد اس وقت تک حاصل ہوئے ہیں

اس طور سے حاصل ہوئے ہیں کہ آزادی کے موجب قوم کے صرف ایک جز کو عطا کیے گئے ہیں اور ایسی گورنمنٹ جس میں وہ موجب ساری قوم کو بلاروے رعایت بخشی گئی ہوں ایک نعمت غیر مترقبہ یا عتقا ہے لیکن اگرچہ ایسی گورنمنٹ کے قریب قریب ہو حکومت ہو وہ بھی بہت غنیمت ہے اور اکثر صورتوں میں عام ترقی کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اس سے زیادہ ممکن بھی نہیں ہے تاہم آزاد حکومت عقلاً اسی حالت میں کامل ہے جبکہ سب افراد قوم انکے فوائد میں شریک ہوں۔ کیونکہ جب کسی فرقہ کے لوگ حکومت سے خارج کیے جائینگے تو انکی اغراض کی وہ نگہداشت نہوگی جو اور دن کی اغراض کی ہوتی ہے اور خود ان لوگوں کو کما حقہ گنجائش اور حوصلہ اس بات کا نہوگا کہ اپنی قوتوں کو خود اپنی اور اپنی قوم کی نفع رسانی میں صرف کریں کہ عام سرسبزئی خوشحالی بہر حال اسی پر موقوف ہے۔

الغرض موجودہ زمانہ وہی وہی موجودہ نسل کے معاملات کے عمدہ انتظام کی توجہ کیفیت ہے جو بیان کی گئی۔ اب اگر یہ دیکھا جائے کہ جس قسم کی حکومت ہوتی ہے ویسا ہی اسکا اثر حکومت کی حیثیت پر ہوتا ہے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس اعتبار سے بھی حکومت جمہوری جملہ اقسام حکومت پر یقیناً شرف رکھتی ہے۔

یہ مسئلہ ایک اور مسئلہ پر موقوف ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ عموماً انسان میں دو فطرتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک کیفیت فاعلیہ اور ایک انفعالیہ۔ پس ان دونوں میں سے کون کیفیت بلحاظ فائدہ عام کے دوسرے پر غالب رہنی چاہیے۔ یعنی وہ کیفیت جو مصیبتوں کو دفع کرتی رہتی ہے یا وہ کیفیت جو انکو برداشت کرتی ہے۔ وہ کیفیت جو زمانہ کارنگ دیکھ کر دب جاتی ہے یا وہ



کیفیت جو خود زمانے کو دبا لینے کی کوشش کرتی ہے۔

ایسے نیے ناصحین اور بنی آدم عموماً کیفیت انفعالیہ کو پسند کرتے ہیں۔ چالاک آدمیوں کی تعریف کیجاتی ہے اگر غریب مسکین آدمیوں کو اکثر لوگ بالذات پسند کرتے ہیں۔ ہمارا ہمسایہ اگر غریب مسکین ہے تو ہکو اُس سے کچھ اندیشہ نہیں رہتا بلکہ وہ خود ہماری سرخو دی سے ڈرا کرتا ہے۔ مسکین صفت آدمیوں کی جودت کی ضرورت اگر ہکو نہ لاحق ہو تو وہ کمتر ہمارے سدراہ ہوتے ہیں۔ فانی آدمی خطرناک قیاسین ہوتا ہے۔ تاہم کوئی امر اس سے زیادہ یقینی نہیں ہے کہ معاملات دنیا میں ترقی کرنا غیر فانی آدمیوں کا کام ہے۔ علاوہ اسکے چالاک آدمی کو صبر و تحمل کی صفت حاصل کر لینا آسان تر ہے۔ نسبت اسکے کہ مٹھا آدمی جودت پیدا کرے۔

انسان کو تین فضیلتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ عقلی۔ عملی۔ اور اخلاقی۔ عقلی اور عملی فضیلتوں کی نسبت تو کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ صاحب جودت آدمی میں نسبت مسکین صفت آدمی کے زیادہ ہوتی ہیں۔ سب کمالات عقلی عملی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اولوالعسری یعنی یہ خواہش کہ جہان تک ممکن ہو کوشش کر کے اپنے اور اوروں کے فائدہ کے لیے نئی نئی باتیں کریں مبداء لیاقت عقلی کہ ہے اور اُس سے بھی زیادہ مبداء لیاقت عملی کہ ہے جس شخص میں کیفیت انفعالیہ ہوتی ہے اسکو جو کمال عقل حاصل ہو سکتا ہے وہ بہت ضعیف اور خفیف ہوتا ہے اور اُس قسم کا ہوتا ہے جو صرت تفریح یا محض مراقبہ پر اکتفا کرتا ہے۔ طلباء وہ شخص ہے جو تحقیق حق کرتا ہے یعنی سچی بات کو دریافت کر لیتا ہے نہ یہ کہ خالی گھوڑے دوڑایا کرے یا خیالی پلاؤ پکا یا کرے اور طباعی کی

محکم علی کامیابی ہے۔ جب کوئی ایسا عمل مقصد نہو جس سے تصور محض یا مجرد خیال محدود و معین اور لائق فہم ہو جائے تو اس سے کوئی نتیجہ اس سے بہتر نہ پیدا ہوگا کہ فضا غورث کا فلسفہ الہی جبکہ علم الابدال الطبیعہ بھی کہتے ہیں یا ویدوں کی ویدیت پیدا ہو جائے جسکے سمجھنے میں عقل ہمیشہ چکر کھا یا کرتی ہے۔ یہ بات علی ترقی پر اور زیادہ صادق آتی ہے۔ جو کیفیت (فاحلیس) انسان کی زندگی کو ترقی بخشتی ہے وہی کیفیت ہے جو فطری قوتوں اور خلقی مادوں سے لڑا کرتی ہے وہ کیفیت نہیں ہے جو اسے مغلوب ہو جاتی ہے۔ جن اوصاف سے انسان اپنی ذات خاص کو نفع پہونچاتا ہے وہ صاحب جودت اور چالاک ہی آدمی میں پائی جاتی ہیں اور جو عادتیں اور جو کردار ہر فرد قوم کے فائدہ کو بڑھا دیتا ہے اقل مراتب وہ ایک جزو تو ان عادت اور افعال کا ہے جو آخر الامر میں حیث المجموع قوم کی ترقی کا باعث ہوتی ہیں لیکن اخلاقی فضیلت کی نسبت بادی النظر میں شک معلوم ہوتا ہے۔ اس سے میری مراد وہ مذہبی عقیدہ نہیں ہے جسکے سبب سے لوگ عموماً مسکین صفت آدمی کو اسوجہ سے پسند کرتے ہیں کہ غربت و مسکینی خدا کو پسند ہے ہمارے مذہب اور دیگر مذاہب نے بھی اس عقیدہ کو فروغ دیا ہے مگر دین مسیحی کو بڑے فخر و مباہات کا مقام ہے کہ ایسے مہمل و مخرن حق قائم کو ترک کر سکتا ہے۔ اگر مذہبی عقائد سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو وہ مسکین صفت آدمی جو مصائب سے مغلوب ہو جاتا ہے نہ یہ کہ انہی غالب آجائے شاید خود اپنے نفس کو یا اوروں کو بہت فائدہ نہیں پہونچا سکتا لیکن اقل مراتب

اتنی خوبی تو اُسین ہے کہ کسی کو رنج نہیں دیتا۔ قناعت اوصاف حمیدہ میں شمار کی گئی ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ غریب و سکینی کو قناعت لازم ہے اور اگر یہ نہ ہو تو بہت مضر اخلاقی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب ان نعمتوں کی خواہش ہوتی ہے جو آدمی پاس نہیں ہوتی اور اُسین اتنا مادہ نہیں ہوتا کہ اپنی ذاتی قوت سے اُنکو حاصل کرے تو جن لوگوں پاس وہ نعمتیں موجود ہوتی ہیں اُنسے بغض و عداوت کرنے لگتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنی حیثیت کو درست کرنے کی امید میں اپنی رفاہ کی کوشش کیا کرتا ہے وہ ان لوگوں کی بھی ہموار چاہتا ہے جو اُس کام میں مشغول رہتے ہیں جہیں وہ خود مصروف رہتا ہے یا جو اُس کام میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جب اکثر افراد قوم کسی کام یا مقصد میں کامیابی کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں تو جن لوگوں کو وہ مقصد نہیں حاصل ہوتا انکے دل کو اپنے ہوطنوں کی عام عادت کو دیکھ کر تسکین دیتی ہے اور وہ اپنی ناکامی کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ ہم نے کوشش نہیں کی یا ہکو موقع نہیں ملا یا اپنی فہمیت سے ہم ناکام رہے۔ لیکن جو لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ جو اور وہ سب کے پاس ہے وہ ہکو بھی بچائے مگر اُسکو حاصل کرنے کی جستجو نہیں کرتے یا تو ہمیشہ اپنی تقدیر کی شکایت کیا کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ خود ہی کوشش نہ کریں تو تقدیر کا کیا قصور ہے یا اُنکے دل میں بغض و حسد ان لوگوں کا بھرا رہتا ہے جنکے پاس وہ نہیں ہوتی ہیں جنکی آرزو اُنکو ہے۔

جس قدر کامیابی اور اقبال مندی تقدیرات الہی یا اتفاقات زمانہ پر محمول کی جاتی ہے اُنسی قدر حسد کو فروغ ہوتا ہے اور وہ قومی خصائل میں

داخل ہو جاتا ہے۔ دینامین سب سے زیادہ حاسد مشرقی لوگ ہیں۔ اور مشرقی کتابوں اور مشرقی قصے کہانیوں میں حاسد آدمیوں کا اکثر ذکر خیر ہوتا ہے۔ حاسد آدمی لوگوں کی جان کو عزرائیل ہوتا ہے جکے پاس کوئی عمدہ چیز ہوتی ہے خواہ وہ مکان عالی شان ہو خواہ خوبصورت لڑکا یا شاک کہ تندرستی اور بنشاشت بر لوگ حسد کرتے ہیں۔ بلکہ حاسد آدمی کا صرف آنکھ سے دیکھ لینا ہی نظر بد یا چشم زخم بھی جاتی ہے جس سے سب مشرقی آدمی حذر مانگتے ہیں حسد اور چالاکیاں میں بھی اہل مشرق کے بعد جنوبی یورپ کے لوگوں کا درجہ ہے۔ مثلاً اسپانیہ کے لوگوں نے اپنے ملک کے نام پر آورہ اور جلیل القدر آدمیوں پر اس قدر حسد کیا کہ انکی زندگی تلخ کر دی اور کارہائے نمایاں میں انکو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ فی الواقع فرانسسی بھی جنوبی یورپ کے باشندے ہیں اور باوجودیکہ وہ تنک مزاج اور جولانی ہیں مگر سلطنت مطلق العنان اور رومن کیتھولک مذہب کے فیض سے اطاعت اور تحمل فرانسویوں کے مزاج میں داخل ہو گیا ہے اور اسی کو وہ بڑی دانائی اور بزرگی سمجھتے ہیں۔ اور جتنا حسد نفس الامر میں انہیں موجود ہے اگر وہ ایک دوسرے کی نسبت یا اوروں کی نسبت نہیں ظاہر ہوتا ہے تو اسکی وجہ سمجھنی چاہیے کہ انہیں اسکی مخالفت بہت سی عمدہ صفتیں بھی تو موجود ہیں جو حسد کو ظاہر نہیں ہونے دیتیں اور سبک بڑھک صفت انہیں جو دت ہے اور اگرچہ فرانسسی ایسے صاحب جو دت اور جفاکش مستقل مزاج تو نہیں ہیں جیسے انگریزین تاہم جس طرح سے انکے آئین سیاست کا اثر انکی جو دت کا معین ہوا ہے اُس طریق سے انکی جو دت بخوبی ظاہر ہو گئی ہے۔

اسکین شک نہیں ہے کہ سب ملکوں میں سچے قانع آدمی موجود ہیں جو اس چیز کی جو انکے پاس نہیں ہے جو تو ہی نہیں کرتے بلکہ انکی خواہش بھی انہیں رکھتے ہیں البتہ ایسے آدمی ان لوگوں سے بغض نہیں رکھتے ہیں جو انکی بہ نسبت آسودہ حال ہیں۔ لیکن اکثر لوگ جو ظاہر میں قانع ہوتے ہیں نفس الامر میں حریص اور کمال لالچہ یا نفس پرست ہوتے ہیں اور اپنی ترقی کا تو کوئی مباح ذریعہ نہیں اختیار کرتے مگر اور دن کو چاہتے ہیں کہ یہ بھی ہماری طرح ذلیل و خوار ہو جائیں۔ ایسی قناعت تو بیکار معیوب ہے۔ لیکن اگر بے عیب قناعت کو بھی نظر ترقی سے دیکھیے تو معلوم ہو جائیگا کہ ایسی قناعت بھی اس وقت لائق تعریف ہے جبکہ صرف اسباب ظاہری کی ترقی سے استغناء اور بے پروائی ہو مگر اوصاف باطنی کی ترقی کی ہمیشہ کوشش رہتی ہو یا اقل مراتب اور دن کی نفع رسانی کی فکر رہتی ہو۔ وہ قانع آدمی یا وہ قانع خاندان جو اور دن کی نفع رسانی کا حوصلہ نہیں رکھتا ہے یا اپنے ملک کی بہبود یا اپنے ہمسایہ کی مدد یا اپنے ہی اخلاق کی تہذیب کی محنت نہیں رکھتا ہے لائق تحسین و آفرین نہیں۔ ایسی قناعت کو نامردی اور بے خبری کہنا درست ہے۔ جو قناعت ہمارے نزدیک مدوح ہے اُسکے یہ معنی ہیں کہ جو چیز نہ مل سکے انکی شکایت نہ کرنا اور مختلف چیزیں جنکی خواہش انسان کو ہوتی ہے انکی قدر شناسی ایک کو دوسرے سے مقابلہ کر کے کرنا اور جب کم زیادہ کے ساتھ نہ جمع ہو سکے تو کم کو خود بخود ترک کر دینا مگر یہ خوبیاں آدمی میں اسی قدر موزون و مناسب ہیں جسقدر وہ اپنی حیثیت یا اور دن کی حالت کو درست کرنے کی کوشش عملاً

کرتا ہے۔ جو شخص اپنی ہمت کو ہمیشہ دفع صعوبات میں صرف کیا کرتا ہے اُسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ کون مشکلین ناگزیر اور لاعلاج ہیں اور کون دقتیں ایسی ہیں جنکو وہ دفع تو کر سکتا ہے مگر اُنکو دفع کرنے میں جو محنت اٹھانی پڑے گی اُسکے مقابل میں کامیابی بہت کم ہوگی۔ وہ شخص جسکے خیالات اور عملی قوتیں مفید اور عمل پذیر محنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہمیشہ انھیں میں صرف یکجائی ہیں اپنے دل میں یاں دہراس کے ساتھ اُن چیزوں کا تصور نہیں کرتا جو مطلقاً حاصل کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں یا جو اُسکے نزدیک ایسی نہیں ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ چالاک اور مضبوط آدمی جو خود اپنے نفس پر بھروسہ رکھتا ہے صرف فی نفسہ سب سے اچھا نہیں ہے بلکہ اُسکے مد مقابل یعنی مٹھے آدمی میں جو محمود یا مرغوب صفیتیں ہیں غالباً اُنکو بھی وہ حاصل کر لیا۔

**انگلستان اور ممالک متفقہ امریکہ کے لوگ بہت چالاک اور جھٹکاش**  
ہوتے ہیں اور ان پر جو خالفانہ نکتہ چینی کی گئی ہے تو اسوجہ سے کی گئی ہے کہ اُنکی قوت اکثر اُن امور میں صرف ہوتی ہے جو چند ان اہم سم نہیں ہیں۔ مگر فی نفسہ اُنکی چالاک اور جھٹکاشی عموماً نوع انسان کی اصلاح اور برتری کی امیدوں کی بنیاد ہے۔ کسی شخص نے کیا دانائی کی بات کہی ہے کہ جب کوئی خرابی یا غلطی ہو جاتی ہے تو فریسی عادت بول اٹھتے ہیں کہ ”کہ کیا بد قسمتی کی بات ہے“ لکن ایسے موقع پر انگریز چلا اٹھتے ہیں کہ ”بڑی شرم کی بات ہے“۔ پس جو لوگ خرابی یا غلطی ہو جانے کو شرم کی بات سمجھتے ہیں اور جو بے تحاشا یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس خرابی کا انسداد ہو سکتا تھا اور ہونا چاہیے تھا سب سے

زیادہ وہی لوگ دنیا کی بہتری کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر انسان کی خواہشیں  
 اور فی قسم کی بین اور اسکی آسائش برنی اور کرائش دنیا نش کی حد سے تجاوز نہیں کرتیں تو  
 اسکی جودت کے نتائج فوری اس سے زیادہ نہ پیدا ہونگے کہ اسکا اختیار  
 شایئے آدمی پر ہمیشہ بڑھتا جائیگا مگر اس سے بھی یہ فائدہ ضرور متصور ہے  
 کہ بڑی بڑی اہم عقلی اور تمدنی کاموں کی گنجائش پیدا ہوتی ہے اور انکو انجام  
 دینے کے لیے اسباب و آلات تیار ہوتے ہیں۔ اور جب جودت موجود ہے  
 تو بعض آدمی اسکو ضرور کام میں لائینگے اور رفتہ رفتہ صرف انسان کی  
 حیثیت ظاہری ہی کی اصلاح میں نہیں صرف کجائیگی بلکہ اسکی خصلت باطنی  
 یعنی اسکی طینت کی درستی میں بھی صرف کی جائیگی۔ کابل الوجود ہونا اور کسی  
 بڑی بات کی خواہش یا حوصلہ نہ کرنا زیادہ تر مانع ترقی ہے بہ نسبت اس  
 جودت کے جو بڑے کام میں صرف کجائے اور جب یہ عیوب عوام الناس میں  
 موجود ہوتے ہیں تو انھیں کے سبب سے چند صاحبان جودت جو انہیں  
 ہوتے ہیں انکا گمراہ ہونا ممکن ہو جاتا ہے اور خاص کر اسی باعث سے اکثر  
 تو میں وحشیانہ یا نیم وحشیانہ حالت میں مبتلا رہتی ہیں۔

پس اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ کیفیت انفعالیہ کو وہ گورنمنٹ پسند  
 کرتی ہے جہاں ایک ہی شخص یا چند اشخاص پادشاہ ہوں اور کیفیت فاعلیہ کو وہ  
 سلطنت پسند کرتی ہے جہاں بہت سے لوگ پادشاہ ہوں۔ غیر ذمہ دار  
 یا مطلق العنان حکام محکمہ میں کے سکون کی انکی حرکت کی بہ نسبت زیادہ محتاج  
 ہوتے ہیں لایہ کہ وہ انکو حرکت کرنے پر مجبور کر دیں۔ جو قوم اپنے

ملک کی حکومت میں مطلق شریک نہیں کی گئی ہے اُسکو ایسی گورنمنٹ کی ہمیشہ  
 یہی نصیحت رہتی ہے کہ آدمیوں کے احکام کو احکام خدا جا کر مان لیا کر داور جو  
 لوگ تم سے عالی مرتبہ ہیں انکی مرضی کو اور اُس قانون کو جو انکی مرضی کا منظر ہے  
 بے چون و چرا قبول کر لو۔ مگر جو لوگ مرضی یا جرات رکھتے ہیں یا جگہ اور کارروائی  
 باطنی جو دست بکلی ہے وہ اپنے حکام کے ہاتھ میں محض آلات بحس نہیں ہوتے  
 ہیں اور جب ان صفوں کا اعلان کیا جاتا ہے تو حکام مطلق العنان انکی ترغیب  
 لوگوں کو نہیں دیتے بلکہ اُن سے کہتے ہیں کہ ہم سے معافی مانگو۔ جب حکام مطلق  
 اپنی رعایا کی جو دست عقلی سے استعد خائف و ترسان نہیں ہوتے کہ اُسکو  
 دبا دینے کی فکر کریں تو بھی یہ کیفیت فی نفسہ بمنزلہ دبا دینے کے ہے۔ کوشش کا  
 مانع قوی جیسا اُسکے کارگر ہونے کا یقین ہے دیا مانع اُسکی بے ترغیبی  
 نہیں ہے۔ اور وہ ان کی مرضی کا تابع ہونے میں اور اپنے اوپر خود حکومت  
 کرنے میں عقلاً منافات لگتی ہے۔ اور قید غلامی میں جتنی شدت یا سخت ہوتی ہے  
 اتنا ہی کم و بیش یہ کلیہ صادق آتا ہے۔ حکام میں اس قسم کا فرق بہت ہوتا ہے  
 کہ رعایا کی آزادی کو وہ کمانٹک روکے رہتے ہیں یا اُسکی آزادی کو کٹنا دیا کر دے  
 امور کا انتظام خود کرتے ہیں۔ مگر یہ فرق درجہ کے اعتبار سے ہے اصول کے  
 لحاظ سے نہیں ہے۔ کیونکہ سب سے اچھا پادشاہ مطلق العنان بھی اپنی رعایا کی  
 آزادی فعل کے انسداد میں بڑی جد و کد کرتا ہے۔ مگر پادشاہ مطلق العنان بعض  
 اوقات جب اُسکے ذاتی آرام و آسائش کی فکر کو دیکھتی ہے تو اپنی رعایا سے  
 کچھ تعرض نہیں کرتا مگر اچھا پادشاہ مطلق العنان رعایا سے اگر نیکی کرتا ہے تو یوں



کرتا ہے کہ اُسی کا کام اُس سے ایسی ترکیب سے کرتا ہے جسکی عمدگی سے وہ  
 (رہایا) آگاہ نہیں ہے مثلاً وہ قواعد جنہیں فرانسیسی صنائع و بدائع چند معین اعمال اور  
 ترکیبوں سے مفید و محدود کر دیے گئے شاہ کالبرٹ اعظم کے بنائے ہوئے تھے۔

لیکن انسان کی قوی عقل کی یہ کیفیت اسوقت بالکل نہیں ہوتی جبکہ اسپر کوئی  
 خارجی قید نہیں ہوتی ہے بجز ان فطری ضرورتوں کے جنہیں کسی بشر کو چارہ نہیں ہے  
 یا ان تمدنی فرائض کے جو خود اسکی شرکت سے مقرر ہوئے ہیں اور اگر وہ انکو غلط  
 سمجھتا ہے تو اسکو اختیار ہے کہ اُن سے اختلاف ظاہر کرے اور کوشش بلخ کر کے  
 انکو بدلوائے۔ زمین کچھ تنگ نہیں ہے کہ جس حکومت میں رہایا کو بالکل نہیں توخیر  
 کسی قدر دخل ہو زمین اس آزادی کو وہ لوگ بھی عمل میں لاسکتے ہیں جسکو آزاد  
 رعایا کے پورے حقوق نہیں حاصل ہیں۔ لیکن جب آدمی اور لوگوں کے برابر  
 رہتا ہے اور اسکو یہ نہیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ میری کامیابی اُس گروہ کے  
 حُسن ظن پر موقوف ہے جس میں داخل نہیں ہوں تو اسکو خود اپنے نفس پر  
 بھروسہ کرنے کی زیادہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص حکومت سے خارج  
 رکھا جاتا ہے تو اسکی بڑی دشمنی ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ اُس  
 فرقہ کی خاطر تنگنی ہوتی ہے جو حکومت میں شرکت سے محروم رکھا جاتا ہے۔  
 یعنی جب کسی شخص یا کسی فرقہ کو ان لوگوں سے جو اُسکے نیک و بد کے مالک  
 مختار ہیں دروازہ کے باہر سے عرض و معروض کرنی پڑتی ہے اور اندر جا کر  
 انکی صلاح و مشورہ میں نہیں شریک ہو سکتا ہے تو خواہ مخواہ اسکا دل ٹوٹ  
 جاتا ہے۔ آزادی کا قوت بخش اثر انسان پر زیادہ سے زیادہ فقط اسوقت ہوتا ہے

جب کہ وہ شخص جس پر وہ اثر ہوا ہے یا تو اپنے الجھنوں کی طرح آزاد رعیت کے حقوق بالفعل رکھتا ہے یا انکے حاصل ہونے کی امید رکھتا ہے۔ خیر یہ تو انکی دلجوئی یا دل شکنی کا ذکر تھا لیکن اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ جب آزاد رعایا کو چند تنگ اور باری باری کوئی تمدنی کام کرنا پڑتا ہے تو اسکو اسکا قرینہ اور داب معلوم ہو جاتا ہے۔ اس امر پر غور کامل نہیں کیا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عزم امور میں بہت کم مضامین ایسے پیش آتے ہیں جنسے انکے طبائع یا انکے خیالات میں وسعت یا فراخی پیدا ہو سکے۔ انکو ہر پھر کے وہی معمولی کام کرنا پڑتا ہے اور اگر وہ اپنے حوائج یومیہ سے بچنے میں کچھ محنت کرتے ہیں تو کسی پر کیا احسان ہے اپنے فائدہ ذاتی کے خیال سے کرتے ہیں۔

انسان جو اپنا ذاتی کام کرتا ہے یا جس ترکیب سے اسکو کرتا ہے اس سے انکی طبیعت میں صرف وہی خیالات پیدا ہوتے ہیں جو اسکے ذاتی فتنے و نقصان پر محدود ہوتے ہیں اور اگر مفید کتابیں اسکو مل سکتی ہیں تو انکو بڑھنے کی ترغیب دینے والی کوئی چیز نہیں ہوتی اور اکثر اوقات انکی رسائی ایسے ذی علم اور صاحب سلیقہ آدمی تک نہیں ہوتی جو اس سے بہتر و برتر ہو۔ لیکن جب اسکو کوئی رفہ عام کا کام دے دیا جاتا ہے تو یہ سب نقصانات دفع ہو جاتے ہیں۔ اور جب حسب ضرورت اسکو اس قسم کا بہت سا کام دے دیا جاتا ہے تو اسکو انجام دینے سے وہ اچھا تعلیم یافتہ آدمی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ زمانہ سلف کے تمدنی انتظام اور اخلاقی خیالات میں عیوب موجود تھے تاہم مثلاً یونان میں لوگوں سے ایسے ایسے رفہ عام کے کام لیے جاتے تھے

جنگے باعث سے ایک اوسط درجہ کے آدمی کی عقل اُس سے زیادہ تیز ہو جاتی تھی جیسی اس زمانہ میں عوام الناس کی عقلیں ہوتی ہیں بالکلے زمانہ میں ہوتی تھیں۔ اسکا ثبوت تاریخ یونان کے ہر ایک صفحہ میں موجود ہے مگر بہت دور کا ہے کہ چاہئے اُن ایدہرسون کی خوبیوں کو نہ دیکھ لیجئے جو اس زمانہ کے بڑے بڑے خطیبوں نے سمجھ کر بیان کیے تھے کہ اُن تقریروں کا اثر قوی سامعین کی عقل اور اُنکی مرضی پر ہوگا۔ اسی قسم کا فائدہ گو اُس درجہ کا نہ سہی طبقہ اوسط کے ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کو جو ریون اور ضلع کی کچہریوں میں کام کر رہے حاصل ہوتا ہے اور اگرچہ اس قسم کا کام بہت لوگوں کو نہیں ملتا اور نہ ہمیشہ ملا کرتا ہے اور نہ ایسے کام میں ایسے مضامین عالی اُنکو پیش آتے ہیں کہ اسکا مقابلہ اُس تعلیم سے ہو سکے جو شہر اٹھنس کے باشندے اپنے ملک کے نوعی آئین سیاست سے حاصل کرتے تھے تاہم اتنا ہی کام کرنے سے وہ لوگ اپنے خیالات کی وسعت اور اپنے قوی عقلی کے تکمیل کے لحاظ سے اُن آدمیوں سے تو بہتر ہو جاتے ہیں جنہوں نے ساری عمر سوائے مقصدی گری اور پارچہ فروشی کے کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اگر گلہ ہے یہ بھی کوئی شخص حکومت کے کاموں میں شریک کیا جائے تو تشخیز ذہن یعنی تیزی عقل سے بھی زیادہ تہذیب نفس یعنی اخلاقی اثر اُس پر ہوگا۔ کیونکہ جب وہ ایسے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اسوقت اسکو وہ اغراض جانچنے پڑتے ہیں جو اُنکی ذات خاص سے متعلق نہیں ہیں اور جب متضاد و عاوی اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو رعایت و مردت کو بالائے طاق رکھ کر اسکو قاعدہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

اور ہر مقدمہ میں وہ اصول و کلیات متعلق کرنے پڑتے ہیں جکے وجود کی غایت و غرض رفاہ عام ہے اور اکثر اوقات اس کام میں اس شخص کے ساتھ وہ لوگ شریک ہوتے ہیں جو خود اس کی بہ نسبت ان مضامین اور امن کارروائیوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں جنہیں غور و فکر کرنے سے وجہ و دلائل اس کے ذہن میں آجائینگے اور رفاہ عام کے کام کا زیادہ ذوق و شوق اس کو پیدا ہوگا۔ وہ اپنے تئیں بھی عامہ خلایق میں سے ایک شخص سمجھنے لگتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جہیں سب کا فائدہ ہے اہیں میرا بھی فائدہ ہے۔ جہاں اس قسم کے رفاہ عام کی خواہش نہیں موجود ہے وہاں اس امر کا خیال نہیں کیا جاتا ہے کہ جو لوگ بہت ذی عزت نہیں ہیں ان پر کچھ اور حقوق بھی اپنی قوم کے من بجز اسکے کہ قوانین کی پابندی اور گورنمنٹ کی اطاعت کیا کریں۔ وہ خود غرضی سے بری ہو کر اپنے ذاتی فائدہ کو عامہ خلایق کے فائدہ کے ساتھ متحد نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایسے آدمی کا ہر ایک خیال نسبت اپنے فائدہ یا فرض کے اپنی ذات خاص یا اپنے عیال و اطفال پر محدود رہتا ہے۔ مجموعی اغراض اور مشترک مقاصد کا خیال اس کو کبھی نہیں آتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ اور دن سے مقابلہ کرنے کا اور کسی قدر ان کی نقصان رسانی کا خیال کرتا ہے اور جو ہمسایہ نہ شفیق ہو نہ رفیق اور مشترک فائدہ کے لیے بالمشارکت کوئی کام نہ کرے وہ رقیب ہے۔ پس اس طرح لوگوں کے ذاتی اخلاق بھی خراب جاتے ہیں اور اخلاق عامہ تو فی الواقع فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر عموماً یہی کیفیت ہوتی اور اس سے بہتر حالت ممکن نہ ہوتی تو واضعان قوانین اور ناصحان امین کا حوصلہ بہت ہو جاتا اور

انکی بلند پروازی ان اس سے آگے نہ بڑھ سکتیں کہ قوم کے جزاء عظم کو کھڑا کر سکیں۔  
کی طرح پہلو بہ پہلو گھاس چرنا سکھادیتے۔

پس ان دلائل پر من حیث المجموع نظر کرنے سے ظاہر ہے کہ صرف  
دہی گورنمنٹ سب تمدنی ضرورتوں کو پورے طور سے رفع کر سکتی ہے  
جس میں نکل قوم شریک ہوا اور نہایت قلیل کار حکومت میں شریک ہونا بھی  
آدمی کو مفید ہے اور ہر ملک میں گروہ محکوم نے جس درجہ تک ترقی کی ہو  
اُسی درجہ تک کار حکومت میں اسکو شریک کرنا چاہیے اور بالآخر اس کو  
والتب یہی ہے کہ سب لوگ اپنے ملک کی حکمرانی و فرمانروائی میں شریک  
کر لیے جائیں۔ لیکن چونکہ سب لوگ علی العموم کار حکومت کے صرف ایک  
جزء قلیل میں بذات خود شریک ہو سکتے ہیں لہذا اس سے لازم آتا ہے کہ  
کامل حکومت عقلاً حکومت بالوکالت یا پنجابی گورنمنٹ ہے جس میں گروہ محکوم کے  
وکلاء یا قائم مقامان قوم شریک ہوں فقط۔

## چوتھا باب

اس بیان میں کہ کن تمدنی حالتوں میں پنجابی گورنمنٹ نہیں قائم ہو سکتی ہے  
سابق میں بیان کیا گیا کہ پنجابی گورنمنٹ اکمل اقسام حکومت عقلاً ہے۔  
اور اس قوم کی حکومت ہر قوم کے لیے اسی درجہ تک مناسب ہے جس  
درجہ اُس نے ترقی کی ہے لیکن چون ترقی میں انحطاط ہوتا جاتا ہے اس قسم کی  
حکومت عموماً نامناسب ہوتی جاتی ہے۔ مگر یہ کلیہ سب پر علی العموم نہیں صادق  
آتا ہے کیونکہ کسی قوم کا پنجابی گورنمنٹ کے قابل ہونا چند ان اس پر موقوف ہے۔

نہیں ہے کہ تہذیب و دانش کی بن اُسے کتنی ترقی کی ہے بلکہ اسپر موقوف ہے کہ اس قسم کی حکومت کے لوازم مخصوصہ اسکو کس درجہ تک حاصل ہوں۔ مگر یہ لوازم اسکی عام ترقی کے درجہ سے ایسا تعلق تام رکھتے ہیں کہ ان دونوں میں شاذ و نادر اختلاف ہوتا ہے۔ اب یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ تنزل یا انحطاط کے کس درجہ میں پنجابی گورنمنٹ بالکل لائق تسلیم نہیں باقی رہتی خواہ اسوجہ سے کہ وہ خود اس قابل نہیں رہتی خواہ اس سبب سے کہ اور کسی قسم کی حکومت اُس سے زیادہ مناسب حال ہوتی ہے۔

پس واضح ہو کہ دیگر اقسام حکومت کی طرح پنجابی گورنمنٹ اس حالت میں نامناسب ہوتی ہے جس حالت میں کہ وہ دو انا قائم نہیں رہ سکتی یعنی جس حالت میں اُن تین ضروری شرطوں کی تکمیل نہیں کر سکتی جنکا ذکر سابق میں کیا گیا وہ شرطیں یہ ہیں۔ اول یہ کہ قوم اسکو قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ دوم یہ کہ قوم وہ امور کرنے پر راضی اور اُنکے قابل ہو جو اُسکے بقا و کولام میں سونم یہ کہ قوم اُن فرائض کو ادا کرنے اور اُن کاموں کے کرنے پر راضی اور اُنکے قابل ہو جو اُس قسم کی حکومت سے اسپر عائد ہوں۔

کسی قوم کا پنجابی گورنمنٹ کو قبول کرنے پر آمادہ ہونا یہ صرف ایک عملی مسئلہ اسوقت ہو جاتا ہے جبکہ کوئی روشن ضمیر حاکم یا کوئی غیر قوم یا تو میں جو اس ملک پر مسلط ہو گئی ہیں یہ نعمت اُس قوم کو عطا کرنا چاہیں۔ مصلحان سلطنت کو فرداً فرداً اس سے کچھ بھٹ نہیں ہے کیونکہ جو اہم کام انھوں نے اختیار کیا ہے اسپر صرف یہی اعتراض ہو سکتا ہے کہ قوم کی رائے اہم

اُنکے موافق نہیں ہے۔ اسکا جواب وہ فوراً یہ دینگے کہ ہمارا مقصود و آل یہی  
 تو ہے کہ قوم کو اپنی طرفت کر لیں۔ جب قوم کی رائے عموماً اسکے مخالف ہوتی ہے  
 تو نفسِ تغیر کے مخالف ہوتی ہے فی نفسہ بچا پتی کو رمنٹ کے خلاف نہیں ہوتی۔  
 مگر اسکے خلاف بھی کبھی کبھی وقوع میں آیا ہے یعنی بعض اوقات ایک خاص  
 خاندان کے حکام کے اختیار کو محدود کر دینا مذہب کی رو سے مکر و سمجھا گیا ہے  
 مگر عموماً بلا عذر و منت اطاعت کے مسئلہ سے صورت یہ مراد تھی کہ حاکم وقت  
 خواہ بادشاہ ہو خواہ عوام ہوں اُنکی اطاعت فرض عین ہے۔ بہر کیف جہاں کین  
 بچا پتی کو رمنٹ کو قائم کرنے کی کوشش کیجاوے وہاں زیادہ تر این موافق کی  
 توقع ہوتی ہے کہ لوگ اُس سے بے پروائی اور بے اعتنائی کرینگے اور  
 اُسکے اعمال اور حواج کو نہ سمجھ سکیں گے اسکا چندان اندیشہ نہیں ہوتا کہ لوگ  
 اُسکی مخالفت واقعی کرینگے۔ مگر بے پروائی اور بے اعتنائی بھی اُسی قدر ضرر ہے  
 اور اُسکو دفع کرنا بھی اُسی قدر مشکل ہے جب قدر مخالفت واقعی کو دفع کرنا دشوار ہے  
 کیونکہ اکثر اوقات قوتِ فاعلیہ کے فعل کو بدل دینا آسان تر ہے نسبت اسکے  
 کہ ایسی قوت اُس حالت میں پیدا کیجاوے جو بیشتر انفعالیہ تھی۔ جب کوئی  
 قوم بچا پتی کو رمنٹ کی بھٹی قدر نہیں کرتی اور اُس سے اُلفت نہیں رکھتی  
 تو غالباً ایسی حکومت اُسکے پاس نہیں باقی رہیگی۔ ہر ملک میں حکومت کا  
 عاملانہ شعبہ حکمرانی و فرمانروائی کرتا ہے اور عام لوگوں سے اتصال  
 تام رکھتا ہے اور اس شعبہ حکومت سے لوگ امید و بیم رکھتے ہیں اور یہی کے  
 ذریعہ سے گورنمنٹ کے فوائد اور اُسکی عظمت و جبروت عوام کی نظروں میں آتا ہے

سمجھا جاتا ہے۔ میں اگر مضبوط رائے اور مؤثر خیال عامہ خلافت میں ایسا نہ موجد ہو جو ان حکام کی تائید و تقویت کرتا رہے جسکا کام عالمائے شعبہ یعنی نظام و عمال کی نگرانی کرتا ہے تو عالمائے شعبہ کی حکام نگرانی کنندہ حکام کو ہمیشہ بالاسطابق رکھیں بلکہ انکو اپنا مطیع بنالیں اور انکے اس فعل کی سبائید کرین نوعی آئین سیاست کا بقا اور دوام ضرور اس پر موقوف ہے کہ جب اسپر کوئی آفت آئے تو لوگ اسکی طرف سے لڑنے کو مستعد ہو جائیں۔ اگر اسکی قدر بخوبی نہ کیجائے تو وہ کتر جمنے پاتا ہے اور اگر وہ جم جاتا ہے تو اس بات کا یقین رہتا ہے کہ جب گورنمنٹ کا افسر اعلیٰ یا کسی فزق کا سردار جو جمعیت کی قوت رکھتا ہے فدا سا جو کھم گوارا کر کے حکومت مطلقہ یا مطلق العنانی کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا آئین سیاست کو تسنس کر دیگا۔

پنجابی گورنمنٹ کی ناکامی کے تین سبب جو سابق میں بیان کیے گئے ان میں سے پہلے دو سببوں سے وہ مضامین متعلق ہیں جو معرض تحریر میں آئے۔ تیسرے سبب اسکی ناکامی کا یہ ہے کہ لوگ مرضی یا قابلیت ان فرائض کو بجالانے کی نہ دیکھتے ہوں جو ایسی حکومت سے متعلق ہیں جس قدر توجہ و التفات معاملات سلطنت پر اسلئے ضرور ہے کہ ایک رائے جمہور انکی نسبت قائم ہو جائے جب اس قدر توجہ و اعتنا کوئی بھی نہیں کرتا یا صرف ایک گروہ قلیل کرتا ہے تو انتخاب کنندہ سے حق رائے زنی کو کتر عمل میں لاتے ہیں الا اپنی ذاتی عرض نکالنے کے لیے یا جہان وہ سکونت رکھتے ہیں اس مقام خاص کے فائدہ کے خیال سے یا کسی ایسے شخص کی نفع رسانی کے خیال سے جسکے وہ ہوا خواہ یا تا بعد ازاں



جب عام رائے کی یہ کیفیت ہو تو وہ گردہ قلیل جو دکلاے قوم کی مجلس کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اس قابو یا اختیار کو صرت ایک ذریعہ اپنی دولت و جاہ کا گردانا ہے۔ ایسی حالت میں اگر گورنمنٹ کا اعلان شعبہ ضعیف ہے تو سارے ملک میں صرت حد سے کہیے ایک شور قیامت برپا ہو جاتا ہے لگہ و شبہ قوی ہے تو دکلاے قوم کو یا بخلہ اُنکے اُن لوگوں کو جسے مزاحمت کا اندیشہ ہے کچھ دے لے کر راضی کر لیتا ہے اور خود مطلق العنان ہو جاتا ہے یعنی جو اُسکے جی میں آتا ہے کرتا ہے اور قومی وکالت یا قائم مقامی کا صرت نتیجہ ہوتا ہے کہ علاوہ اُن لوگوں کے جو فی الواقع حکمرانی کرتے ہیں ایک اور گردہ عوام پر مسلط ہو جاتا ہے اور جس بے عنوانی یا بد انتظامی میں اُس گردہ کے کسی جزو کا فائدہ مقصور ہے اُسکی اصلاح نہیں ہوتی۔ تاہم جب یہ خسار الی یہیں پر رُک جاتی ہے تو جو نقصان اس سے ہو اُسکو اس خیال سے گوارا کرنا چاہیے کہ اسکے ذریعہ سے اعلان اور اشاعت اور مباحثہ جو قائم مقامی کے اصول کو لازم ہیں (اگرچہ قائم مقامی صرت برائے نام ہی ہو) وقوع میں آتے ہیں مثلاً یونان کی سلطنت جدید میں اگرچہ مجلس دکلاے قوم میں اکثر وہ لوگ دکھائی دیتے ہیں جو صرت عہدہ کی طمع رکھتے ہیں اور جسے انتظام ملک میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور نہ حکومت کے اعلان شعبہ کی مطلق العنانی میں کچھ خفت ہوتی ہے تاہم اُنکے ہونے سے یہ تو فائدہ ہے کہ قومی حقوق کا وقار باقی ہے اور اخبارات کو واقعی آزادی حاصل ہے۔ مگر یہ فائدہ بالکل بے موقوف ہے کہ مجلس دکلاے قوم کے ساتھ ایک موروثی بادشاہ بھی موجود ہو

اگر یہ خود غرض اور طمع فریق بادشاہ کی عنایات کا طالب نہوتا بلکہ خود بادشاہت کو ملے لینے کی فکر کرتا تو بیشک اُس ملک (یونان) میں ہمیشہ انقلاب سلطنت اور جنگِ جدل ہوا کرتا جیسا امریکہ کے اُس حصہ میں ہوا جہاں اسپانیہ کی عہد داری ہے۔ اور چند طماع اور مفسد آدمی جائز طور سے نہیں بلکہ ناجائز طور سے اور مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتے اور جو صرف بے لگام قائم مقامی کا اصول جاری ہے اُسکا اور کچھ نتیجہ نہوتا بجز اسکے کہ مطلق العنان حکومت کو وہ ثبات و قیام نہ حاصل ہوتا جو اُسکے نقصانات کا مانع اور اُسکے فوائد کا موجب ہے۔

جو صورتیں سابق میں تمثیلاً بیان کی گئیں انہیں ہنجائی گورنمنٹ دو امانتیں رہ سکتی۔ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جنہیں اس قسم کی حکومت شاید ممکن ہو مگر دوسری قسم کی حکومت اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ وہ خاص صورتیں یہ ہیں کہ جب قوم کو تہذیب و شائستگی میں ترقی کی غرض سے ہنوز کوئی سبق پڑھنا باقی ہے یا ہنوز کوئی ایسی عادت اُسکو نہیں پڑی ہے جسکی مانع غالباً اس قسم کی گورنمنٹ ہوگی۔

انہیں جو سب سے زیادہ بدیہی صورت ہے اور جسکی تحقیق سابق میں ہو چکی ہے یہ ہے کہ کسی قوم نے تہذیب و شائستگی کا پہلا ہی سبق نہ پڑھا ہو یعنی اطاعت کرنا نہ سیکھا ہو جس قوم نے قدرتی موانع سے اور اپنے قرب و جوار کی قوموں سے لڑتے لڑتے جدت اور جرات حاصل کی ہو مگر ہنوز کسی کو اپنا سرگردہ بنا کر اُسکی اطاعت نہ اختیار کی ہو غالباً فرمان برداری کی عادت

اسکو اُس حالت میں بھی نہ بڑگی جبکہ وہ اپنے ہی کردہ کی نبوی حکومت کی محکوم ہو۔ کیونکہ جب اُس قوم کے وکلاء یا قائم مقام خود اُسی قوم میں سے منتخب کیے جائینگے تو وہ بھی ویسے ہی کشیش اور شورہ بشت ہونگے جیسی خود وہ قوم ہے اور جو کارروایاں ایسی ہونگی جنسے اُنکی وحشیانہ خود سری میں فرق پڑیگا اسکو وہ ہرگز نہ منظور کریں گی۔ ایسی وحشی قومیں مذہب و نسل سے سوسائٹی کے شرائط اولیہ کی پابندی صرف لڑائی بھڑائی کی ضرورتوں سے قبول کر لیتی ہیں اور اسوجہ سے بھی کہ فوجی حکومت کو مطلق امان ہونا پڑ ضرور ہے۔ پس وہ صرف ایک فوجی سردار کی اطاعت کرتی ہیں کبھی کبھی کسی شخص کو یہ سمجھ کر کہ یہ پیغمبر ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے یا اسکو صاحب کشف و کرامات تصور کر کے اُسکی اطاعت کرتی ہیں۔ مگر ایسا شخص بھی صرف چند روز اُپر غالب رہتا ہے اور چونکہ یہ غلبہ ذاتی ہوتا ہے لہذا لوگوں کی عام عادتیں اس سے کچھ تغیر نہیں واقع ہوتا لایہ کہ وہ پیغمبر فوجی سردار بھی ہو جیسے پیغمبر اسلام نے اور ایک نیا مذہب بزرگ و شریف تعلیم کرے یا یہ کہ سرداران فوج اُسکے شریک ہو کر اور اُسکو سپر بنا کر خود حکومت کریں۔

سرکشی کی ضد سرما برداری اور ظلم و جور ہوتا ہے اور جس قوم میں یہ عیب ہو یعنی حد سے زیادہ مطیع و متقاد اور راضی برضا ہو وہ بھی بچاقتی گو غمنٹ کے قابل نہیں ہے۔ اگر کوئی قوم اپنی عادات و اطوار کے باعث اور اتفاقات زمانہ سے ذلیل و خوار ہو جائے اور اُس قسم کی گورنمنٹ کو حاصل کر سکے تو وہ خواہ مخواہ حکام جو کو اپنا قائم مقام بنائیگی اور اسے روشنی طبع تو

برمن بلا شہمی کا نقشہ ہو جا بیگا یعنی جس تدبیر سے اُسکی آزادی اور گلو خلاصی کی امید تھی وہ اور زیادہ اُسکی جان کا جہال ہو جائیگی۔ برخلاف اسکے اکثر قوموں نے ایک ہی حاکم اعلیٰ کی مدد سے جو مقتضی اپنے منصب کے ملک کے حکام مطلق العنان کا رقیب اور آخر الامر ملک بن گیا تھا اس حالت سے نجات پائی ہے۔ چنانچہ فرانسیس کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہیو کیٹسٹ کے وقت سے رچلو اور شاہ لوئس چار دہم کے عہد تک برابر اُس ملک کی یہی کیفیت رہی۔ بلکہ یہاں تک کہ جب پادشاہ اتنی قوت نہ رکھتا تھا جتنی قدرت اسکی ماتحت ریاستوں کے رئیس رکھتے تھے تب بھی چونکہ ایک ہی شخص اکیلا پادشاہ تھا لہذا اُسکو وہ وقعت حاصل تھی جسکو فرانسیسی مؤرخوں نے تسلیم کر لیا کہ یعنی جن لوگوں پر ظلم وجور ہوتا تھا وہ اُسی سے چشم امید رکھتے تھے اور ساری سلطنت میں سب اُسی پر بھروسہ رکھتے تھے گراؤں خود سر رئیسوں کی حکومت جو اُسکے ماتحت تھی کم و بیش انکی ریاستوں پر محصور تھی۔ اور ملک کے ہر حصہ کے لوگ حکام کے ظلم وجور سے عاجز اگر پادشاہ کے ظل حمایت میں پناہ لیتے تھے اور پادشاہ کو رفتہ رفتہ غلبہ حاصل ہوتا تھا مگر چونکہ غلبہ حاصل کرنے کے موقع ضرورت اُسی کو ملتے تھے اور وہ اُن مواقع سے مستفید ہوتا تھا لہذا وہ غلبہ کامل ہوتا تھا اور بہت جلد کامل ہوتا تھا مظلوم و ستم رسیدہ قوم میں ظلم و جور سننے کی عادت کم ہوتی جاتی تھی۔ پادشاہ کا نام نہ یہیں تھا کہ اُن خانہ زاد غلاموں کو اس امر کی ترغیب دیا کرے کہ حتی الامکان کوشش کر کے اپنے مالکوں کی قید و غلامی اپنی گلو خلاصی کریں اور خود پادشاہ کے محکوم اور مطیع بن جائیں۔

میں اسکے ظل حمایت میں بہت سے گروہ بگڑے جو بادشاہ کے کسی کو اپنا مالک اور حاکم نہیں سمجھتے تھے۔ جو بادشاہ دور رہتا ہو اسکی اطاعت کرنا بمقابلہ اس رئیس یا سردار کی حکومت کے جو قریب رہتا ہو آزادی ہے اور بادشاہ اپنے منصب شاہی کی ضرورتوں کی وجہ سے اس بات پر مجبور ہو گیا تھا کہ جن فرقوں کی حمایت کر کے اُسے آزاد کر دیا تھا اپنے حکمرانی اسطورے کرے کہ گویا انکار قیق شفیق تھا نہ یہ کہ انکا مالک و مختار تھا پس اس طور سے ایک ایسی حکومت اعلیٰ پیدا ہو گئی جو اصولاً تو مطلق العنان تھی مگر عملاً محدود و مقید تھی اور جسکی بدولت قوم محکوم نے ترقی کے ایسے ضروری درجہ کو طے کر لیا اگر سبھی پنجابی گورنمنٹ اس قوم میں قائم ہوتی تو غالباً اس درجہ ترقی کو طے کرنے سے اسکو مانع ہوتی۔ مثلاً حکومت مطلق العنان یا قتل عام سے خفیہ تر تدبیر سے اسین خانہ زاد و غلام نہ آزاد ہو سکتے۔

تاریخ کی اسفین عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک اور طریقہ سے بھی نامی و مدد ملت شخصی تہذیب و دانشگی کی ترقی کے ان مواقع کو دفع کر سکتی ہے بلکہ پنجابی گورنمنٹ اور زیادہ قوی کر دیتی بجز مواقع ترقی کے ایک بڑا مانع قومی خصوصیت مقامی کی خصلت بر ہے۔ جو قوانین دیگر اعتبارات سے آزادی کے قابل اور اسکو حاصل کرنے پر آمادہ ہوں مکن۔ ہے کاتالیفات بھی نہ رکھتی ہوں کہ باہم اتفاق پیدا کر کے ایک چھوٹی سی قوم اپنی بنالین صرف اتنی ہی بات نہیں ہے کہ بغض و حسد کی وجہ سے ایک دوسرے سے بیزار رہتا ہے اور باہمی اتفاق قطعاً نامکن ہے بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ برائے نام کچھ

رابطہ و اتحاد انہیں پیدا ہو گیا ہے تو یہی انہیں وہ خیالات اور وہ عادات میں  
پیدا ہوئی ہیں جس سے اس رابطہ و اتحاد کا کچھ اعتبار ہو سکے شاید جیسا کہ سابقین  
یونان وغیرہ کی آزاد رعایا کرتی تھی یا جیسا ایشیا کے دیہات میں تھا وہی  
یا قسباتی امور کے انتظام میں انہوں نے بڑی مشق و مہارت بہم پہنچائی  
اور اس طور سے حکومت جمہوری کا کچھ مزاج لکھا ہوتا، ہم انکی ہمدردیاں  
اس سے آگے نہ بڑھی ہوں اور انکو بہت سی مختلف قوموں کے مشترک امور کے  
انتظام کی لیاقت نہ حاصل ہوئی ہو یا عادت نہ پڑی ہو۔ میں نہیں جانتا  
ہوں کہ کسی تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی مختلف اور مختلف  
قوموں نے باہم اتفاق کر کے ایک قوم واحد کی حیثیت حاصل کر لی ہو۔  
اور اپنے تئیں ایک قوم اور ایک گروہ سمجھنا سیکھا ہو الا اس وجہ سے کہ  
وہ سب بیشتر ایک ہی حاکم کے محکوم رہے ہوں۔ ایسے لوگوں کو عام فوائد کا  
خیال جو سارے ملک پر حاوی ہوں صرف اس طور سے ہو سکتا ہے کہ  
حاکم وقت کا ادب کیا کریں اور انکی تدبیروں سے اتفاق کریں اور انکے  
مقاصد کو انجاء میں دیں۔ لیکن برخلاف اسکے حاکم وقت کو سب سے زیادہ  
ایسے ہی فوائد و اغراض عامہ کا خیال رہتا ہے اور جب قدر کم و بیش وقفیت انکو  
مختص المقام اغراض سے رفتہ رفتہ حاصل ہوتی جاتی ہے وہی قدر ان اغراض  
تمام لوگ آگاہ ہوتے جاتے ہیں۔ ترقی کی یہ ابتدا اس وقت ہو سکتی ہے  
جبکہ ایسے موافق اسباب جمع ہو جائیں کہ ہنجاتی گورنمنٹ کے لوازم  
یعنی عام کمیٹیاں وغیرہ تو قائم ہو جائیں مگر خود ہنجاتی گورنمنٹ نہ قائم ہو

یعنی ایک یا چند کمیٹیاں خاص خاص مقامات سے منتخب کی جائیں اور وہ حاکم وقت کو مدد یا کرین گراں کی حکومت کو رو کرنے یا اپنے قابو میں کر لینے کی کوشش نہ کریں۔ پس جب قوم محکوم حاکم وقت کی صلاح و مشورہ میں اس طرح شریک کر لیا جائے مگر اسکو نفس حکومت میں کچھ دخل نہ ہو تو انتظام امور سلطنت کی لیاقت اُس قوم کے سربراہ اور وہ آدمیوں کو جو اسطور سے حاصل ہوگی وہ دوسرے طور سے نہیں حاصل ہو سکتی اور ساتھ ہی اسکے عام منظوری سے حکومت کا دستور بندھ جائیگا یا اقل مراتب بغیر عام منظوری کے حکومت کا دستور تو نہ جاری رہیگا اور جب حکومت بلا منظوری قوم محکوم کا دستور ہو گیا ہے تو اکثر آغاز تو اچھا مگر انجام بُرا ہوا ہے اور منجملہ دیگر اسباب کے اس سبب سے بھی اکثر ملکوں میں وہ آفت آئی ہے جس نے ترقی کو ابتدائی ورجہ میں روک دیا ہے اور اسکے رُک جانے کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ ایک زمانہ کا کام ایسا خراب ہوا ہے جس سے آئندہ صدیاں برس کا کار ضروری بند ہو گیا ہے۔ الغرض یہ ایک سچا کلیہ سیاست کا ہے کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی اور کم وقعت قوموں کی ایک ایسی قوم بنالینا جس میں باہمی اتفاق کا مادہ موجود ہو اور جو غیر قوم کے حملہ اور غلبہ سے اپنے تئیں بچا سکے اور جسکے معاملات ایسے عظیم اور مختلف ہوں کہ تمدنی اور سیاسی امور کے انتظام میں وہ اپنی عقل کو لیاقت کے ساتھ صرف کر سکے اور اسکی عقل کو کما حقہ وسعت اور فراخی حاصل ہو جائے مطلق العنان سلطنت شخص کا کام ہے پنچایتی گورنمنٹ کا کام نہیں ہے۔

بنابر وجہ مذکورہ بالا وہ حکومت شخصی جو قائم مقامان قوم کی نگرانی سے  
 بری ہو (گو انکی امداد سے اسکو تعزیت حاصل ہو) ہر قوم کے تری مکے ابتدائی  
 درجہ میں نہایت موزون و مناسب ہے اور اس کلیہ سے ایک شہر کے  
 باشندے بھی مستثنیٰ نہیں ہیں جیسے زمانہ سلطنت میں بلاد یونان تھے جہاں تواریخ سے  
 ثابت ہوتا ہے کہ خدا جانے کتنی مدت تک بادشاہوں نے سلطنت  
 اسطور سے کی کہ راسے جمہور کو نفس الامر میں تو امور حکومت میں دخل تھا  
 مگر انکی مداخلت محسوس نہ ہوتی تھی اور نہ اسکا کوئی قاعدہ تھا۔ تب کہیں  
 آخر کو حکومت جمہوری قائم ہوئی پھر مدتہائے مدید کے بعد حکومت امرا  
 جاری ہوئی جو چند خاندانوں پر محدود و منحصر تھی۔

ہر قوم میں اور صد ہا عیوب و نقائص ایسے ہوتے ہیں ہنجاتی گورنمنٹ  
 سے مستفید ہونے کے قابل اسکو نہیں باقی رکھتے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ایسی  
 شخص یا چند اشخاص کی حکومت سے ان عیوب میں اصلاح ہو جائیگی  
 یا وہ بالکل دفع ہو جائینگے۔ جب کسی قوم میں کسی قسم کے شدید تعصبات ہوں  
 یا عادات قدیم کی سخت پابندی ہو یا آؤ سخت قومی عیوب ہوں یا صرف  
 جہالت ہو یا عقل و شعور کم ہو تو یہ سب عیوب اس قوم کے وکلایا  
 قائم مقاموں کی انجمنوں میں بعینہ پائے جائینگے اور اگر عالمانہ انتظام  
 ان لوگوں سے متعلق ہو جنہیں عیوب اور ون سے کم پائے جاتے ہیں  
 تو ان سے بہت کچھ بہتری کی امید ہے بشرطیکہ ایسی انجمنوں کی منظوری کی  
 بیڑی اُنکے پاؤں میں نہ پڑی ہو۔ مگر برخلاف مذکورہ بالا صورتوں کے



ان صورتوں میں حکام کو صرف اپنے منصب کی بدولت وہ اغراض اور  
 دو صفتیں نہیں حاصل ہو جاتی ہیں جسے مفید اثر یا نتیجہ پیدا ہو۔ اگر ایک شخص  
 پادشاہ ہو تو وہ خود اور اُس کے مشیران خاص اور اگر کوئی شخص پادشاہ ہوں تو  
 وہ بھی اُن عیوب سے بری ہونگے جو قوم میں عموماً یا اسکی تہذیب و شائستگی میں  
 پائے جاتے ہیں الا اُس صورت میں جبکہ وہ غیر ملک کے باشندے ہوں  
 اور اُس قوم سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی کردہ ہوں۔ اس صورت میں  
 البتہ ممکن ہے کہ حکام تہذیب و شائستگی میں محکومین سے بہت بہتر و برتر ہوں  
 اور اس قسم کی غیر قوم کی حکومت کے محکوم ہونے سے اگرچہ خرابیاں  
 ہوتی ہیں لیکن بہت بڑا فائدہ قوم محکوم کو یہ ہوتا ہے کہ ترقی کے بہت سے  
 درجن کو جلد جلد طے کر جاتی ہے اور ترقی کے وہ موانع دفع ہوتے  
 جاتے ہیں کہ اگر قوم محکوم اپنی طبیعت اور اتفاقات زمانہ پر چھوڑ دی  
 جاتی تو نہیں معلوم وہ موانع ترقی کتنا باقی رہتے جس ملک میں غیر قوم کی  
 عملداری نہوائیں ایک ہی سبب سے ایسے فوائد پیدا ہو سکتے ہیں اور وہ  
 سبب یہ ہے کہ کوئی پادشاہ منتہی کا طباع ہو۔ تو رنج سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ ایسے چند بادشاہ گزرے ہیں اور بندگان خدا کی خوش نصیبی سے انھوں نے  
 اتنی مدت تک سلطنت کی ہے کہ بعض اصلا حین جو اُنکے عہد دولت میں  
 شروع ہوئی تھیں اُنکی تکمیل اُس نسل میں جا کر ہوئی جو انھیں کے نطفہ طافت  
 میں پیدا ہوئی تھی۔ اسکی ایک مثال تو شمار الملین شہنشاہ جرمنی ہے اور  
 دوسرے پیراعظم زار روس ہے۔ مگر ایسے پادشاہ بہت کم ہوتے ہیں

اور انکو اتفاقات زمانہ اور مقتضات روزگار سے سمجھنا چاہئے جبکہ باعثے نازک اوقات میں اس امر کا فیصلہ ہو گیا ہے کہ آیا گروہ کثیر فوراً ترقی کر کے آگے بڑھ آئے یا تترل کر کے پیچھے ہٹ جائے مثلاً فارس کی لڑائی کے زمانہ میں تھمٹسا کلکس کا ہونا یا شاہ ولیم اول یا ولیم سوم کا ہونا حسن اتفاق سے تھا۔

لیکن صرف ایسے احتمالات سے آئین سیاست بنانا ایک مہل بات ہے علی الخصوص جبکہ تھمٹسا کلکس اور شاہ ولیم اول و سوم کے تاریخی حالات سے ظاہر ہے کہ اس منش کے لوگ جب منصب رفیع پر ہوں تو اپنا اقتدار کامل ظاہر کرنے کے لیے انکو مطلق العنان ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ آئین سیاست کے لحاظ سے جو صورت سب زیادہ غور طلب ہے اور نا درالواقعہ بھی نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کسی ملک کے باشندوں کا ایک جز قلیل ایسا جو بین سربر آوردہ لوگ ہوں اور جو اختلاف قومیت یا مذہب الاصل ہونے کی وجہ سے یا اور خاص وجہ سے شائستگی اور دیگر اوصاف میں عموماً با بقائدہ لوگوں پر شرٹ فضیلت رکھتے ہوں۔ تو ایسی حالت میں عوام الناس کے دکلا، یا قائم مقاموں کی حکومت سے یہ احتمال ہوگا کہ جو فوائد ان لوگوں کو اُس قوم کی حکومت سے حاصل ہونگے جس کا مرتبہ تہذیب و شائستگی میں اُن سے زیادہ ہے اُن فوائد سے وہ لوگ محروم رہ جائینگے۔ اور اُس مذہب قوم کے قائم مقاموں کی حکومت سے عوام الناس کا غالباً یہ نقصان ہوگا کہ وہ ہمیشہ ذلیل و حقیر ہی رہینگے اور اس ذلت و حقارت سے نجات پانے کی اور کوئی سبیل نہ چلیگی سو اس کے کہ جو مذہب قوم حاکم ہے اُس سے اپنا بیجا پیچڑائیں حالانکہ اُنکی آئندہ کی

ترقی کا ایک رکن عظیم یا موقوف علیہ وہ قوم بھی ہے۔ جو قوم ایسے اجزاء سے مرکب ہو اُسکی ترقی کی توقع یوں ہی ہو سکتی ہے کہ جو فرقہ حاکم ہے اُسکے سرگروہ کو نامحدود حکومت حاصل رہے یا اقل مراتب عملاً اُسکو غلبہ رہے۔ کیونکہ صرف اُسی کا منصب اسکا مقتضی ہے کہ عوام الناس کی ترقی اور عروج کی منسکر اُسکو جیگی تاکہ اُسکے شرکاء حکومت کا اقتدار نہ بڑھنے پائے کیونکہ عوام الناس وہ حسد نہیں رکھتا ہے لیکن اپنے شرکاء پر رشک کرتا ہے۔ اور اگر حُسنِ تفاق ہے اُس سرگروہ یا حاکم اعلیٰ کے مشیر و ندیم اعلیٰ فرقوں کے دکلا ریا قائم مقاموں کی ایک کمیٹی ہو جائے جو اُس پر اپنی حکومت نہ جٹائے بلکہ اُسکے ماتحت بنی رہے اور اعتراضات اور سوالات برابر کرتی رہے اور کبھی کبھی اپنی فضلی اور برتری بھی ظاہر کرے جس سے بالاتفاق یا ہمیت مجموعی مقابلہ کرنے کی عادت اُس میں بانی رہے اور وہیں یہ استعداد موجود ہو کہ چند مدت میں اور رفتہ رفتہ وسیع ہوتے ہوئے کل قوم کے دکلا رکی کمیٹی کی حیثیت حاصل کر لے۔

د انگلستان کے پارلیمنٹ کی یہی کیفیت تو ہوئی، تو اُس قوم کو جبکی یہ کیفیت اور حقیقت ہو جنوبی امید ترقی کی ہے۔

مبغملہ اُن خاصیتوں کے جو کسی قوم کو پنجابی گورنمنٹ کے ناقابلِ محض تو نہیں کر دیتیں مگر اُسکا پورا فائدہ حاصل کرنے کے قابل اُسکو نہیں رکھتیں ایک خاصیت خاص توجہ کے لائق ہے۔ رجحان یا میلان طبعی و قسم کا ہوتا ہے اور اِن دونوں میں حقیقت یا معنی بڑا فرق ہے مگر عملاً کچھ ایسا توافقی ہے جسکے سبب سے یہ دونوں متفق ہو کر قوم یا اسرا د قوم کی

کوششوں کو ایک راہ پر لگا دیتے ہیں۔ ایک خاصیت تو اوروں پر حکومت کرنے کی تمنا ہے اور دوسری خاصیت اوروں کا محکوم بننے سے نفرت ہے۔ ان خاصیتوں کے قوی یا ضعیف ہونے کے اعتبار سے قوموں میں بڑا فرق ہے بعض قوموں میں اوروں پر حکومت کرنے کی خواہش اپنی خود سری کی تلافی کی نسبت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر اُن پر صرف برائے نام ہی حکمرانی کرنا اُنکو لمبا سے تو وہ اپنی خود سری کو فوراً ترک کر دیں۔ انہیں سے ہر شخص اس بات پر راضی رہتا ہے کہ اپنی آزادی فعل کو اپنے سردار کی نذر کرے جیسا سامیوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے فخر کے آگے اپنی کچھ ہستی نہیں سمجھتے مگر بشرطیکہ فوج ظفریاب ہو اور سپاہی اپنی تلخی بکھا سکے کہ ہم بھی اسی لشکر ظفر پر کے ایک سپاہی ہیں اگرچہ یہ خیال کہ ہم بھی قوم مضبوط پر حکومت کرنے میں شریک ہیں محض خیال خام ہو ایسے لوگ اُس گورنمنٹ سے نہیں خوش ہوتے جسکے اختیارات اور صفات بالکل محدود ہوں اور جو بہت دست اندازی بجا نہ کر سکے اور اکثر امور کو اُنکے حال پر چھوڑ دے اور ہر شخص کی دلی یا رہنمائی بن جائے۔ اُنکے نزدیک یہ ہے کہ صاحبان حکومت جابہ نقلی کریں مگر حکومت حاصل کرنا عام مقابلہ لیاقت پر موقوف ہو انہیں اوسط درجہ کا آدمی بھی اگر صرف احتمال بعید اس بات کا رکھتا ہو کہ اپنے ہم وطنوں پر کچھ بھی حکمرانی کر گیا مگر اس امر کا یقین کلی رکھتا ہو کہ اُن پر غیر ضروری اختیارات ملنے نہ پائیں گے تو وہ اُس احتمال ضعیف کو اس وثوق کامل پر ترجیح دیکھا۔ یہ خاصیت اُس قوم کی ہے جسکے لوگوں کو منصب یا عہدہ کی طمع غالب ہوتی ہے اور جو امور سیاست میں خاصہ عہدہ کی طمع سے دخل دیتے ہیں اور برابری پر مڑتے ہیں

مگر آزادی کا کچھ خیال نہیں کرتے اور ملکی جھگڑے صرف اس لیے مول لیتے ہیں کہ ہمارے فریق کو دخل در معقولات کا اختیار ہو جائے اور ارباب سیاست کے ایک فریق کے آگے دوسرے کی کچھ نہ چلے۔ یہ لوگ حکومت جمہوری کو صرف اتنا سمجھتے ہیں کہ اُسکی بدولت ملکی عہدے لیاقت آزمائی کے بعد سب کو عموماً ملے گئے ہیں نہ یہ کہ چند ہی اشخاص کو نصیب ہوں اور یہ بھی اُنکو گمان ہے کہ ایں سیاست میں جتنا دخل قوم کو ہو گا اتنی ہی کثرت سے عہدے پیدا ہونگے اور اُنشاہی تشدد قوم میں حیث المجموع اپنے ہر فرد پر کر ملے گی اور اتنی ہی سختی حکام و عمال سب پر کرینگے۔ فرانسس کے لوگوں کی نسبت یہ کہنا کہ بلا مبالغہ اُنکی بعینہ یا تقریباً یہی کیفیت ہے نا انصافی اور بے مروتی ہے مگر یہ کیفیت انہیں اس قدر موجود ہے کہ اُنکے ملک میں جو پنچایتی گورنمنٹ ایک محدود و معین فرقہ نے کی ہے تو وہ رشوت ستانی کی شدت سے شکست ہو گئی ہے اور فرانسس کے سبب دینے میں حیث المجموع جو ایسی گورنمنٹ قائم کرنے کی کوشش کی ہے تو اُسکا انجام یہ ہوا ہے کہ ایک ہی آدمی کو یہ قدرت حاصل ہو گئی ہے کہ اُس نے صد ہا آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر بلا تحقیقات جرم چلایا۔ بھجودیا ہے بشرطیکہ اُس نے سب لوگوں کو یہ خیال کرنے دیا ہے کہ شاید پریسڈنٹ صاحب کی نظر عنایت کبھی ہم پر بھی ہو جائے جس معفت کے سبب سے انگلستان کے لوگ پنچایتی گورنمنٹ کے قابل ہو گئے ہیں وہ اُس معفت کے بالکل مخالف ہے جو فرانسسوں میں پائی جاتی ہے۔ انگلستان کے لوگوں کو خیال اس بات کا رہتا ہے کہ کوئی ہم پر ایسی حکومت نہ کرنے بلے جو ہمارے ملک کے رواج قدیم کے مخالف یا ہماری جو رائے ہے

حق و باطل کی نسبت ہے اسکے خلاف ہو مگر وہ عموماً اور ون پر حکومت کرنے کی کچھ پروا نہیں رکھتے ہیں۔ اور چونکہ انکو حکومت کرنے کی ذرا بھی آرزو نہیں ہے اور وہ اس بات سے خوب آگاہ ہیں کہ حکومت کی طبع آدمی کو اپنے اغراض ذاتی سے دانگیر ہوتی ہے لہذا وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ حکومت وہ لوگ کریں جنکو بے طلب اور صرف اغراض ذاتی کی وجہ سے حکومت ملجائے۔ اگر غیر ملکوں کے لوگ اس نکتہ کو سمجھ جائیں تو یہ بھی انکی سمجھ میں آجائیگا کہ انگریزوں کے ملکی خیالات میں باہم مخالفت ظاہری کیوں ہوتی ہے اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو وہ اپنے اوپر ملاتامل حکومت کرنے دیتے ہیں مگر انکی خوشامد در آمد ہرگز نہیں کرتے بلکہ جب حکام بعض حدود معینہ سے تجاوز کرنے لگتے ہیں تو وہ لوگ (انگریز) اُنسے لڑنے کو مستعد ہو جاتے ہیں اور انکو ہمیشہ یاد دلاتے رہتے ہیں کہ حسب طرح ہمارا جی چاہیگا اُسی طرح ہم اپنے اوپر تنکو حکومت کرنے دینگے۔ الغرض۔ انگریز لوگ بحیثیت ایک قوم کے عہدوں کی طبع سے بری ہیں۔ بہشتنا چند خاندانوں کے جنکے سامنے سرکاری نوکری گویا باقم باندھے کھڑی رہتی ہے انگریزوں کی رائے اپنے عروج کی نسبت سب سے نرالی ہے یعنی انکی رائے یہ ہے کہ ترقی تجارت یا پیشہ میں کامیابی سی ہوتی ہے اس امر سے انکو نفرت ملی ہے کہ سیاستی فریق یا اشخاص صرف عہدوں کے لیے آئیں میں لڑ مرعہ اور سرکاری نوکروں کی کثرت سے جیسے وہ بیزا ہیں ویسے بیزا اور کسی بات سے نہیں ہیں مگر یورپ کی آؤر قومیں سرکاری نوکری کو ہتھدر پسند کرتی ہیں کہ سنگین ٹکس دینا قبول کر لیتی ہیں لیکن اپنے لیے یا اپنے

رشتہ داروں کے واسطے سرکاری نوکری کا موقع ذرا بھی کم ہو جانا  
نہیں گوارا کرتیں اور جب وہ تخفیف مصارف کے لیے غل مجباتی ہیں تو یہ  
نہیں کہتی ہیں کہ عہدے موقوف کر دیے جائیں بلکہ یہ چاہتی ہیں کہ اُن عہدوں  
کی تنخواہیں کم کر دی جائیں جبکہ ملنے کی امید معمولی لیاقت کے آدمیوں کو  
نہیں ہو سکتی نقطہ۔

## پانچواں باب

اس بیان میں کہ دکلا یا قائم مقامان قوم کی کمیٹیوں کے خاص کام کیا گیا ہیں  
پنجابیتی گورنمنٹ کے بیان میں سب سے زیادہ اُس فرق کو مدنظر رکھنا  
چاہیے جو اُسکے مفہوم بامائیت اور اُسکی اُن صورتوں میں ہے جو سوانح  
اتفاقی کی وجہ سے یا اُن خیالات کے باعث سے جو کسی خاص زمانہ میں  
شائع تھے پیدا ہو گئے ہیں۔

پنجابیتی گورنمنٹ کے یہ معنی ہیں کہ کل قوم یا اسکا جزء اعظم بذریعہ  
اُن دکلا یا قائم مقاموں کے جو ایک مدت معین کے بعد منتخب کیے جائیں  
اُس حکومت مطلقہ یا قطعی اختیار صرف کو عمل میں لائے جو ہر قسم کی حکومت میں کسی کسی کو  
ضرور حاصل ہوتا ہے قطعی اختیار صرف دکلائے قوم کو پورا پورا حاصل ہونا چاہیے  
یعنی جب اُنکا جی چاہے حکومت کے سب کاموں میں برتاؤ بعض متصرف ہو جائیں  
یہ ضرور نہیں ہے کہ قانون حکومت میں اُنکو یہ مالکانہ اختیار دیا گیا ہو۔ قانون  
حکومت انگلستان میں یہ اختیار تو اُنکو نہیں دیا گیا ہے مگر جو اختیار اُنکو دیا گیا ہے  
عملاً اُسکے ہی معنی ہیں قطعی اختیار صرف سلطنت جمہوری محدود اور حائل

سلطنت شخصی اور حکومت جمہوری مطلقاً ان سب میں واحد بالذات ہے۔  
 قدما کی رائے میں جب کوئی زمانہ بڑے بڑے مستند اقوال انخاص نے اختیار کیا ہے  
 سچی بات صرف اتنی ہے کہ مساوی الوزن حکومت جہیں دونوں پلے برابر ہوں  
 ناممکن ہے۔ مساوات جزئی تو ہمیشہ ہوتی ہے مگر دونوں پلے ہمیشہ بالکل برابر  
 نہیں رہتے۔ مگر آئین سیاست سے بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حکومت کا  
 کونسا پلہ بھاری ہے۔ مثلاً انگلستان کی باقاعدہ سلطنت میں بادشاہت کے تین  
 رکن ہیں اور وہ تینوں درجہ میں مساوی ہیں اور انہیں سے ہر رکن کو وہ اختیار  
 دیے گئے ہیں جو اگر پورے پورے عمل میں لائے جائیں تو حکومت کی نکل  
 بے گل ہو جائے اور کوئی انتظام نہ چلے۔ کیونکہ ہر رکن سلطنت کو برائے نام  
 اور بدرجہ مساوی یہ اختیار حاصل ہے کہ دوسرے رکن کو روک دے اور آگے  
 نہ بڑھنے دے۔ اور اگر اس اختیار کو عمل میں لانے سے ارکان ملتہ میں سے کسی رکن کو  
 اپنی بہتری کی امید ہو سکے تو زمانہ کارنگ لیکچر ہو کہ کچھ شک شبہ نہیں ہے کہ  
 وہ اختیار عمل میں لایا جائیگا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ اگر ایک رکن سے  
 دوسرا یا دونوں ملکر مخالفت کریں تو وہ رکن اپنے اختیارات کو اپنی حفاظت  
 کے لیے عمل میں لائیگا۔ پھر ان اختیارات کو تعدی کے ساتھ عمل میں لانے سے  
 کون مانع ہے۔ اسکا مانع سلطنت انگلستان کے قواعد غیر مکتوب ہیں یعنی اس  
 ملک کا سیاسی اخلاق اسکا مانع ہے پس اگر کسی کو یہ دریافت کرنا منظور ہو  
 کہ سلطنت انگلستان میں حکومت مطلقہ یا قطعی اختیار تصرف فی الواقع کس کو  
 حاصل ہے تو وہ اسی سیاسی اخلاق پر نظر کرے۔



اور روئے قانون پاؤ شاہ کو اختیار ہے کہ پارلیمنٹ کے کسی ایکٹ کی منظوری سے انکار کرے اور ہر چند پارلیمنٹ منع کرے مگر بادشاہ جسے چاہے عہدہ وزارت پر مقرر کر سکتا ہے اور اُس عہدہ پر اُسکو قائم رکھ سکتا ہے لیکن اُس ملک کے سیاسی اخلاق نے ان اختیارات کو کالعدم کر دیا ہے اور یہ بھی نہیں عمل میں لائے جاتے ہیں اور چونکہ بموجب اُس اخلاق کے واجب ہے کہ سلطنت کے افسر اعلیٰ یعنی وزیر اعظم کو ضمناً ہمیشہ ہوس آف کانس مقرر کیا کرے لہذا افسر الامین بادشاہ وہی کیٹی ہے۔ مگر یہ قواعد غیر مکتوب جنسے اختیارات جائز کا علمدار آمد محدود ہو گیا ہے صرف اس شرط سے موثر اور باقی ہیں کہ سیاسی قوت کی تقسیم واقعی کے موافق ہیں ہر سلطنت میں ایک شخص یا فریق سب سے زیادہ قوت رکھتا ہے اور اگر زور آزمائی کا موقع آجائے اور متضاد فریقوں میں مصالحو کا سلسلہ حکومت کا علمدار ہمیشہ موقوف رہتا ہے معطل ہو جائے تو وہی شخص یا فریق جو سب سے زیادہ قوی ہے ظفر یاب ہو۔ یا قاعدہ سلطنت کے قواعد کی پابندی اپنی وقت تک کیجاتی ہے اور وہ قواعد اُسی وقت تک موثر رہتے ہیں جب تک کہ انکی وجہ سے حکومت میں منجمد صاحبان حکومت کے اُس شخص کو غلبہ رہتا ہے جسکو بیرونی غلبہ حاصل ہے یا جبکہ پلہ ملک میں بھاری ہے یعنی جسکی طرف قوم کی کثرت ہے۔ اُسکو انگریزی اصطلاح میں جمہوری قوت یا عوام کی طاقت کہتے ہیں۔ پس اگر انگلستان کی سلطنت کے شرائط قانونی سے اور نیز ان قواعد غیر مکتوب کے جنکی پابندی مختلف ارباب سیاست فی الواقع کرتے ہیں عوام کو سلطنت کے ہر حصہ میں ویسا ہی غلبہ کامل نہ حاصل ہوتا جیسی قوت واقعی وہ ملک میں ہے۔

رکھتے ہیں تو اس سلطنت کو ایسا استحکام کیونکر نصیب ہوتا جیسا اب ہے اور یا تو قوانین سلطنت یا وہ قواعد غیر مکتوب جلد بدلے پڑتے۔ پس انگلستان کی سلطنت بچاؤتی گورنمنٹ اس معنی سے ہے جو اس لفظ کے صحیح معنی ہیں۔ اور اس سلطنت میں جو اختیارات ان لوگوں کو دیے گئے ہیں جو قوم کے جواب دہ اور موافقہ دار برہنہ است نہیں ہیں انکو صرف یہ سمجھنا چاہیے کہ خود گورنمنٹ کو منظور ہے کہ ہماری غلطیوں کا تقصیر بحفظ اس طور سے کیا جائے۔ ایسا تقدیم بالتحفظ ان سب جمہوری سلطنتوں میں کیا گیا ہے جو عمدہ اصول پر قائم ہوئی ہیں۔ مثلاً اگلے زمانہ میں شہر آئینس دیپے تخت بونان کی سلطنت میں اور اس زمانہ میں مالک متفقہ امریکا میں اس قسم کے بہت سے شرائط موجود ہیں۔

خیر بچاؤتی گورنمنٹ کو یہ لازم بلکہ الزم ہے کہ عملی حکومت یا اختیار حبلہ میں دکلار یا قائم مقامان قوم کو موصول رہے لیکن بحث طلب یہ امر ہے کہ دکلار قوم کی کمیٹی کو بالذات اور بلا واسطہ کیا کیا کام حکومت سے متعلق کرنے چاہئیں اور حکمرانی و فرمان روائی میں کتنا دخل دینا چاہیے۔ اس قسم کے بہت سے ایسے کام ہیں جو بچاؤتی گورنمنٹ کے اصل جوہر کے منافی نہیں ہیں بشرطیکہ وہ کام ایسے ہوں کہ انکے باعث سے دکلار قوم کی کمیٹی کو جملہ امور پر تصرف کامل اور مرافقہ آخری کا درجہ حاصل ہے۔

کار حکومت پر نگران اور متصرف رہنا اور اس کام کو خود کرنا ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک ہی شخص یا ایک ہی گروہ جملہ امور کی نگرانی کر سکتا ہے لیکن ہر امر کو خود نہیں کر سکتا۔ بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے

کہ وہ شخص یا وہ گروہ خود کام کرنے کی جتنی کم کوشش کرتا ہے اتنی ہی کامل نگرانی پر مبنی کرتا ہے۔ مثلاً اگر سپہ سالار فوج میں ہو کہ خود لڑے یا کسی حملہ میں خود فوج کے آگے بڑھ جاوے تو تعبیہ لشکر اچھی طرح نہ کر سکے گا پس یہی کیفیت کمیٹیوں کی بھی ہے۔ بعض امور بغیر کمیٹیوں کے نہیں ہو سکتے اور بعض امور کو کشمیبان اچھی طرح نہیں کر سکتیں۔ یہ اور بات ہے کہ وکلاء قوم کی کمیٹی کو کس چیز کی نگرانی کرنی چاہیے اور یہ اور بات ہے کہ اُس کمیٹی کو خود کیا کرنا چاہیے۔ اُسکو لازم ہے کہ گورنمنٹ کے سب کاموں کی نگرانی کیا کرے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ لیکن یہ قرار دنیا کر کس ذریعہ سے یہ عام نگرانی نہایت عمدہ طور سے عمل میں آسکتی ہے اور کار حکومت کا کون جزو وکلاء قوم کی کمیٹی کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیے اس پر موقوف ہے کہ یہ تحقیق کیجئے کہ ایسی کمیٹی حسین ابنہ کثیر ہو کس قسم کے کام کو اچھی طرح انجام دے سکتی ہے۔ اُسکو لازم ہے کہ جس کام کو اچھی طرح کر سکتی ہے اُسی کو اپنے ذمہ لے۔ اور باقیامذہ کاموں کی نسبت اسکا منصب یہ نہیں ہے کہ اُنکو خود کرے بلکہ اُسکا فرض یہ ہے کہ اُن کاموں کو اوروں سے اچھی طرح کرانے کے ذریعے مہیا کرے۔

مثلاً وکلاء قوم کی کمیٹی کا پہلا فرض جو اُسی سے مخصوص ہے یہ ہے کہ ٹیکسوں پر دوش۔ یعنی رائے دے۔ تاہم کسی ملک میں ایسی کمیٹی ٹیکس کا تخمینہ خود نہیں بناتی نہ چند عمدہ داروں کو مقرر کر کے اُسے تخمینہ بنواتی ہے۔ اگرچہ وہ یہی منظور کی کا اختیار صرف ہول آف ٹیکس کو ہے اور خراج سلطنت کو مختلف مصارف سلطنت میں لانا بھی ہول آف ٹیکس کی منظوری پر موقوف ہے لیکن قاعدہ یہی ہے اور اسی پر ہمیشہ عمل درآمد ہے کہ صرف بادشاہ کی تحریک سے

روپیہ مل سکتا ہے۔ بیشک یہ خیال کیا گیا ہے کہ جب وہ وزراء جنکے ہاتھ سے وہ روپیہ صرف ہوتا ہے اُن نقیحات اور حسابات کے ذمہ دار کر دیے جائیں جنکی بناؤ پر روپیہ صرف کیا جائیگا تب ہی یہ امید ہو سکتی ہے کہ اعتدال کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جائیگا اور باضابطہ تمام کارہائے ضروری میں لگا یا جائیگا لہذا پارلیمنٹ سے نہ تو اس بات کی توقع ہے اور نہ وہ اس امر کی مجاز ہے کہ ٹیکسوں کو خود مقرر کرے یا خود روپیہ صرف کرے۔ صرف اعلیٰ منظوری لی جاتی ہے اور اسکو فقط اتنا اختیار ہے کہ منظوری سے انکار کرے۔

یہ مسئلہ سیاست جن اصول پر مضمّن ہے اگر انکی پابندی کی جائے تو اُسے وکلاء قوم کی کمیٹیوں کے عام کاموں کی حد اور تعریف معلوم ہو جائیگی۔ اول تو جن میں ملکوں میں بیچا پتی گورنمنٹ ہے انہیں یہ بات علماً سمجھ لی گئی ہے کہ اس قسم کی بہت سی کمیٹیوں کو انتظامی امور میں دخل نہ دینا چاہیے۔ یہ قاعدہ صرف عملاً حکومت کے اصول ضروری ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کا کاروبار چلانے کے جو عمدہ اصول ہیں انپر بھی موقوف ہے۔ انسان کا کوئی گروہ کام کرنے کے قابل نہیں ہے تاوقتیکہ اسکا انتظام درست نہ ہو اور وہ کسی کے زیر حکم نہ ہو جس گروہ میں جذبہ ہی آدمی ہوں اور وہ بھی جو کام کرنا منظور ہے اُس سے بخوبی واقف ہوں وہ گروہ بھی اپنے زمرہ میں سے ایک شخص کا زیر دست رہتا ہے اور اگر اسکو اپنا سرگروہ بنائے اور سب ممبر اسکے ماتحت رہیں تو وہ گروہ بہت عمدہ ہو جائے جس کام کو ایک گروہ بہ نسبت شخص واحد کے بہتر انجام دے سکتا ہے وہ مباحثہ ہے جب بہت سی مختلف رایوں کو ملنا اور انپر غور کرنا لازم ہو تو ایک مباحثہ

کرنے والی کمیٹی ضرور چاہیے۔ اور اکثر اوقات ایسی کمیٹیوں سے انتظامی امور میں بھی فائدہ ہوتا ہے مگر عموماً اُن سے صرف صلاح و مشورہ ہی لینا بہتر ہے۔ کیونکہ انتظامی کام ایک ہی شخص کی ذمہ داری سے خوب انجام پا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ سودا گروں کی مشترک کمپنی میں بھی عملاً ایک منظم ڈائریکٹر ضرور ہوتا ہے کہ عملاً اُس کا ہونا ضرور ہو اور اُس کمپنی کی خوش انتظامی یا بد انتظامی فی الواقع ایک ہی شخص کی لیاقتوں پر موقوف ہوتی ہے اور باقی ماندہ ڈائریکٹروں سے اگر کچھ فائدہ ہے تو یہ ہے کہ وہ منظم ڈائریکٹر کو اصلاح و مشورہ دیا کرتے ہیں یا اُس کے کام کی نگرانی کا اختیار رکھتے ہیں اور در صورت بدچلنی کے اُس کو روک سکتے ہیں یا برخاست کر سکتے ہیں۔ اُن سب کے برعکس مساوی شریک انتظام ہونے سے کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ جو فائدہ اُن سے ہو سکتا ہے اس سے اتنا بھی نہ ہوگا۔ مشترک انتظام کا نتیجہ ہونا ہے کہ جو شخص اُس کا ذمہ دار ہے خود اُس کے دل میں اور اور لوگوں کے دل میں بھی نہ داری کا خیال کم ہو جاتا ہے لکن اگر وہ بالذات اور بالانفراد ذمہ دار کر دیا جائے تو اپنی ذمہ داری کا خیال اُس کو بہت رہتا ہے۔

و کلاؤ قوم کی کمیٹی اس سے بھی کم لیاقت اس بات کی رکھتی ہے کہ خود انتظام کرے یا جن لوگوں سے انتظام متعلق ہے اُن کو اُسکی جزئیات بتایا کرے۔ اگر وہ نیک نیتی سے دست اندازی کرے تو بھی اُسکی دست اندازی سے ہمیشہ ضرر پہنچتا ہے۔ امور سلطنت کے انتظام کا ہر شعبہ فی نفسہ ایک ایسا کاروبار ہے جس میں بہت سلیقہ درکار ہے اور جبکہ مخصوص اصول اور خاص قواعد ہوتے ہیں اور اکثر یہ اصول و قواعد کسی کو ابھی طرح معلوم بھی نہیں ہوتے بجز اُن لوگوں کے

جسکو کسی وقت میں وہ کلام خود کرنا پڑا ہے اور جو لوگ کسی صیغہ کے کام سے علی  
 واقفیت نہ رکھتے ہوں وہ کام اچھی طرح سے اُنکی سمجھ میں نہ آئیگا۔ میری یہ مراد  
 نہیں ہے کہ کاروبار سلطنت کے عملدرآمد میں ایسے اسرار و غوامض ہیں جسکو  
 سوائے چند واقفکاروں کے اور کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس کام کے اصول  
 ہر علم الطبع آدمی کی سمجھ میں آسکتے ہیں جسکے صفو خاطر پر تصویر اُن کو اُلٹ حالات کی  
 کھینچی ہو جو انتظام طلب ہیں۔ بہر کیف یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اُن کو اُلٹ حالات کا  
 علم رکھتا ہو اور علم القاریا یا الامام سے نہیں آتا۔ کاروبار سلطنت کے ہر شعبہ سے  
 متعلق بہت سے اہم قواعد ہیں جنکے وجوہ کو ایک تازہ کاریا نو سکیم آدمی نہیں جانتا،  
 بلکہ اُنکے وجوہ سے بھی نہیں واقف ہوتا ہے اس واسطے کہ وہ قواعد اُن خطروں  
 یا دفتوں کو دفع کرنے کی غرض سے بنائے گئے ہیں جو کمی اُنکے ذہن میں بھی  
 نہ آتے تھے۔ میں خود بعض ایسے مدبران سلطنت اور وزراء اسے واقف ہوں  
 جو معمولی لیاقت سے زیادہ قابلیت رکھتے تھے اور جب وہ پہلے پہل کسی  
 صیغہ کے کام پر مقرر ہوئے تو ذرا ذرا سی پیش پا افتادہ باتوں کو اُنھوں نے  
 ایسے شد و مد سے بیان کیا کہ گویا اُنکے موجود وہی تھے اور سوائے اُنکے کوئی  
 اُن معمولی باتوں کو جانتا ہی نہ تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اُنکے ماتحتوں کو مہنسی آگئی  
 یہ سچ ہے کہ بڑا مدبر وہی شخص ہے جو یہ جانتا ہو کہ پُرانے قاعدوں کو کب  
 ترک کرنا چاہیے اور کب اختیار کرنا چاہیے۔ مگر یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ  
 وہ پرانے قاعدوں سے محض ناواقف ہے لہذا وہ اُنکو جلد ترک کر دے گا یا قبول  
 کر لے گا۔ جو لوگ کام کے اُن طریقوں سے واقف نہیں ہیں جو تجربہ سے معلوم

ہوے ہیں وہ اُن وجوہ کو نہیں سمجھ سکتے جن وجوہ سے کام کے اُن معمولی طریقوں کو ترک کرنا واجب ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ کے ہر صیغہ کے کاموں پر جو اغراض موقوف ہوتے ہیں اور اُس صیغہ کے انتظام کے کسی خاص طریقے جو نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اُنکو جانپننے اور اُنکو اندازہ کرنے کے لیے اُس قسم کا علم باعمل اور باتجربہ عقل درکار ہے جو اُن لوگوں میں کمتریائی جاتی ہے جنھوں نے اُس صیغہ کے کام کو سیکھا نہیں ہے جیسے قانون کی اصلاح کی قابلیت اُن لوگوں میں شاذ و نادر پائی جاتی ہے جنھوں نے اُسکو بطور پیشہ کے نہیں حاصل کیا ہے۔ ان سب وقتوں سے وہ کمیٹی دکلا، قوم کی ضرورت چمپوشی کر گئی جو خاص خاص کاموں میں دخل دینا چاہیگی۔ ایسی کمیٹی کی بہت تعریف کی جائے تو یہ کہا جائے کہ ناتجربہ کار تجربہ کاروں پر اور جاہل عالموں پر حاکم بن کر بیٹھے ہیں اور جاہل بھی ایسے جو اُس چیز کو جیکا وہ علم خود نہ رکھتے ہوں موجود ہی نہیں سمجھتے اور بے خبر اور مغرور ایسے کہ اگر اُن سے کوئی یہ کہے کہ آپ کی عقل سے تو ہماری عقل بہتر ہے تو ناک بٹھون چڑھائیں بلکہ آزر دہ ہو جائیں۔ اور یہ بھی اُس وقت ہے جب کہ اغراض ذاتی نہ متعلق ہوں مگر جب ایسے اغراض موجود ہوں تو نتیجہ یہ ہے کہ ایسا بیجا باز اور مہیا کا نہ فریب ہو گا جس سے بدتر کسی صیغہ میں اُس گورنمنٹ کے ممکن نہیں ہے جسکی سب کارروائیاں کھلے خزانے ہوتی ہیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ خود غرضانہ جنبہ داری اُس کمیٹی کے اکثر ممبروں میں پائی جائے۔ ہر خاص صورت میں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ صلت دو تین ممبروں میں ہو۔ یہ دو تین ممبر تو اپنی غرض سے کمیٹی کو ضرور ہلکاٹینگے مگر اور کسی ممبر کو کیا غرض پڑی ہے

کہ کمیٹی کو ٹھیک رکھے اور کہنے نہ دے۔ یہ ممکن ہے کہ اکثر ممبران کمیٹی اپنے ہاتھوں  
 رشوت وغیرہ سے پاک رکھیں مگر جن امور سے وہ واقف ہی نہیں نہیں ہمارے  
 یا باریک بینی کیونکر کر سکتے ہیں۔ اور وہ فریق کثیر جو کام چور ہو کام چور آدمی  
 کی طرح اسی شخص کے کہنے میں رہتا ہے جو اُس پر خوب جی لوڑ کے محنت  
 کرتا ہے۔ کسی وزیر کے خراب انتظامات یا بیہودہ تقررات کو تو پارلیمنٹ  
 روک سکتی ہے اور وزیر اس کی جواب دہی اور اُس کے رقبہ کے عہدہ سے  
 ایک معقول صورت مباحثہ کی پیدا ہو جاتی ہے مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کو  
 کون روک سکتا ہے۔ جو وزیر کسی صیفہ کا افسر اعلیٰ ہو وہ کسی قدر ذمہ داری کا  
 خیال رکھتا ہے مگر ایسی حالت میں ایسی کمیٹی جیسی پارلیمنٹ ہے ذمہ داری کی  
 سطلق پر و انہیں رکھتی کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ کسی امر خرابی انتظامی پر  
 ووٹ دینے سے کسی ممبر پارلیمنٹ کی ممبری چھین گئی ہو۔ ہر وزیر کو یا ہر  
 افسر اعلیٰ کو زیادہ تر فکر اس بات کی رہتی ہے کہ ہماری کارروائیاں  
 آئندہ کیسی سمجھی جائیں گی۔ نسبت اس کے کہ بغل کیسی سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن جب  
 عوام میں کسی بات کا شور و غلی مچ جائے اگرچہ جھٹ پٹ یا جھوٹ موٹ  
 غل مچا دیا گیا ہو لیکن وہ شور و غل پارلیمنٹ کے مطلب کا مؤید ہو تو چاہیے  
 کیسے ہی نتائج بد اس سے پیدا ہوں پارلیمنٹ اپنے تئیں بالکل بری الذمہ  
 سمجھیں گی اور اور لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھیں گے علاوہ اس کے کسی کمیٹی کو اپنے  
 خراب انتظامات سے خود کبھی دقتیں نہیں اٹھانی پڑتیں جب تک کہ وہ  
 دقتیں قومی خرابیوں کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔ مگر جب وزراء اور



منتظمانِ سلطنت اُن وقتوں کو قریب دیکھتے ہیں تو سب طرح کی تکلیف اور صعوبت گوارا کر کے اُنکے انسداد کی کوشش کرتے ہیں۔

وکللا و قوم کی کمیٹی کا خاص فرض انتظامی امور کی نسبت یہ نہیں ہے کہ اُنکا فیصلہ اپنے خاص ووٹوں سے کرے بلکہ اسکا فرض اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ جن لوگوں کو وہ امور طے کرنے پڑینگے وہ لوگ اسکی لیاقت رکھتے ہیں۔ یہ نگرانی بھی وہ کمیٹی اشخاص کو خود نامزد کرنے سے فائدہ کے ساتھ نہیں کر سکتی کوئی کام ایسا نہیں ہے جسین آدمی کو اپنی ذاتی ذمہ داری کا اسقدر خیال رکھنا واجب ہے جیسا سرکاری عہدوں کے لیے لوگوں کو نامزد کرنے میں اُسکو اپنی ذات خاص کی ذمہ داری کا خیال رکھنا لازم ہے۔ جو شخص معاملاتِ سلطنت سے واقف ہے اُسکا تجربہ اس دعوے کا گواہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہیں ہے جسکو ایک اوسط درجہ کا آدمی ایسی بے احتیاطی سے کرتا ہے اور نہ کوئی صورت ایسی ہے جین لیاقتوں کا لحاظ کمتر رکھا جاتا ہے اور اسکا سبب کچھ تو یہ ہے کہ لوگ دو آدمیوں کی لیاقتوں میں فرق نہیں جانتے اور کچھ یہ باعث ہے کہ اُس فرق کا لحاظ نہیں کرتے۔ جب کوئی وزیر یا ماذر کی کسی تقرر کو عمل میں لاتا ہے یعنی جب وہ اپنے متعلقین یا اپنے فریق کے آدمی کے لیے کوئی سرکاری عہدہ نہیں اٹھا رکھتا ہے تو ناواقف آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ لائق ہوگا اُسکو اس عہدے پر مقرر کر دیا مگر واقع میں ایسا نہیں ہے۔ ایک معمولی درجہ کا وزیر جب کوئی عہدہ کسی فی لیاقت آدمی کو یا ایسے شخص کو جو کوئی استحقاق سرکاری نوکری کا رکھتا ہے عطا کرتا ہے

تو اپنے تئیں مجسم ایما نداری سمجھنے لگتا ہے اگرچہ اس شخص کی لیاقت یا استحقاق اس لیاقت یا استحقاق کے خلاف ہو جو مطلوب ہے۔ یعنی اگر مثلاً وہ شخص ناچنا خوب ہو تو جس وزیر نے اسکو سرکاری عہدہ پر مقرر کیا ہے اپنے تئیں الزام سے بھی ہٹانے بلکہ لائق تفریف سمجھتا ہے۔ علاوہ اسکے جن لیاقتوں سے خاص اشخاص خاص عہدوں کے قابل ہو جاتے ہیں انکو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو ان اشخاص سے واقف ہیں یا جو لوگوں کی لیاقت کا اندازہ انکا کام دیکھ کر لیتے ہیں یا ان لوگوں کی شہادت سے انکا اندازہ کرتے ہیں جنکو اسکے جانچنے کا موقع ملا ہے۔ پس جب بڑے بڑے عہدہ داران سرکاری جو اپنے ماتحتوں کے تقرر کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں ان ایما نداری کے فرائض کا کمتر لحاظ کرتے ہیں تو فرمائیے کہ ان کمیشن کی کیا کیفیت ہوگی جو ایسے تقرر کی ذمہ دار نہیں ہو سکتیں۔ اب بھی سبک بدتر وہ تفرات ہیں جو اس غرض سے عمل میں لائے گئے ہیں کہ دکھلا دہ قوم کی کمیٹی میں لوگ ہماری تائید کریں اور ہمارے مقابلہ پر نہ آمادہ ہوں پس اگر ان تفرات کو خود وہ کمیٹی عمل میں لائی ہوتی تو فرمائیے کیا امید ہو سکتی بڑی کمیٹیاں خاص لیاقتوں کا کبھی مطلق لحاظ نہیں کرتیں۔ جن شخص جس عہدہ کی امید واری کرتا ہے اسی کے قابل سمجھ لیا جاتا ہے تا وقتیکہ وہ بیانیسی پانے کے قابل نہ ہو جب عام کمیٹیاں فریقی تعلق کے لحاظ یا قرابت کی رعایت سے تفرات کو نہیں عمل میں لاتیں (ہمیشہ اسکے خلاف ہوا کرتا ہے) تو کوئی شخص کسی عہدہ پر یا تو اسوجہ سے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی عام لیاقت مشہور ہے (گو اکثر اوقات وہ اس نیکنامی کا مستحق نہیں ہوتا) یا فقط اتنی بات سے کہ وہ ہر دل عزیز ہے۔

یہ امر بھی مناسب نہیں سمجھا گیا ہے کہ خود پارلیمنٹ کی سینیٹ کے وزراء کو  
 نامزد کرے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ پارلیمنٹ ضمناً فیصلہ کر دیتی ہے کہ وزیر عظم  
 کون ہوگا یا کن تین چار شخصوں میں سے وزیر عظم منتخب کر کیا جائے۔ جب پارلیمنٹ  
 ایسا کرتی ہے تو اس سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص جو اس عہدے کا  
 امیدوار ہے اس فریق سے ہے جسکی عام حکمت عملی کی تائید کرنی پارلیمنٹ کو منظور  
 اگر نفس الامون پارلیمنٹ جس امر کا فیصلہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دو تین فریقوں  
 یا گروہوں میں سے کس فریق یا کس گروہ سے وزراء مقرر کیے جائیں اور خود وہ  
 فریق اپنی رائے سے یہ امر اقرار دے لیتا ہے کہ ہمارے زمرہ سے کون شخص  
 وزیر عظم کے عہدے کی سب سے زیادہ لیاقت رکھتا ہے۔ بالکل تو یہ دستور ہے کہ  
 پارلیمنٹ کسی وزیر کو نہیں نامزد کرتی ہے بلکہ مکلف پارلیمنٹ کی خواہش اور رغبت کے  
 موافق وزیر عظم کو مقرر فرماتی ہیں اور وزیر عظم کی سفارش سے دیگر وزراء کو مقرر  
 فرماتی ہیں اور جو عہدے مستقل نہیں ہیں انہیں لائق آدمیوں کو مقرر کرنے کا ہر ایک زیر  
 بذات خود مکلف اور ذمہ دار ہے۔ خالص سلطنت جمہوری میں کوئی اور انتظام کرنا  
 ضرور ہے مگر جتنا وہ انتظام عملدرآمد میں اس انتظام سے اقرب ہو جو بدت سے  
 انگلستان میں چلا آیا ہے غالباً اتنا ہی وہ عملدرآمد میں اچھا کلیگا۔ وزیر عظم کے  
 تقرر کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو اسکو کوئی ایسی کمیٹی منتخب کرے جو دھلا قوم کی  
 کمیٹی سے بالکل علاحدہ ہو جیسا مالک متفقہ امریکا میں قاعدہ ہے یا دھلا قوم کی  
 کمیٹی صرف وزیر عظم کو نامزد کرنے پر اکتفا کرے اور اسکو اپنے شرکا اور ماتحتوں کو  
 منتخب کرنے کا ذمہ دار کر دے۔ مجھ کو امید تو یہ ہے کہ ان سب امور کو عمل میں نہیں لائے گا

عقلاً اکثر لوگ تسلیم کر لینگے لیکن اگر عملاً دیکھا جائے تو وہ کلار قوم کی کمیٹیوں کی یہ خاصیت ہے کہ امور جزئی کے انتظام میں اپنی مداخلت بڑھاتے جاتے ہیں کیونکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر شخص حکومت سے زیادہ رکھتا ہے وہ اسکی عملدرآمد میں افراط ہی کرتا جاتا ہے اور یہ منجملہ اُن خطروں کے ہے جنکا احتمال پنجاتی گورنمنٹ میں آئندہ کے لیے ہے۔

لیکن یہ امر بھی صحیح ہے اور اسکی صحت کے لوگ رفتہ رفتہ قائل ہوتے جاتے ہیں کہ ایک جماعت کثیر جیسے انتظامی کام کے قابل نہیں ہے۔ ایسے ہی قانون سازی کے قابل بھی نہیں ہے۔ کوئی دماغی کام ایسا مشکل نہیں ہے جیسا قانون سازی کا کام ہے جسکو انجام دینے کے لیے نہ صرف تجربہ کار اور مشاق آدمی درکار ہیں بلکہ وہ لوگ درکار ہیں جنہوں نے اس کام کو بڑی مشقت و جانکاہی سے مدون سیکھا ہو۔ اگر اور کوئی وجہ نہیں ہے تو صرف یہی وجہ وجہ اسکی ہے کہ قوانین کو چند ہی اشخاص کی کمیٹی بنا سکتی ہے۔ دوسری وجہ وجہ اسکی یہ ہے کہ جب قانون بنایا جائے تو خوب صحت کے ساتھ اور مدت تک یہ دیکھ لیا جائے کہ ہر ایک حکم کا کیا اثر اسکے دیگر احکام پر ہوگا اور جب قانون بنائے تو قوانین سابقہ سے ایسا موافق ہو کہ اُن دونوں کا ایک متناسب الاجزا مجموعہ بن سکے۔ ان شرائط کی تکمیل کسی قدر بھی ہونی غیر ممکن ہے درآئیکہ ایک مجمع کثیر کا ووٹ قانون کے ہر ایک ضمن پر لیا جائے۔ اگر ہمارے ملک کے قوانین صورت اور ترکیب دونوں کے لحاظ سے ایسے اوراق پریشان نہ ہوں تو تجربے زیادہ اتری اور پریشانی ممکن ہی نہیں ہے تو قانون بنانے کا وہ نامر بوط طریقہ دیکھ کر جو باطل جاری ہے سب کو تعجب ہوگا۔ لیکن

اب بھی ہر سال عملاً محسوس ہو جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں قانون بنانے کی کل قانون سازی کے مقصد کے باطل موافق نہیں ہے۔ بلوئن کو ضروری مرحلے طے کرنے میں اتنا عرصہ گزر جاتا ہے کہ روز بروز پارلیمنٹ اُن کو پاس کرنے سے عاجز ہوتی جاتی ہے بجز ان بلوں کے جو ذرا ذرا سے متفرق امور کی نسبت ہیں۔ اگر کوئی ایسا بل یعنی مسودہ قانون بنا یا جاتا ہے جس میں کوئی مضمون تمام و کمال بیان کیا گیا ہے۔ (اوسے جز کی نسبت قانون بنانا غیر ممکن ہے تا وقتیکہ کل مضمون و مہنان قانون کے پیش نظر نہ ہو) تو وہ پارلیمنٹ کے ایک اجلاس سے دوسرے تیسرے اجلاس تک لیے ہیں پڑتا صرف اسوجہ سے کہ اُسکو طے کرنے کی مہلت ہی پارلیمنٹ کو نہیں ملتی۔ اگرچہ کسی مسودہ قانون کو اُس شخص یا اُن اشخاص نے جو نہایت لائق و فائق سمجھے جاتے ہوں اور جنکے پاس سبالات اور وسائل اُسکے موجود ہوں بعد غور کا مل تیار کیا ہو یا ایک کمیٹیشن نے جو اُسکے مضمون سے بخوبی آگاہ ہو گئی برس غور و خوض کر کے اُسکو نیا یا ہو تو بھی وہ نہیں پاس ہو سکتا صرف اسوجہ سے کہ ہوس آف کانٹنس اپنے اس پیش بہا حق سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کرتا کہ اُس بل پر اپنے پیچیدہ صورت ہاتھوں کے جلا کر لے تب وہ پاس ہو۔ چند روز سے یہ دستور جاری ہوا ہے کہ جب کسی بل کا اصول دوسری میٹھی میں بجا ل رکھا جاتا ہے تو وہ ایک کمیٹی منتخب کے سپرد اسیلے کیا جاتا ہے کہ اُنکی تجویزات کو نظر تفصیلی سے ملاحظہ کرے تجربہ سے اس دستور سے یہ فائدہ معلوم ہوا ہے کہ جب بعد ازاں وہ بل کل ہوس کی کمیٹی میں پیش کیا گیا ہے تو اُس میں بہت کم وقت ضائع ہوا ہے کیونکہ جن جہلاکی رایوں اور خیالات خام کو وہی علم آدمیوں نے غنیمت کر دیا ہے وہ ہمیشہ اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ ہر دو سراسر موقع رائے فی کا

جملہ کی کمیٹی میں دیا جائے۔ فی الحقیقہ اس دستور کو خاصۃً ہوس آف لارڈس نے اختیار کیا ہے جسکے ممبر پر نسبت ہوس آف کائس کے ممبروں کے دخل ورمعقولات کمزدیہ ہیں اور نہ اپنی رائے کی عظمت پر مرے جاتے ہیں۔ مگر جب کسی بل میں فصل بحث ہو جاتی ہے اور کمیٹی منتخب کیے باہر آتا ہے تب اسکی کیفیت لائق دید ہے کہ جن ضمنیوں پر اوصمنوں کا عملدرآمد موقوف ہے انکو نکال کر کچرے ٹھکانے اور بے ربط فقرے کسی ذاتی غرض سے یا کسی وہمی ممبر کو راضی کرنے کے لیے جسے اُس بل کو روک دینے کی دھمکی دی ہے داخل کیے گئے ہیں اور کسی نادان کی تحریک سے وہ مضامین میں داخل کیے گئے ہیں جنہیں ایسے نتائج پیدا ہوں جنکا وہم و گمان بھی اُس ممبر کو نہ تھا وہ بل پیش کیا تھا نہ اُن ممبروں کو تھا جنہوں نے اسکی تائید کی تھی اور جنکی تمیم کے لیے دوسرا ایکٹ پارلیمنٹ کے دوسرے اجلاس میں پاس کرنا پڑے تاکہ نقصان نہ آسکے احتمال ہے وہ نہونے پائین۔ بالفعل جس طریقہ سے ان امور کا انتظام کیا جاتا ہے انہیں ایک خرابی یہ ہے کہ جس شخص نے اُس بل اور اسکے مختلف مضامین کو اپنے ذہن سے اختراع کیا ہے اسکو اسکی توجیہ بیان کرنے کا اور اسپر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں انکو رد کرنے کا موقع کبھی نہیں دیا جاتا بلکہ شخص پارلیمنٹ کا ممبر نہیں ہوتا۔ اُس بل کی تائید کرنا کبھی ایسے وزیر یا ممبر پارلیمنٹ پر موقوف رکھا جاتا ہے جنہے اسکو نیا یا نہیں ہے اور جسے ادھر ادھر سے سُن سکا کہ کچرے دلیلیں یاد کر لی ہیں اور جو اپنے دعویٰ کی پوری قوت سے آگاہ نہیں ہے نہ عمدہ وجہ اسکو ثابت کر سکتا ہے اور جن اعتراضات کا احتمال ہے کہ وارد ہو سکتے ہیں انکو مطلق دفع نہیں کر سکتا۔ جہاں تک گورنمنٹ یعنی وزراء متعلق ہیں وہاں تک تو اس

خرابی کی اصلاح ممکن ہے اور بعض جمہوری سلطنتوں میں اسکی اصلاح ہو چکی ہے اور اسکی تدبیر یہ ہے کہ گورنمنٹ کو اجازت دیجائے کہ جن اشخاص پر وہ اعتماد رکھتی ہے وہ اسکی قائم مقامی دونوں ہوسوں میں کریں اور انکو گفتگو کرنے کا حق دیا جائے ووٹ دینے کا حق نہ دیا جائے۔

اگر وہ فریق کثیر ممبران ہوس آف کانس کا جو کبھی کسی ترمیم کی تحریک کرنا یا اسپیش بیان کرنا نہیں چاہتا ہے یہ سارا کام ان ممبروں پر نہ موقوف رکھے جو یہ دونوں باتیں کرنا چاہتے ہیں اور اگر وہ فریق کثیر یہ سمجھے کہ فصاحت بیان یا خوش تقریر ہی یا اپنے تئیں ممبر پارلیمنٹ منتخب کر لینے سے بہتر لیاقتیں قانون بنانے کی لوگوں میں موجود ہیں اور تلاش کرنے سے ایسے لوگ مل سکتے ہیں تو یہ امر حذب تسلیم کر لیا جائیگا کہ وضع قوانین اور انتظام امور سلطنت ان دونوں کاموں کو دکلا، قوم کی کمیٹی خود کرنے کی لیاقت نہیں رکھتی ہے بلکہ ان کاموں کو کرنے کی لیاقت رکھتی ہے یعنی یہ طے کر سکتی ہے کہ یہ کام کس قسم کے لوگوں کے سپرد کیا جائے اور جب وہ کام ہو جائے تو قوم کی طرف سے اسکو منظور یا نامنظور کر سکتی ہے۔ کوئی گورنمنٹ جو اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تہذیب کے لائق ہو منجھ اپنے ارکان ضروریہ کے ایک کن چھوٹی سی کمیٹی کو قرار دیگی جسکے ممبروں کی تعداد کمینسٹ کے وزراء کی تعداد سے زیادہ نہ ہو اور جسکا کام صرف قوانین بنانا ہو۔ کمیٹی بطور ایک کمیشن واضح قوانین کے کام کرے اور جب اس ملک کے قوانین پر نظر ثانی کر کے ایک سلسلہ مجموعہ اٹھانایا جائے تب کمیشن مذکور دو انا اس غرض سے قائم رکھی جائے کہ اس کام کی نگرانی کیا کرے اور اسکو تنزل سے بچائے اور سب ضرورت

اصطلاحات عمل میں لاتی رہے۔ کوئی شخص یہ نہ چاہیگا کہ خود اس کمیٹی کو قوتین بنانے کا اختیار دیا جائے بلکہ وہ صرف اپنی عقل سے اُنکو مرتب کرے اور پارلیمنٹ اُنکو اپنی مرضی کے موافق بنائے۔ کوئی مسودہ قانون قوت قانونی نہ حاصل کرے تاوقتیکہ پارلیمنٹ اُسکو خاص طور سے نہ منظور کرے اور پارلیمنٹ کے ہر ایک ممبر کو صرف کسی بل کے نام منظور کرنے ہی کا اختیار نہ حاصل رہے بلکہ دوبارہ غور یا اصلاح کی غرض سے اُسکو کمیشن مذکور پاس واپس بھیجنے کا بھی اختیار حاصل رہے۔ ہر ایک ممبر کو یہ بھی اختیار رہے کہ کسی مضمون کو کمیشن موصوف پاس بھیج کر جسے ہدایت کرے کہ اس مضمون پر قانون بناؤ۔ جو قانون قوم کو بنوانا منظور ہو کمیشن کو اُسکے بنانے سے انکار کرنے کا اختیار نہ دیا جائے اور جو ہدایات یا اتفاق رائے ہر وہ ممبر کے واسطے تیار کرنے کسی مسودہ قانون کے جس سے کوئی خاص مقصد نکالنا منظور ہو صادر ممبروں اُنکی تعمیل کمیشنوں کو واجب ہوگی ورنہ اُنکو اپنے عہدہ سے استعفا دینا پڑیگا۔ لیکن جب کوئی قانون ایک دفعہ بنا لیا جائے تو پارلیمنٹ کو سبب ترمیم و تبدل کرنے کا اختیار نہ ہو بلکہ صرف اُسکو منظور یا منظور کرنے کا اختیار ہو یا اگر اُس قانون کے صرف ایک جز کو پارلیمنٹ منظور کرے تو وہ دوبارہ غور کرنے کے لیے کمیشن پاس واپس بھیجا جائے کمیشنوں کو مکملہ مقرر کرین گرا کمیشن خاص مثلاً پانچ برس تک اپنے عہدہ پر رہیں الا اُس صورت میں کہ پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤسوں کی طرف سے ایک ایڈریس کمیشنوں کی بدچلنی کی شکایت میں یا اس شکایت میں کہ اُنھوں نے یہ تعمیل احکام پارلیمنٹ کسی قانون کا مسودہ تیار کرنے سے انکار کیا ہے پیش کیا جائے۔ پانچ برس گزرنے پر کوئی ممبر کمیشن



اپنے عہدہ پر نہ باقی رہے الا یہ کہ وہ دوبارہ مقرر کیا جائے اس میں یہ مصلحت ہے کہ جو ممبران کمیشن اپنے کار منصبی کے قابل نہیں پائے جائیں وہ نکل جائیں اور ان کے بدلے نئے نئے نوجوان ممبران میں شامل کیے جائیں۔

اسی کے مانند ایک ایک انتظام کی ضرورت اگلے زمانہ میں شہر اٹھنے کی سلطنت جمہوری میں بھی معلوم ہوئی تھی ورنہ کمال عروج کے زمانہ میں ایک عوام کی کمیٹی ہر ایک متعلقہ حکمت عملی کی نسبت قوانین پاس کر سکتی تھی مگر ان قوانین کو بنانا یا انہیں تغیر و تبدل کرنا ایک اور کمیٹی سے متعلق تھا جس میں چھوٹے ہی ممبر تھے اور ہر سال نئے ممبران کے لیے منتخب ہوتے تھے اور اس کمیٹی کا کام یہ بھی تھا کہ کل قوانین پر نظر ثانی کر کے ان کو باہم موافق کر دیتی تھی۔ انگلستان کی حکومت میں کوئی ایسا انتظام جاری کرنا جو صورت اور معنی دونوں کے لحاظ سے نیا ہو بہت دشوار ہے البتہ اس میں چند ان مضائقہ نہیں ہے کہ نئے نئے مقاصد اس تدبیر سے حاصل کیے جائیں کہ موجودہ طریقے اور دستورات ان مقاصد کے موافق کر لیے جائیں۔ میرے نزدیک ایسی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے اصلاح عظیم ہو س آف لارڈس کے ذریعہ سے ہمارے ملک کی آئین سیاست میں ہو جائے۔ اگر ایک کمیشن قوانین کے مسودے بنانے کے لیے مقرر کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی کیونکہ خیرات خانہ کی کمیٹی اور اسی قسم کی کمیٹیاں آخر چھوڑ ہی ہیں۔ اور جو کام اس کمیشن کے سپرد ہوگا اگر اس کی عظمت اور بزرگی کے لحاظ سے یہ قاعدہ مقرر کر دیا جائے کہ جو شخص کمیشن واضع قوانین کا ممبر مقرر کیا جائے اس کو چاہیے کہ اپنے حیات تک امیر ذوالنہاد ہو اور

پارلیمنٹ کی شکایتی ایڈریس کی وجہ سے وہ اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا گیا ہو تو غالب ہے کہ جیسا بقضی عقل سلیم اور بقضی تہذیب امر اسے موروثی ذوالخطاب کے جڑ و نسل مقامات کا فیصلہ ہوس آف لارڈز کے ممبران قانونی سے متعلق کر دیا گیا ہے اُسی طرح وضع قوانین کا کام بھی انھیں مقننین کے سپرد کیا جائے جنکا پیشہ قانون سازی ہے۔ البتہ وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں جنہیں مصالح اور اغراض سلطنت شامل ہوں۔ اور جن قوانین کی ابتدا ہوس آف لارڈز سے ہو انکے مسودے بھی پیشہ ور مقننین تیار کریں اور گورنمنٹ یعنی وزیر اعلیٰ اپنے سب قوانین کے مسودے انھیں سے بنوایا کریں اور ہوس آف کانس کے ممبران کو بھی آسانی اسی میں ہوگی اور انکے قوانین باآسانی ددزون ہوسون سے پاس ہو جائیں گے اگر وہ قانون کے مسودہ کو ہوس میں براہ رست پیش نہ کریں بلکہ اسکو پیش کرنے کی اجازت طلب کر کے کمیشن واضع قوانین کے سپرد اسکو کرادیں کیونکہ جب کوئی ممبر قانون کا ایسا مسودہ بنانے کے قابل اپنے تئیں سمجھے جو پاس ہونے کے لائق ہو تو اسوقت ہوس کو اختیار ہے کہ اُس مسودہ کو تمامہ پاس اور کسی خاص تجویز کو کمیشن واضع قوانین کے پاس غور کرنے کے لیے بھیج دے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسے ہر ایک مسودہ کو ہوس کمیشن موصون کے پاس بھیج دیا گیا تو اسی نظر سے ہی کہ اُس مسودہ میں ایسے مضامین ہوں جو کمیشن کے لیے مفید ہوں اور جب کوئی مسودہ قانون کشن ردن کے پاس سے ہوس میں آچکا ہو اور ہوس کا کوئی ممبر کوئی ترمیم یا اعتراض پیش کرے گا تو اُسکو بھی ہوس کمیشن

ملاحظہ کے لیے بھیج دیا گیا۔ اور یہ دستور کہ کل مہوس کی کمیٹی بلوں میں تغیر و تبدل کیا کرتی ہے خود بخود ترک ہو جائیگا اسکو باقاعدہ طور سے موقوف نہ کرنا پڑیگا مگر یہ حق چھوڑ نہ دیا جائیگا بلکہ جس طرح پادشاہ کی نامنظوری کا حق اور وہ یہ نہ دینے کا حق اور مثل اسکے اور قدیم حربے محاربہ سیاست کے بیکار پڑے ہوئے ہیں جنکو نہ کوئی استعمال میں لانا چاہتا ہے نہ اپنے سے جدا کرنا چاہتا ہے باین خیال کہ مبادا کوئی ایسا کٹھن وقت آپڑے کہ ان حربوں کی ضرورت ہو اسی طرح سے قوانین کے مسودہ میں تغیر و تبدل کرنے کا حق بھی مغل پڑا رہیگا ایسے انتظام سے جیسا بیان کیا گیا وضع قوانین وضع الشی فی محلہ کے کلیہ میں آجائیکا یعنی یہ کام وہ لوگ کریں گے جو اس میں سلیقہ اور شعور رکھتے ہیں اور جنہوں نے اسکو خاص طور سے سیکھا ہے اور بہین تجربہ حاصل کیا ہے اور ساتھی اسکے سب سے بڑی آزادی قوم کی یہ ہے کہ انھیں قوانین کی تابع رہے جنکو اسکے منتخب کردہ وکلہ یا قائم مقاموں نے منظور کر لیا ہے یہ آزادی بھی بعینہ باقی رہیگی بلکہ اور زیادہ بیش بہا اور مفید ہو جائیگی کیونکہ وہ عیوب جو جاہلانہ اور عامیانہ قوانین کے پر ایہ میں اس آزادی میں موجود ہیں اور جنکا اہتصال ممکن ہے بالرفع ہو جائیگے

الغرض وکلہ قوم کی کمیٹی کا کام حکومت کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کا کام کا  
 دادہ ہی نہیں نہیں ہے بلکہ اسکا کام حکومت کی نگرانی کرنا اور اس میں نصرت کرنا ہے  
 اور اپنے فعال کو منتشر کرنا اور جب کوئی شخص اپنے اعتراض کرے یا اسکو مشکوک سمجھے تو  
 انکے وجوہ و دلائل مفصل بیان کرنا۔ اور اگر وہ افعال لائق زجر و توبیخ ثابت ہوں  
 تو زجر و توبیخ کرنا۔ اور اگر وہ لوگ جسے گورنمنٹ مرکب ہے یعنی وزیر اپنی امانتیں

خیانت کر بن یا اپنے فرائض منصبی کو ایسے طریقہ سے انجام دین جو قوم کی اسے  
 اردین کے خلاف ہو تو انکو معزول کر دینا اور انکی جگہ پر اور وزرا کو صریحاً پھینا مقرر  
 کرنا یہ سب کام وکلاء قوم کی کمیٹی کے ہیں۔ اتنا اختیار اور اتنی ضمانت قوم کی آزادی کے  
 لیے کیا کم ہے۔ علاوہ اسکے پارلیمنٹ ایک اور منصب بھی رکھتی ہے جو اس سے کم  
 نہیں ہے یعنی وہ قوم کی شکایتوں کی ظاہر کرنے والی کمیٹی ہے اور قوم کی رایوں کو  
 شائع کرنے والی کانگرس بھی ہے اور وہ اکھاڑہ جیسے عین صرف قوم کی عام رائے  
 ہی نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد کی رائے اور حتی الامکان قوم کے ہر نامی آدمی کی رائے  
 روز روشن میں اگر مبارک جلی اور زور آزمائی کرتی ہے۔ اور ہر فرد قوم کو یقین  
 ہو سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ممبر تو پارلیمنٹ میں ایسا ہے جو میرے خیالات کو  
 میری ہی طرح بلکہ مجھے بہتر بیان کر سکتا ہے اور صرف میرے دوستوں اور  
 طرفداروں ہی سے نہیں بلکہ میرے دشمنوں کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ مخالفانہ  
 بحث اُسپر کھلے اور جن لوگوں کی رائے نامعلوم ہوتی ہے انکو یقینان ہوتا ہے  
 کہ خبر ہماری رائے سن تو لی گئی اور اگر منسوخ ہوئی تو زبردستی نہیں بلکہ ان  
 دلائل سے منسوخ ہوئی جو ہمارے دلائل سے بہتر تھیں اور جبکہ قوم کے قائم مقاموں  
 فریق کثیر نے عمدہ سمجھکر قبول کر لیا تھا۔ اور ہر ایک فریق یا ہر ایک رائے جو ملک میں ہے  
 انہی قوت کو جمع کر سکتی ہے اور اپنے شرکار اور طرفداروں کی تعداد یا قوت کے  
 باب میں جو خیال خام اُسکو ہے وہ دفع ہو سکتا ہے۔ اور وہ رائے جو قوم میں غالب ہے  
 اپنا غلبہ ظاہر کر دیتی ہے اور اپنے مؤیدوں کی فوج کو نمٹ یعنی وزرا کے  
 مقابل میں صف آرا کر سکتی ہے اور صرف اتنا ہی جبروت دیکھ کر وزیر اعلیٰ

دب جاتے ہیں بغیر اسکے کہ وہ قوت معرض فعل میں لائی جائے۔ اور برابری  
 خوب یقین کر سکتے ہیں کہ کس فوق کی رائے اور قوت ترقی پر ہے اور کس کی رائے  
 اور قوت تنزل پر ہے۔ اور جو انتظامات قرار دیتے ہیں موجودہ ضرورتوں کا  
 لحاظ کر کے اور زمانہ کارنگ اور شیب و فراز دیکھ کر قرار دیتے ہیں۔ دکھاؤ کہ  
 کمیٹیوں کو اکثر لوگ یہ طعنہ دیا کرتے ہیں کہ سو ایک ایک بک زق زق کے انہیں اور کیا  
 ہوتا ہے۔ یہ طعنہ زنی محض بیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ دکھائے قوم کی کمیٹی اس کے  
 بہتر اور مفید ترکیب اختیار کر سکتی ہے کہ اپنے معاملات سلطنت کی گفتگو کرتی ہے  
 اور اس گفتگو کا ہر فقرہ یا تو کسی بڑے گروہ کی رائے کا مظہر ہوتا ہے یا کسی ایسے  
 شخص احد کی رائے کا مظہر ہوتا ہے جس پر وہ گروہ اعتماد کلی رکھتا ہے۔ ایسا مقام  
 جہاں ملک کی ہر ایک غرض اور ہر ایک رائے کو نمٹنے کے روبرو اور سب  
 اغراض اور رایوں کے مقابلہ میں بڑے جوش و خروش سے ظاہر ہو سکتی ہے  
 اور جہاں سب لوگ اس کے سننے پر مجبور ہو سکتے ہیں اور یا تو اس کو قبول  
 کر لینا پڑتا ہے یا اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ صاف صاف بیان کرنی پڑتی ہے  
 ایسے مقام سے اگر اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تو بھی فی نفسہ یہ ایک نہایت اہم و عظیم دارالسیاست  
 اور آزاد سلطنت کے فوائد عظیمہ میں سے ہے۔ اگر اس ایک بک زق زق کے  
 پارلیمنٹ کی کارروائی میں کچھ حرج نہ واقع ہوتا تو لوگ یہ طعنہ بھی نہ دیتے کہ پارلیمنٹ  
 صرف ایک بک کمیٹی ہے کاش ایسی کمیٹیاں یہ امر جانتیں اور اس کو قبول کر لیتیں کہ ہمارا  
 خاص کام گفتگو اور بحث کرنا ہے اور اس بحث سے جو نتیجہ نکلے اسکے موافق عمل کرنا  
 ایسی کمیٹی کا کام نہیں ہے جس میں صد ہا آدمی قسم قسم اور طرح طرح کے شرکیہ ہوں بلکہ اُن

اشخاص کا کام ہے جنھوں نے اسکو خاص طور سے سیکھا ہے اور ایسی کمیٹی کا منصب اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ یہ اشخاص ایمانداری اور سلیقہ سے منتخب کیے جاتے ہیں اور اس سے زیادہ دست اندازی کرنا اسکو مناسبین ہے بجز اسکے کہ بے ہتھ مصلحت و مشورہ دے سکتی ہے اور بے حد کٹہہ چینی کر سکتی ہے اور آخری درجہ میں قومی منظوری کی مہر کرنا نہ کرنا بھی اُسی کا کام ہے۔ اس عاقلانہ قید کے نہونے کی وجہ سے عوام کی کمیٹیاں وہ کام کرنے کی کوشش کرتی ہیں جو انھیں اچھی طرح نہیں ہو سکتا یعنی حکومت کرنے اور قانون بنانے کی کوشش کرتی ہیں اور سوائے اپنے نفس کے اور کوئی ذریعہ اس کام کا نہیں مہیا کرتیں حالانکہ جتنا وقت گفتگو میں صرف ہوتا ہے اتنا ہی واقعی کاروبار میں حرج ہوتا ہے۔ مگر جس وجہ سے ایسی کمیٹیاں قانون بنانے کے قابل نہیں ہیں بعینہ اُسی وجہ سے یہ ایک اور کام کے لائق ہیں۔ اس احوال کی تفصیل یہ ہے کہ ایسی کمیٹیوں میں وہ جدیدہ اور برگزیدہ ارباب سیاست نہیں ہوتے جہاں عدیل نظیر سائے ملک میں نہیں ہے اور جبکی رايون سے قوم کی رايون کی کیفیت بہت ہی کم معلوم ہو سکتی ہے بلکہ ایسی کمیٹیوں میں صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر درجہ کی لیاقت علمی کا جو قوم میں موجود ہے اور جو امورشطنت میں لانے کی مستحق ہے ایک معقول نمونہ تصور ہو سکتی ہیں انکا یہ کام ہے کہ قوم کی حاجتوں کو ظاہر کریں اور قوم کی خواہشوں کے اظہار کا ذریعہ بنیں اور چھوٹی یا بڑی جیسی امورشطنت پر راین پیش ہوں انپر مخالفانہ بحث کریں اور ساتھی اسکے جو حکام اعلیٰ کاروبار حکومت، کو فی الحقیقت خود انجام دیتے ہیں یا ان حکام کو مقرر کرتے ہیں جو امورشطنت، کا انتظام کرتے ہیں انکی کارروائیوں کو اس طرح مفید رکھیں کہ انپر کٹہہ چینی کیا کریں اور آخر الامر

انکی تائید کرنا موقوف کرین۔ جب کلا رقوم کی کمیٹیوں کا کام ان مقبول حدود کے اندر محدود رکھا جائیگا تب ہی انکی نگرانی اور تصرف سے فوائد حاصل ہونگے اور سامتی اسکے وضع قوانین اور انتظام امور سلطنت یہ دونوں کام جو بخلہ اہم لوازم حکومت ہیں اور جو ان انسان کے معاملات وسیع اور پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں یہ دونوں کام زیادہ مشکل ہوتے جاتے ہیں سلیقہ اور شعور سے انجام پانگے ان فوائد کو معاً حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے بجز اسکے کہ نگرانی اور نکتہ چینی کرنے کا عمدہ واقعی انتظام امور سلطنت کے منصب سے علیحدہ کر لیا جائے اور نگرانی و نکتہ چینی کا منصب قوم کے دکلا اور قائم مقاموں کو دیا جائے اور انتظامی امور چند مشاق اور تجربہ کار آدمیوں کے سپرد کیے جائیں جنھوں نے ایسے امور کو خاص طور سے سیکھا ہوا اور انھیں تجربہ حاصل کیا ہو اور جو سخت ذمہ دار اور جواب دہ قوم کے ہوں۔

سابقہ بحث اُن کاموں پر کی گئی جو قوم کے قائم مقاموں کی کمیٹی سے بابت جنسیت کہ وہ اختیارات شاہی رکھتی ہے متعلق ہونی چاہئیں اسکے بعد تحقیق کرنا ضرور ہے کہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی کمیٹیوں سے جو صرف خاص خاص مقامات کے انتظام کے لیے مقرر ہونی چاہئیں کیا کیا خاص کام متعلق کیے جائیں۔ اگرچہ تحقیق اس رسالہ کا بڑا غلط ہے لیکن اکثر وجوہ سے اسکو اسوقت تک ملتوی رکھنا چاہیے جب تک کہ وکلاء قوم کے اس عظیم الشان کمیٹی کی ترکیب خاص کی تحقیق کی جائے جبکہ یہ کام یہ کہ جنسیت اپنے منصب شاہی کے وضع قوانین اور قوم کے عام معاملات کے انتظام کی نگرانی کیا کرے فقط

## چھٹا باب

اس بیان میں کہ پنجابی گورنمنٹ میں کن عیوب و خطروں کا خیال ہے ہر قسم کی سلطنت میں دو قسم کے عیوب ہوتے ہیں عیوب شہدۃ اور عیوب منصفیہ۔ منجملہ اسکے عیوب منصفیہ کے ایک عیب یہ ہے کہ اسنے حکام کو اتنا اختیار نہ دیا ہو جو سلطنت کے کاربائے ضروری کو انجام دینے کے لیے کافی ہو یا افراد قوم کی عملی لیاقتوں اور تمدنی خیالات کی توسیع و تکمیل بذریعہ عمل کے کافی طور سے نہ کی ہو۔ اس مقام پر ان دونوں باتوں کی توضیح و تشریح کرتا کچھ ضرور نہیں ہے۔

جب گورنمنٹ اتنی قوت نہ رکھتی ہو جو قوم محکوم میں امن و عافیت قائم رکھنے کے لیے ضرور ہے تو اسکا باعث یہ ہے کہ قوم محکوم کی تمدنی حالت عمل کو جلا نہ اور وحشیانہ ہے نہ یہ کہ کسی قسم خاص کے پولیٹیکل اتفاق کا یہ تصور ہو جو قوم وحشیانہ خود سری کی بقدر عادی ہو کہ جس مقدار حکومت کا محکوم ہونا خود اسکے حق میں بہتر ہے اسکی عقل نہو سکے اس قوم کی تمدنی حالت پنجابی گورنمنٹ کی مقتضی نہیں ہے اور جب اس قسم کی گورنمنٹ کا وقت آجائے گا تو ایسی قوت یا اختیار جو تمام مقاصد ضروری کے لیے کافی ہو یقیناً و کلاے قوم کی اس کمیٹی کو حاصل رہے گا جو بادشاہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر وزیر اکو یہ اختیار بقدر کافی نہیں حاصل ہوگا تو اسکا سبب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وکلاے قوم کی کمیٹی وزراء اسے رشک و حسد کھتی ہے اور یہ رشک و حسد ممکن نہیں ہے الا اسوقت جبکہ کمیٹی موصوف کو جو اختیار وزیر اکو کال نیے کا از مے قانون سلطنت حاصل ہے وہ تہاں مضبوط اور محکم نہیں ہوا ہے۔



جہاں کمین وزرا کو مغرول کر دینے کا وہ قانونی حق جو دکھلا، قوم کی کمیٹی کو حاصل ہے اصولاً تسلیم کر لیا گیا ہے اور عملاً پورے طور سے برتا جاتا ہے و یا ان اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ کمیٹی موصوف وزرا کو اختیارات مناسب عطا کرے بلکہ اس امر کا خوف ہے کہ انکو بے تحاشا اور نامحدود اختیارات دے دیگی کیونکہ وزراء کا اختیار یعنی اُس کمیٹی کا اختیار ہے جسے انکو وزیر بنایا اور باقی رکھا ہے لیکن نگرانی کنندہ کمیٹی سے بڑا اندیشہ اس بات کا ہے کہ پہلے تو وزراء کو بہت سے اختیارات دے دے مگر بعد اُسکے انکی علحدہ آمدین دست اندازی کرے اور اختیارات کمشت کیلئے ایک ایک کسے انکو واپس کھلے اور وزراء اسے انتظامی کاموں میں متواتر دست اندازی کرے۔

سابق میں منصل بیان کیا گیا کہ جب دکھلاے قوم کی کمیٹی کا حکومت خود اختیار کر لیتی ہے بعض اسکے کہ جو لوگ فی الحقیقت حکمرانی کرتے ہیں (یعنی وزراء) اُنپر جرح و قدح اور نگرانی کرے تو اس سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا مناسب دست اندازی کے اسناد کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ہے بجز اسکے کہ سب کو عموماً اسکے مضرب ہونے کا یقین ملی ہو جائے۔

ایک اور عیب منفی گورنمنٹ میں یہ ہو سکتا ہے کہ قوم محکوم کے اخلاقی اور عقلی اور عملی قوتوں سے کافی مشق نہ کرائی۔ اس مطلب کی توضیح اُس مقام پر ہو چکی ہے جہاں مطلق العنان سلطنت کے اضرار اور نقصانات بیان کیے گئے ہیں سلطنت جمہوری کی جو دو تین فرض کیجائیں انہیں سے ترجیح اُس قسم کی سلطنت کو ہے جو حکومت کے کاموں میں بہت سے لوگوں کو شراک کر لیتی ہے اور ایک طرف تو امور ملک پر راء زنی کے حق سے بہت ہی کم لوگوں کو محروم

رکھتی ہے اور دوسری طرف قوم محکوم کے سب فرقوں کو دہانک جلتانک اور اہم مقاصد کی منافی نہ ہو عدالتانہ اور انتظامی کام میں نہایت کثرت کے ساتھ شریک کرتی ہے یعنی مثلاً انکو تجوری میں اور میونسپل کام میں شامل کرتی ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ جس قدر اعلان اور اشاعت اور آزادی سے مباشرت ہونا ممکن ہے انکو جائز رکھتی ہے جس سے نہ صرف چند اشخاص بلکہ سب خاص و عام ایک حد تک حکومت میں شریک و ذخیل ہوتے ہیں اور جو زمین دماغی منت کرنی پڑتی ہے اور نصیحت حاصل ہوتی ہے اُس سے مستفید ہوتے ہیں ان فوائد کی زیادہ تر توضیح کرنا اور جن قیود کے ساتھ وہ حاصل ہو سکتے ہیں انکو بیان کرنا بہتر ہے کہ اس وقت تک ملتوی رکھا جائے جب تک کہ انتظام کے جزئیات کا ذکر کیا جائے۔

**پنچایتی گورنمنٹ** بلکہ ہر قسم کی سلطنت کے عیوب شبہ و قسم کے ہو سکتے ہیں اور ان نگرانی کنندہ گروہ یا کمیٹی کا عموماً جاہل اور نالائق ہونا یا اگر یہی مضمون زیادہ اعتدال کے ساتھ بیان کیا جائے تو یہ کہا جائے کہ اُس کمیٹی کی عقلی لیاقتوں کا غیر کافی ہونا۔ دوئم یہ خوف کہ کمیٹی موصوف ان اغراض کی مانع ہو جو قوم کے عام رفاه و بہبود سے متحد نہ ہوں۔

پہلا عیب یعنی اعلیٰ درجہ کی عقلی لیاقتوں کی کمی اسکی نسبت عموماً یہ نگران کیا گیا ہے کہ اور قسم کی سلطنت کی نسبت سلطنت جمہوری میں عیب زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ سلطنت شخصی میں بادشاہ کی جودت اور سلطنت امرامین امراء کے استقلال اور دلائل و دلائل کا مقابلہ اگر محدود سلطنت جمہوری کی تلون اچھی اور ناقصت اندیشی سے کیا جائے تو اول کو ثانی پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ قول

جیسے بادشاہی النظر میں معلوم ہوتے ہیں ویسے نفس الامری میں صحیح نہیں ہیں۔

سلطنت شخصی محض کے مقابل میں اس اعتبار سے بھی پنجابی گورنمنٹ یا سلطنت نوعی مرجح نہیں ہے۔ موروثی سلطنت شخصی جب حقیقت میں شخصی ہو اور سلطنت امرائے پیرایہ میں نہ تو جتنی قسم کی نالائقی سلطنت جمہوری کی طرف منسوب کی گئی ہے اُس سے بہر ارب زیادہ ایسی سلطنت شخصی میں پائی گئی ہے۔ البتہ مائلیت اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔ زمانہ جاہلیت اسوجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ جس قوم کی تمدنی حالت بالکل جاہلانہ اور وحشیانہ ہو اس میں بادشاہ کی عقلی اور عملی دیاستوں کا بہت بڑا ضامن موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ انکی مرضی میں اور اسکی رعایا کی مرضی میں یا ان لوگوں کی مرضی میں جو بظلمہ رعایا کے ذی اقتدار ہیں ہمیشہ مقابلہ اور مجاہدہ ہوا کرتا ہے اور سوسائٹی کے حالات اسکے مقتضے نہیں ہوتے کہ بادشاہ ہمیشہ عیاشی اور ادباشی میں مصروف رہے۔ پس وہ اکثر دماغی اور ذہنی مشقت میں مصروف رہتا ہے علی الخصوص امور سیاست اور فوجی امور پر متوجہ رہتا ہے اور سرکش سرداروں اور بد معاشوں پر اسکا کچھ قابو نہیں چلتا بلکہ انکی سلطنت ہمیشہ عرض خوف میں رہتی ہے الا اسوقت کہ اس میں فطری جرأت اور جودت اور ہستی و چالاکی بہت زیادہ ہو مثلاً بادشاہان انگلستان میں سے جن بادشاہوں کا نام ہنری اور ایڈورڈ ہے ان میں باقت بہت زیادہ تھی اور انکی وجہ شاہیڈ وروڈ دوم اور شاہ رچرڈ دوم کے حال عبرت مال کو دیکھ کر اور شاہ جان اور اسکے نالائقی جانشین کے عہد میں جو اندرونی لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے انکو ملاحظہ کرنے سے معلوم ہو جائیگی۔ جس زمانہ میں دین مہذب یعنی مہذب پریسٹنٹ پیدا ہوا اس شور و شغب

زمانہ میں بھی چند نامی و گرامی موروثی بادشاہ ہوئے جیسے ملکہ انصاریات  
 انگلستان میں اور مہرری کو اٹری اور سیوس اور لفس د گیمالک ریپین  
 گران بادشاہوں نے عالم ادیار میں تربیت پائی تھی اور بقول شخصے کہ کچھ کھوکے  
 سیکھا تھا اور چونکہ انہیں قریب ترکوئی وارث بادشاہ متوفی کا نہ تھا لہذا انکو بادشاہت  
 مل گئی تھی اور اپنے عہد کی ابتدا میں انکو بڑی بری محنتیں چھلنی پڑیں۔ مگر جب یہ یورپ  
 لڑائی جھگڑے موقوف ہو گئے ہیں ایسا موروثی بادشاہ جو اوسط درجہ کے  
 زیادہ لیاقت رکھتا ہو عطا ہو گیا ہے بلکہ ایسے بادشاہ عموماً اوسط درجہ سے  
 بھی کم لیاقت اور ہمت رکھتے ہیں فی زمانہ اگر مطلق العنان سلطنت شخصی باقی  
 رہی ہے تو صرف ارکان دولت اور نظام ملک کی عقلی لیاقتوں کی بدولت  
 قائم رہی ہے۔ مثلاً آسٹریا اور روس بلکہ فرانس کی سلطنتیں بھی  
 اپنی معمولی حالت کے لحاظ سے کار پر دازان سلطنت کی لیاقت کی بدولت قائم ہیں  
 اور سلطنت کا انفراسٹرکچر جو ہوتا ہے وہ صرف اتنا کرتا ہے کہ بڑے بڑے  
 عہدہ داروں کو منتخب کر لیتا ہے۔ اس سے میری یہ مراد ہے کہ عموماً انتظام  
 امور سلطنت انہیں کی رائے سے ہوتا ہے اور خاص خاص باتوں میں تو انکو  
 بیشک بادشاہ کی مرضی کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔

جو سلطنتیں تواریخ میں ایسے یادگار ہیں کہ انہیں امور مملکت کا انتظام ہمیشہ  
 لیاقت اور جدوت کے ساتھ ہوا ہے وہ عموماً امرا کی سلطنتیں ہیں۔ لیکن ایسی  
 سلطنتوں میں ہمیشہ کارپردازوں کی حکومت رہی ہے۔ اور جن کمیٹیوں سے حکمرانی تعلق رہی  
 انکی خیانت کی کیفیت ہے کہ انکا ہر ایک معزز ممبر سلطنت کے کام کو اپنے پیشہ کا کام

بنا سکتا ہے بلکہ فی الحقیقت انکو اپنے پیشہ ہی کا کام بنالیتا ہے۔ صرف رومۃ الکبریٰ  
 یعنی روم قدیم اور وینس کی سلطنتیں ایسے امرا کی سلطنتیں تھیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ  
 کی حکمرانی کی باتیں ظاہر کیں اور جو بیشتر تاجپوشی سے معین اور مستقل قواعد حکمرانی  
 عمل کرتی رہیں۔ لیکن اگرچہ وینس میں امراء کا فرقہ کثیر تھا تاہم واقعی انتظام  
 امور سلطنت ایک نہایت گروہ فلیل سے قطعاً متعلق کر دیا گیا تھا جنکی عمریں  
 معاملات سلطنت پر غور و خوض کرنے اور انکا انتظام کرنے میں بسر ہو گئی تھیں۔  
 روم قدیم کی سلطنت میں اس قسم کی آزاد سلطنت امرا کی کیفیت پائی جاتی تھی  
 جیسی ہمارے ملک (انگلستان) کی سلطنت ہے۔ لیکن جو کچھ فی الحقیقت حکمرانی  
 و فرمانروائی کرتی تھی اور جسکا نام سینیٹ تھا اس میں عموماً وہی اشخاص  
 ہوتے تھے جنہوں نے حکومت کے کاموں کو انجام دیا تھا اور جو عمدہ ہائے حلیہ  
 فائز ہو چکے تھے یا فائز ہونے کی امید رکھتے تھے اور جنکو یہ خوف رہتا تھا  
 کہ اگر ہم نالائقی یا ناکام ثابت ہونگے تو بہت شدید مواخذہ میں مبتلا ہو جائیں گے  
 جبکہ ایک مرتبہ سینیٹ کے ممبر ہو جاتے تھے تو انکی عمر میں انتظام اور سلطنت کی  
 نذر ہو جاتی تھیں اور انکو اطالیہ سے باہر قدم نکالنے کی اجازت  
 نہ تھی الا یہ کہ کسی اہم کار سلطنت کے اور انکے اختیارات اور فہم داران  
 آخر عمر تک بدستور باقی رہتی تھیں الا اس صورت میں کہ بد اعمالی  
 یا بد چینی کی علت میں محاسبہ انکو سینیٹ سے نکال دیتے تھے۔ پس ایسی  
 سلطنت امرا میں جسکی یہ ترکیب واقع ہوئی تھی بخدا ارکان دولت اور اعیان  
 مملکت کے ہر شخص اپنے ذاتی عزت و وقار کو اس سلطنت کی عظمت و شوکت سے جکاؤ نہ نظم تھا۔

اور اُس کا ردوائی پر جو بطور مشیر اور صلاح کار سلطنت وہ کر سکتا تھا بالکل موقوف سمجھتا تھا لیکن سلطنت کی عظمت و وقار اور چیز تھی اور رعایا کی سرسبزی اور خوشحالی سلطنت کی بیرونی کامیابی اور عظمت سے تعلق تام رکھتی تھی لہذا خاصۃً اسی مقصد کے حصول کی غرض سے وٹیس کی سلطنت امرانے وہ علاقہ اور جامع و مانع نگہ رکھی اختیار کی اور وہ اعلیٰ یاقین حکمرانی کی ظاہر کین جی وجہ سے وہ اُس تعریف کے مستحق ہوئے جو تو اس پر منحسین لکھی ہے۔

پس تقریر مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ پنجابی گورنمنٹ کے سوا جس قسم کی سلطنت میں دعام اس بات سے کہ وہ سلطنت شخصی تھی یا سلطنت امر اعلیٰ درجہ کا پونیکل یعنی ملکی ہنر اور لیاقت ظاہر ہوئی ہے وہ فی الحقیقت نظام و اعمال کی حکومت ہے جس میں حکمرانی اور فرمانروائی اُن گورنروں سے متعلق رہی ہے جنہوں نے کار حکومت بطور ریٹہ کے سیکھا ہے اور پروکر لیسپی یعنی حکومت نظام و اعمال کے ہی معنی اور یہی حقیقت ہے۔ اب رہا یہ امر کہ آیا حکومت کا کام نظام و اعمال اس سبب سے کرنے میں کہ یہی کام اُنکو سکھا یا گیا ہے یا یہ کام اُنکو اس غرض سے سکھایا جاتا ہے کہ یہی کام اُنکو کرنا پڑ گیا ان دونوں باتوں میں اکثر اعتبارات سے بڑا فرق ہے لیکن حکومت کی اصل حقیقت کے لحاظ سے ان میں کچھ بھی فرق نہیں ہے مگر بظان اسکے جیسی سلطنت امر کسی زمانہ میں انگلستان میں تھی کہ جو فرقہ صاحب حکومت تھا اُسکی حکومت کا مبداء اور ماخذ اُسکی خاندانی عزت تھی یہ باعث نہ تھا کہ اُس نے خاص طور سے حکومت کا کام سیکھا تھا اسی کام میں ہمیشہ مصروف رہتا تھا (اور اسی وجہ سے وہ فرقہ خود حکومت نہ کرتا تھا بلکہ چند اعلیٰ درجہ کے ذی فہم

اور تجربہ کار آدمیوں کی کمیٹی انکی طرف سے نیا بھ حکمرانی کرتی تھی، ایسی سلطنت امرا کمالات عقلی کے اعتبار سے سلطنت جمہوری سے اشنیہ ہے یعنی یہ کمالات بدرجہہ اُس سے اُس مدت قلیل میں ظاہر ہوتے ہیں جس میں کسی شخص کو اعلیٰ منصب کی عیم النفع لیاقتوں اور اعزاز خاندانی کی وجہ سے غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔

یونان قدیم کی سلطنت جمہوری میں تھمسا کلس اور پرکلس اور مالک متفقہ امریکان و اشنگٹن اور جفرسن اسی قسم کے ستنے لوگوں میں سے تھے جیسے انگلستان کی نوعی سلطنت، امرایں چیم اور پیل تھے اور فرانس کی شخصی سلطنت امرایں سی اور کالٹ اُن سے بھی اولیٰ و فضل تھے۔ فی زمانہ یورپ کی امرایں سلطنتوں میں اولوالعزم وزیر بھی ایسی شاہزادوں اور دکھائی دیتا ہے جیسا اولوالعزم بادشاہ عفا ہے۔

پس گورنمنٹ کے اوصاف عقلی کے اعتبار سے سلطنت جمہوری کا مقابلہ حکومت نظام و جمال سے کرنا چاہیے اور سوا اسکے سب اقسام حکومت کو فرو گذاشت کرنا چاہیے۔ اور اس بحث میں یہ قبول کر لینا واجب ہے کہ حکومت نظام و جمال بعض اعتبارات ضروری سے سلطنت جمہوری سے بہتر ہے کیونکہ سابق الذکر حکومت میں تجربہ اور آزمودہ و خمدہ کلیات جمع رہتے ہیں اور جو لوگ حقیقہ نظام ہو سلطنت کرتے ہیں انکو مناسب قسم کا علم حاصل سکھایا جاتا ہے۔ مگر اس قسم کی حکومت افراد قوم کی جودت کو اسی قدر مفید نہیں ہے حکومت نظام و جمال جس مرض میں مبتلا رہتی ہے اور جو اسکی طاقت کا باعث ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لیکر کی فیر بنی رہتی ہے یعنی اُسکے قواعد تغیر پذیر نہیں ہوتے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کثرت و وقوع یا کثرت استعمال سے ہر چیز کی قوت اصل زائل ہو جاتی ہے اور جب اسکی قوت اصل زائل ہوگی تو حکام لینا

اُس سے مطلوب ہے وہ ناتمام رہ جاتا ہے حکومت نظام و عمل میں فضول الضع  
 اور نائنس بیجا کی استعداد ہمیشہ رہتی ہے۔ اور جب اس قسم کی حکومت فی الحقیقت قائم اور جاری  
 ہو جاتی ہے تو اُس کا داب و آداب ایسا سخت ہوتا ہے کہ ہر ارکان دولت یا دہ تر  
 معزز و ممتاز ہوتے ہیں ان کا مخصوص ظاہر نہیں ہوتے پانا اور ان کی طباعی نہیں چل سکتی اور پیشوا  
 کی طرح حکومت بھی ایک پیشہ ہے اور اس پیشہ میں بھی اکثر لوگوں کو یہی خیال رہتا ہے  
 کہ جو ہکو کھا یا گیا ہے وہی ہم کرینگے اور جب کوئی شخص انہیں طماع اور خلاق مضامین  
 ہوتا ہے تو اس قدر کہ کھائے لوگ ہمیشہ اُس کے سدراہ ہوتے ہیں اور اُس کے  
 خیالات کو اگر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے تو سلطنت جمہوری کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا  
 روم قدیم کی سلطنت جو اُس عیسے محفوظ تھی جو حکومت عمال میں عموماً پایا جاتا ہے  
 تو صرف اس وجہ سے کہ اُس میں عوام کی حکومت بھی شریک تھی اور سب خاص عمدے  
 جیسے سبک سینٹ میں جگہ یعنی ممبری ملتی تھی اور نیز وہ مخصوص عمدے جنکی تلاش خود  
 سینٹ کے ممبروں کو رہتی تھی بذریعہ عام انتخاب کے عطا کیے جاتے تھے۔ روس کی  
 سلطنت میں حکومت عمال کی خوبی اور بُرائی دونوں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کیونکہ  
 جن محدود و معین قواعد پر وہ سلطنت مبنی ہے اُسے ایک ہی قسم کے مقاصد کے حصول  
 کی کوشش سب مانوں میں ویسے ہی انقلاب کے ساتھ کی جاتی ہے جیسے رومی کرتے تھے لہذا  
 ان مقاصد کے حصول کی جستجو بڑی لیاقت اور سلیقہ کے ساتھ کی جاتی ہے بلکہ اندرونی  
 انتظامات میں بے ایمانی اور رشوت ستانی کا زور ہے اور اصلاحات سے  
 ایسی مخالفت شدیدہ خارج سے ہوتی ہے کہ نہ ارچلے کیسا ہی مضبوط اور  
 قوی الارادہ ہو اُسکی مطلق العنانی بھی اس مخالفت کو نہیں دفع کر سکتی ہے اور



ایک گروہ کی دائمی مخالفت و مزاحمت سے آخر کو ایک شخص کی آئی اور فانی قوت مغلوب ہو جاتی ہے۔ چین کی سلطنت کا حال جانتا ہوں کہ معلوم ہوا ہے وہ بھی حکومت عمال ہے اور ظاہراً اٹھین بھی وہی محاسن اور عیوب موجود ہیں جو انیسیم کی حکومت میں پائے جاتے ہیں۔

**انسان** کے سب امور میں متضاد اسباب کا جمع ہونا ضرور ہے ورنہ کوئی امر باقی رہے اور کسی میں اتنی قوت بھی نہ رہے کہ جو فائدائے اس سے مخصوص ہیں وہ تو حاصل ہو جائیں۔ اور جب ایک ہی عمدہ مقصد کے حصول کی جستجو کجائے اور دوسرا مقصد جو اس کے ساتھی حاصل ہونا چاہیے فرو گذاشت کیا جائے تو یہ نتیجہ نہیں ہوتا کہ ایک مقصد بہت اور دوسرا مقصد کم حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ انجام ہوتا ہے کہ جس مقصد کے حصول کی خاصۂ جستجو کی ہے وہ بھی فوت ہو جاتا ہے۔ جو حکومت ایسے کارپردازوں کے ذریعہ سے کی جائے جنہوں نے فن کارانی کو خاص طور سے سیکھا ہو وہ ملک کے لیے وہ باتیں نہیں کر سکتے جو ایک آزاد سلطنت کر سکتی ہے۔ مگر یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کارپردازوں یا عمال کے ذریعہ سے جو حکومت کیجاتی ہے وہ بعض ایسے امور کر سکتی ہے جو ایک آزاد سلطنت بذات خود نہیں کر سکتی۔ تاہم حکومت تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عمال کی حکومت اپنے خاص کام کو بھی عمدہ یا دائمی طور سے نہیں کر سکتی تاوقتیکہ خارجی آزادی اسکی معین نہ ہو علیٰ ہذا القیاس آزادی کے عمدہ نتائج نہیں پیدا ہو سکتے بلکہ اکثر آزادی بالکل تشریف لیجاتی ہے تاوقتیکہ اس کے ساتھ خاص تعلیم یافتہ اور زیر منتظمون کو ہم ہو نہ جانے کی تدبیر نہ کی جائے۔ جو قوم کسی جب کی قابلیت پہنچاتی گو نمٹ کی رکتی ہو انہیں اس قسم کی گورنمنٹ کامل ترین حکومت ہے

حال کے ساتھ بلاتامل جمع ہو سکتی ہے۔ مگر ساتھی اسکے آئین سیاست کے مقاصد  
 میں سے ایک نہایت اہم مقصد یہ ہے کہ جتنی خوبیاں ان دونوں میں سے ایک  
 قسم کی حکومت کی دوسری قسم کے ساتھ جمع ہو سکیں اتنی حاصل کر لیا جائیں یعنی جہاں تک  
 ممکن ہو انتظام امپراطریٹ ان ذمی لیاقت آدمیوں کے سپرد کیا جائے جنہوں نے اس کام کو  
 بطور پیشہ کے سیکھا ہے اور ساتھی ایسے عام نگرانی کا اختیار ان کمیٹیوں کو دیا جائے جو کل  
 قوم کی قائم مقامی کی حیثیت رکھتی ہوں۔ یہ مقصد ہر طرح خوب برآسکتا ہے کہ باب  
 سابق میں جو فرق سلطنت کے عاملانہ شعبہ اور نگرانی کنندہ شعبہ میں بیان کیا گیا ہے  
 اس پر عمل کیا جائے یعنی انتظامی کام ان اشخاص کے سپرد کیا جائے جنہوں نے اس کام کو  
 خاص طور سے بطور پیشہ کے سیکھا ہے اور احکام کو منتخب کرنے اور ان کی نگرانی کرنی اور  
 عند الضرورت ان پر تصرف کرنے کا اختیار ان لوگوں کو نہ دیا جائے جو اس کام کو کھتے  
 ہیں بلکہ ان لوگوں کو دیا جائے جنکے فائدہ کے واسطے وہ کام کرنا چاہیے۔ ایک  
 صاحب شعور اور ذی لیاقت سلطنت جمہوری نہیں قائم ہو سکتی اور تنیکہ وہ ذات پر  
 راضی نہ ہو کہ جس کام کے لیے ہندو رکا رہے اسکو وہی لوگ کریں جو ذی نہرین سلطنت  
 جمہوری کو یہ کام کیا کم کرنا ہے کہ خود اپنے نفس میں اتنی لیاقت عقلی پیدا کرے جو  
 اسکے خاص کام کے لیے کافی ہو اور اسکا خاص کام نگرانی اور تصرف کرنا ہے۔  
 یہ امر کہ اس مقدار کی لیاقت عقلی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اور کیونکر باقی رہ سکتی ہے  
 منجملہ ان امور کے ہے جنکی تحقیق اس مقام پر کی جائیگی جہاں پر وکلاء قوم کی کمیٹی کی ترکیب  
 بیان کی جائیگی جسقدر اس کمیٹی کے ممبروں میں لیاقت عقلی مقدار ضروری سے کم ہوگی اسی قدر  
 وہ عمال اور نظمان ملک کے خاص کام میں خلل بجا کر نیگے یعنی کمیٹی مذکور لائق وزراء کو

معزول کر کے نالائق وزراء کو منصوب کر لگی اور قائم رکھ لگی اور جو خیانتیں کا سلطنت میں وہ کر لگی اُن سے غفلت اور چشم پوشی کر لگی اور اُن کی حیلہ سازی سے دھوکا کھا جائیگی یا اُن وزراء کی تائید سے باز رہیگی جو اپنے فرض منصبی کو امانداری سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کمیٹی مذکور ایسی بیرونی اور اندرونی حکمت عملی کی تائید کر لگی یا اسکو مقرر کر لگی جو خود غرضی۔ تلون مزاجی۔ سرخودی۔ ناقصت زندگی۔ نادانی اور تعصب کا نمونہ ہوگی۔ اور اچھے قوانین کو منسوخ کر کے برے قوانین بنائیگی۔ نئی نئی خرابیاں پیدا کر لگی یا پرانی خرابیوں سے چھٹی چھٹی اور کسی طرح اُنکو چھوڑ دینا گوارا نہ کر لگی بلکہ یہاں تک کر لگی کہ جن صورتوں میں بلاروے رعایت انصاف کرنا عوام الناس کی رے کے خلاف ہوگا انہیں اپنے ممبروں یا اپنے موکلوں کے شتھالنے اور ورغلا تے سے اُن کا رویہ اون کو جائز رکھ لگی چشم پوشی کر لگی جو بالکل خلاف قانون ہیں الغرض جب پچا پتی گورنمنٹ کی ترکیب ایسی ہو کہ وہ کلایا قائم مقامان قوم کی کمیٹی میں فہم و دانش اور لیاقت عملی بعد معتد بہ نہ پائی جائے تو پچا پتی گورنمنٹ سے ایسے ایسے خطروں کا احتمال ہے جیسے ابھی بیان کیے گئے۔

اب وہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں جو اسوجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ کلایا قوم کی کمیٹی میں کارروائی کے ایسے طریقے جاری ہوتے ہیں جو بالکل خود غرضانہ ہیں یعنی قوم کے عام فائدہ کے کم و بیش منافی ہیں۔

یہ امر سب تسلیم کر لیا ہے کہ سلطنت شخصی اور حکومت امرا کو جو خرابیاں لازم ہیں وہ اسی سبب سے پیدا ہوتی ہیں کہ بادشاہ یا گروہ امرا کا فائدہ میں حیث مجموع یا فرد افسردہ جس چیز میں ہوتا ہے وہ نفس الامریں یا بادشاہ یا امرا کے زعم ناقص میں قوم کے عام فائدہ کے خلاف ہوتا ہے مثلاً گورنمنٹ کا فائدہ تو اس میں ہے کہ ایک سنگین ٹیکس

مقرر کیا جائے مگر قوم کا فائدہ اس میں ہے کہ اس سے زیادہ ٹیکس لیا جائے جو عمدہ نظام کے مصارف کے لیے کافی ہو۔ یا بادشاہ وقت یا صاحب حکومت امر کا فائدہ اس میں ہے کہ قوم پر نامحدود حکومت قائم رکھیں اور عمل میں لائیں اور قوم کو اپنی مرضی اور اپنی خواہشوں کا تابع کر لیں۔ مگر قوم کا فائدہ اس میں ہے کہ حکومت کے جائز مقاصد کے لیے جتنی نگرانی اور تصرف ضرور ہے اُس سے زیادہ نہ عمل میں لایا جائے۔ یا دشاہ یا امر تو یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ اُس طور سے ملامت نہ کیجائے جس سے ہماری حکومت یا ہمارے اختیار مطلق میں رخنہ پڑ جائے مگر قوم کو یہ چاہیے کہ ہر ایک عہدہ دار سرکاری اور حکام کے ہر ایک کام یا تدبیر پر ملامت کرنے کی پوری آزادی ہو جو حاصل ہے۔ صاحب حکومت فرقہ خواہ امر کا ہو خواہ بادشاہ اور امراد و لون کا ہو اُس کا فائدہ اس میں ہو کہ صدر مختلف قسم کے خلاف انصاف حقوق ہو جو حاصل ہو جائیں جس سے بعض اوقات ہو کہ روپیہ کا فائدہ اور رعایا کو روپیہ کا نقصان ہو اور بعض اوقات ہو کہ صرف اتنا ہی نفع ہو کہ ہو کہ عروج اور رفعت اور اوروں کی ذلت اور اہانت ہو۔ ایسی گورنمنٹ سے رعایا غالباً ناراض ہوگی اور اگر وہ گورنمنٹ سے بیزار ہوگی تو بادشاہ یا امر کا فائدہ اس میں ہے کہ رعایا کو عقل اور علم یا تعلیم و تربیت میں بہت مرتبہ رکھے اور زمین نفاق پیدا کرے بلکہ اُس کے زیادہ خوشحال رہنے کی بھی رو اور نہ ہوگی کہ مبادا رعایا موٹی ہو جائے اور لات مارے۔ یہ سب باتیں اگر محض خود غرضی کی نظر سے دیکھی جائیں تو بادشاہ یا صاحب حکومت امر کے فائدہ کی ہیں۔ الایہ کہ ان کو یہ خوف ہو کہ اگر ہم ایسے امور کریں گے تو سخت مقابلہ اور مزاحمت رعایا کی جانب سے ہوگی۔ بادشاہ اور امر کے خود غرضانہ فوائد سے یہ سب خرابیاں پیدا ہوئی ہیں اور اب تک پیدا ہوتی جاتی ہیں اُس ہنگام میں جبکہ ان کو اتنی قوت حاصل

ہوئی ہے کہ قوم کی رائے برائگی رائے در رہی ہے اور حبیب کیفیت ہو تو بادشاہ یا صاحب حکومت امر اسے ایسے امور کی توقع نہ رکھنا خلاف عقل ہے۔

ایسی باتیں بادشاہ یا امر کی سلطنت میں باغراض بائی جاتی ہیں بعض اشخاص یہ دعویٰ بے دلیل کیا ہے کہ اس قسم کے مضر اسباب سلطنت جمہوری میں نہیں اتر کرتے مگر سلطنت جمہوری کے معنی عموماً سمجھے جاتے ہیں کہ فریق کثیر کی حکومت پس اس مضمی سے تو یقیناً ممکن ہے کہ صاحب حکومت شخص یا گروہ پر فریقی اغراض غالب ہوں جنکے باعث سے وہ ایسا کردار اختیار کرے جس سے کل قوم کا بلا روئے رعایت فائدہ نہ متصور ہو مثلاً فرض کیجیے کہ گورن کا فریق کثیر اور کالون کا فریق قلیل ہو یا اسکے بالعکس تو کیا قیاس ہوگا مقتضی ہے کہ فریق کثیر فریق قلیل کے ساتھ انصاف کرنے کا روادار ہوگا؟ یا مثلاً فرض کیجیے کہ فریق کثیر کا مذہب رومن کیتھولک اور فریق قلیل کا مسکالین پروٹسٹ ہے یا اسکے بالعکس تو اس صورت میں بھی کیا وہی اندیشہ ہوگا؟ یا مثلاً فریق کثیر انگلش اور فریق قلیل آئرش ہو یا بالعکس تو کیا ظن غالب ایسی خرابی کے پیدا ہونے کا نہیں ہے؟ سب ملکوں میں غرباء کی کثرت اور انکے مقابل میں اغنیاء کی قلت ہوتی ہے اور ان دونوں فرقوں کے اغراض میں اکثر اعتبارات سے مخالفت ہوتی ہے پس فرض کیجیے کہ فریق کثیر اس امر سے خوب آگاہ ہے کہ مال کی حفاظت کو ضعیف کر دینا ہمارے حق میں مفید نہیں ہے اور لوٹنے کی تدبیر سے مال کی حفاظت کمزور ہو جائیگی۔ تو کیا اس صورت میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ جو لوگ ملکیت اراضی رکھتے ہیں یا کثیر آمدنی رکھتے ہیں ان پر وہ لوگ ایک غیر واجب حصہ ٹیکس کا بلکل ٹیکس کا بار ڈالینگے اور جب یہ کوئی ٹیکس تو بلا تامل ٹیکس کی مقدار کو

زیادہ کر دینیکے اور اسکی آمدنی کو ایسے طریقوں سے صرف کرینگے جسنے لگنے بھگت ناقص میں  
مزدور پیشہ فرقوں کو منفعت ملے گی اور فائدہ ہوگا۔ پھر فرض کیجیے کہ باہر مزدور دن کا  
فریق قلیل اور یہ ہنر مزدور دن کا فرقہ کثیر ہو۔ ٹریڈ یونین یعنی  
اہل حرفہ کی کمیٹیوں کے تجربہ سے اس امر کا ضرور اندیشہ ہے کہ ممکن ہے کہ آمدنی یا  
کمائی کا برابر ہونا ایک شرط ضروری ٹیکس کی فرار دی جائے اور متفرق یعنی ٹیکس  
مزدوری کرنا یا گھنٹوں کے حساب سے اجرت مقرر کرنا اور سب قسم کی صنعت و  
حرفت جس سے عمدہ اور لائق کاریگروں کو زیادہ اجرت ملتی ہے موقوف کر دیا  
قانون سازی کے ذریعے سے اجرت با مزدوری کو بڑھانے کی کوشش کرنا  
اور بازار میں مقابلہ یعنی اُپر چڑھی کو محدود کر دینا۔ لکھن پر اور سب قسم کی صلاحوں پر  
جنگی وجہ سے موجودہ دسویں صنعت کی ضرورت نہیں باقی رہی ہے ٹیکس یا مذہب  
یا قبو و مقرر کرنا بلکہ ہمارے ملک کے صناعتوں کو غیر ملک کی صنعت کے منہ سے بچانا  
یہ سب نتائج ضروری اسکے ہیں کہ جس گورنمنٹ میں مزدور پیشہ فرقوں کی کثرت اور  
غلبہ ہوتا ہے انہیں فرقوں کے اغراض کا خیال غالب رہتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انہیں سے کسی چیز سے بھی واقعی فائدہ اُس فرقہ کا متصور  
نہیں ہے جو تہہ ادا میں صحت زیادہ ہے تو اسکا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ اگر  
انسان کے انحال اور کسی قسم کے خود غرضانہ خیالات پر نہیں موقوف ہیں بلکہ صرف واقعی  
فائدہ کے خیال پر مبنی ہیں تو سلطنت شخصی یا سلطنت امرا اسقدر مذموم نہ ہوں جیسے قبیح  
و نفیس الامور ہیں۔ کیونکہ نہایت قوی دلائل اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش  
کیے گئے ہیں کہ جب بادشاہ یا امرا ایک صاحب دت اور ہنرمند اور روشن ضمیر اور

عالی ہمت قوم پر انصاف اور بیدار مغربی کے ساتھ حکمرانی کرین تو انکی حکومت محسود خلائق اور لائق تعریف ہے مگر شاید ایک ہی آدم یا و شاہ ایسا عالی ظرف اور خود غرضی سے منزہ گذرنا ہے اور ایسے نیک نہاد اور پاک نفس امر کی کوئی مثال ہم کو نہیں معلوم ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم مزدور پیشہ فرقوں کو اس سے بھی یاد نہ کی طینت خیال کرین؟ انکے افعال کی نسبت یہیں خیال کرنا ضرور ہے کہ انکا فائدہ کس بات میں ہے بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ اپنا نفع کس مرین سمجھتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کے ہر ایک مفہوم ذہنی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہیں یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ فریق کثیر عادتاً وہ امور کریگا جو (بہستنا چند خاص صورتوں کے) اور کوئی فریق یا شخص جو صاحب حکومت ہو کبھی نہیں کرتا ہے یعنی فریق مذکور اپنے فعال کو اپنے فنی اور آخری فائدہ کے تابع کریگا اور انکے مقابل میں اپنے نفع فوری اور ظاہری کو ہی سمجھیکا۔ کوئی شخص اس میں شک نہ کریگا کہ جو مضرت بدیرین اہل حرفہ کے رفہا کی بیان کی گئیں ان سے اور مثل انکے اور خراب تدبیرون سے عموماً ہنر اہل حرفہ کے فرقہ کا نفع فوری مقصود ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس فرقہ کی کل موجودہ نسل کا خود غرضانہ فائدہ ہی تدبیرون سے ہو جسے انجام کار یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ محنت مزدوری کم ہو جائیگی اور پوسہ پس انداز کرنے کی رغبت لوگوں کو کم ہوگی مگر ایک ہی نسل میں شاید یہ خسرا بیان بے ہنر اہل حرفہ کے فرقہ کو بہت کم محسوس ہوئیگی۔ کیونکہ تو اس منہج سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض نہایت مضرت چیزات انسان کے امور میں ایسے ہوئے ہیں جو اپنے نتیجہ ظاہری اور فوری کے اعتبار سے مفید تھے۔ مثلاً قیصران روم کی مطلق العنان سلطنت کے قائم ہونے سے اس نسل کو جدید حکومت قائم ہوئی تھی نفع عظیم ہوا۔ یعنی اسکی بدولت

ملک کی اندرونی لڑائیاں موقوف ہو گئیں اور نظام و اعمال کے ظلم و جور سے رعایا محفوظ رہی اور بہت سی خرابیوں کا السداد ہوا اور بہت سی لطافتوں کو رونق اور پولیٹیکل یعنی ملکی صیغہ کے سوائے حکومت کے ہر صیغہ میں علم و ہنر کو ترقی ہوئی اور علوم و فنون کے ایسے تابان و درخشان نمونے پیدا ہوئے جسے کوتاہ بین ناظرین تواریخ کی نظر خیرگی کرتی ہے اور کوتاہ بین ناظرین وہ ہیں جو یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے علم و فضل کی بدولت غلطوس قیصر کی مطلق العنان سلطنت کو بے حد رونق حاصل ہوئی تھی وہ اُس سبب بشر کی نسل کے تربیت یافتہ تھے اور صد ہا برس کی آزادی سے جو مال و دولت جمع ہوا تھا اور جو علم و ہنر پیدا ہوا تھا وہ غلاموں کی پہلی نسل کے کام آیا۔ تاہم یہ آغاز اُس سلطنت کا تھا جبکہ انجام تدریجاً یہ ہوا کہ جو کچھ تہذیب و تہذیبی نشاۃ الثانیہ حاصل ہوئی تھی وہ رفتہ رفتہ بالکل زائل اور فنا ہو گئی اور آخر کو یہ نوبت پہنچی کہ وہ سلطنت قاہرہ رومہ الکبریٰ جو تقریباً تمام دنیا پر مسلط اور حاوی ہو گئی تھی ایسی ضعیف ہو گئی اور اسکی فوجی قوت ایسی زائل ہو گئی کہ جن وحشی قوموں کو رومیوں کی تین چار لپٹیں ہمیشہ زیر کر لیتی تھیں انھوں نے اُس عظیم الشان سلطنت کو مغلوب اور خسر کر دیا۔ مگر اُسی زمانے میں دین سچی ممالک روم میں شائع ہوا اور اُسکے طفیل سے علوم و فنون بچ گئے بلکہ شاید نوع انسان میں جہالت کی تاریکی از سر نو نہیں پھیلنے پائی۔

**جب** یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا اہل غرض ہے یعنی ہر گروہ اور ہر فرد بشر کے افعال کا اصول اُس گروہ یا اُس شخص کی غرض ہے تو یہ امر کہ ایک غیر متعصب آدمی کس چیز کو انکی غرض سمجھگا اس کل قضیہ کے اجزاء میں سب سے ادنیٰ چیز ہے۔



کو لبرج صاحب نے فرمایا ہے کہ انسان اپنے افعال کا محرک خود بناتا ہے نہ کہ  
محرک انسان کو بناتا ہو۔ یہ امر کہ فلان شخص کی غرض کیا فعل کرنے کی اور کس فعل سے  
اجتناب کرنے کی مقتضی ہے خارجی اسباب پر اس قدر موقوف نہیں ہے جس قدر ہم  
موقوف ہے کہ وہ شخص کس قسم کا آدمی ہے۔ اگر آپ کو یہ دریافت کرنا منظور ہو کہ  
فلان شخص کی غرض عملاً کیا ہے تو آپ کو یہ معلوم کر لینا ضرور ہے کہ اُس شخص کے  
خیالات کی اکثر کیا کیفیت رہتی ہے۔ ہر شخص کے اغراض دو قسم کے ہیں۔ ایک د  
جنگی پروا وہ شخص رکھتا ہے اور دوسرے وہ جنگی پروا وہ نہیں رکھتا ہے۔ اور  
ہر شخص خود غرضانہ اور غیر خود غرضانہ اغراض رکھتا ہے اور خود غرض آدمی پہلے  
قسم کی اغراض کی عادتاً فکر رکھتا ہے اور دوسرے قسم کی اغراض کی فکریں لگتا ہے  
اور ہر شخص اغراض قریب اور بعید رکھتا ہے اور کوتاہ اندیش شخص ہے جو غرض  
قریب کی فکر رکھتا ہے اور اغراض بعید سے بے فکر رہتا ہے اور جب ایسے شخص کے  
خیالات اور خواہشیں فقط اغراض قریب پر عادتاً جھمکے رہتے ہیں تو وہ اغراض بعید کے  
اہم ہونے پر کبھی غور نہ کریگا۔ مثلاً جو شخص اپنی بی بی اور بچوں کو مارا پیٹا کرتا ہو  
اُسکو یہ سمجھنا بیکار رہے کہ تمھاری آسائش اسی میں ہے کہ تم اپنی عیال سے  
محبت کرو اور اُنکے حال پر شفقت رکھو۔ اگر وہ اپنے عیال سے ایسا حسن سلوک  
کر سکتا تو بہت خوش و خرم رہتا لیکن وہ اس قسم کا آدمی ہی نہیں ہے اور باتیں  
عرصہ کے بعد اُسکا مزاج بدلنا غالباً ناممکن ہے۔ چونکہ اُسکا مزاج ہی ایسا ہے  
لہذا اپنے زعم ناقص میں وہ اپنی بہتری اسی میں سمجھتا ہے کہ اپنے بال بچوں پر کم  
اور تشدد کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالے اور اپنے غیظ و غضب کو تسکین دے۔

اور اپنے عیال و اطفال کو خوش و مخرم رکھنے سے اُسکو کچھ مطلب ہی نہیں ہے یعنی نہ اُنکی خوشی سے اُسکو مسرت ہوتی ہے اور نہ اُنکی محبت کی اُسکو پروا ہے اور اسکا ہمسایہ جو اپنے بال بچوں سے الفت رکھتا ہے غالباً اُس سے زیادہ خوش نصیب ہے لیکن اگر اُسکو یہ سمجھا یا جائے تو غالباً اُسکے اور زیادہ شحال طبع کا عیث ہوگا۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص اوروں کی فکر رکھتا ہے یا اپنے ملک یا عوام بنگا جن کی پروا رکھتا ہے وہ اُس شخص سے زیادہ خوش رہتا ہے جو ایسا نہیں کرتا ہے لیکن جو شخص اپنے آرام و آسائش اور اپنے متول کے سوائے دوسری فکر ہی نہیں رکھتا ہے اُسکو یہ قاعدہ سمجھانے سے کیا فائدہ ہے۔ اگر وہ اوروں کی فکر کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ ایسے شخص کو ایسی باتیں سمجھانا بعینہ ایسا ہے جیسا زمین پر لگنے والے کیرے کو یہ سمجھانا کہ اگر تو عقاب ہوتا تو کیا خوب بات تھی۔

عموماً مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آدمی میں دو خصلتیں بہت خراب ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے ذاتی اغراض کو اُن اغراض پر ترجیح دینا جو اُس میں اور اوروں میں مشترک ہیں۔ دوسرے یہ کہ قریب اور صریح اغراض کو غائب اور بعید اغراض پر فوقیت دینا۔ اور یہ دونوں خصلتیں خاصہ طرز حکومت سے پیدا ہوتی ہیں اور نشوونما پاتی ہیں۔ جو ہیں کوئی شخص یا کوئی فرقہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں پاتا ہے اُس شخص کا خاص ذاتی فائدہ یا اُس فرقہ کا جداگانہ فائدہ اُسکی نگاہ میں ایک تازہ وقعت پیدا کر لیتا ہے۔ جب حکام دیکھتے ہیں کہ اور لوگ ہماری پرستش کر رہے ہیں تو وہ خود اپنی پرستش کرنے لگتے ہیں اور اپنے تئیں اُسکے مستحق سمجھتے ہیں کہ اوروں سے سو درجہ زیادہ ہمارا اعزاز و اکرام کیا جائے۔ اور

جو انکے جی میں آتا ہے بلا لحاظ نتائج کے اسکو باسانی کر گزرتے ہیں لہذا انہیں وہ عادتیں ضعیف ہو جاتی ہیں جو آدمی کو وہ نتائج سمجھا دیتی ہیں جو خود نفس پر مؤثر ہیں۔ یہی معنی اس مثل کے ہیں جو تمام عالم میں مشہور ہے اور جس پر ساری دنیا کا تجربہ شاہد ہے کہ حکومت آدمی کے مزاج کو بگاڑ دیتی ہے۔ ہر شخص خوب جانتا ہے کہ خاندان نشینی کے عالم میں جو مزاج اور جو کردار آدمی کا ہو اُس سے یہ سمجھ لینا کہ تخت سلطنت پر بیٹھ کر بھی اسکا مزاج اور اسکا کردار بعینہ ایسا ہی رہیگا بالکل خلاف عقل ہے۔ کیونکہ جب وہ مسند حکومت پر بیٹھا ہوتا ہے تو کوئی واقعہ ایسی معاشرت کا اور اُسکے درباریوں میں سے کوئی شخص اُن بُری خصلتوں کو جو قبضہ بشریت اُس میں پائی جاتی ہیں نہیں روکتا ہے بلکہ سب لوگ اور جملہ سبب اُن عادات زشت کو اور زیادہ اُبھارتے ہیں۔ ایک شخص پر کیا موقوف ہے کسی فرسے بھی ایسی توقع رکھنا محض مہمل بات ہے جب اُس فرقہ کے لوگوں پر کوئی حاکم بالادست اُن سے قوی تر ہو تب تو وہ لوگ بہت معقول پسند اور نہایت منکسر مزاج رہینگے لیکن جب وہ خود سب پر حاکم بن جاتے ہیں تب اُنکا مزاج بالکل بدل جاتا ہے۔

گو رمنٹون کو چاہیے کہ رعایا کی موجودہ حالت کا لحاظ کر کے یا یہ خیال کر کے کہ چند ہی روز میں رعایا کی کیا کیفیت ہو جائیگی قائم کیا لیکن اور ہر درجہ کی تہذیب نشانی میں جو نوع انسان یا انکی کسی صنف کو حاصل ہو چکی ہے یا عنقریب حاصل ہوگی یہ قاعدہ ہے کہ جن لوگوں کو صرف اپنے اغراض ذاتی کا خیال رہتا ہے وہ صرف انہیں اغراض کے حصول کی کوشش کرتے ہیں جو بھی ہوتے ہیں

اور انکی حالت موجودہ پر مؤثر ہوتے ہیں۔ صرف اسی شخص یا اسی فرقہ کو مقاصد نظر اور اغراض بعید کا خیال ہوتا ہے جو اور دن کے نفع و ضرر کی پروا رکھتا ہے علی الخصوص نسل آئندہ یا اپنے ملک یا عموماً خلافت کے فائدہ اور نقصان کو مد نظر رکھتا ہے خواہ ازراہ ہمدردی خواہ اپنا فرض سمجھ کر ان امور کا لحاظ رکھتا ہے۔ پس یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ معقول اور مذہبہ گوشت ہے جبکی ایک شرط یہ ہے کہ اوسط درجہ کے آدمیوں کی رفتار و کردار ایسے عالی اور مستحسن اصول کا تابع رہے۔ کوئی قوم جو پنجابی گوشت کی لیاقت اور صلاحیت کھتی ہو انہیں کسی قدر ایذا دہی اور رفاہ عام کی بے لوث خواہش ہونی تو ضرور ہے لیکن اُس سے یہ توقع رکھنا محض بیجا ہے کہ صفتیں انہیں اس درجہ ہوں اور اسکے ساتھ وہ عقل و شعور بھی اس قدر رکھتی ہو کہ ایسے مفالط میں نہ آجائے جس سے وہ چیز جسمیں خاص اسی قوم کا فائدہ ہو قرین انصاف اور مفید عام اسکو معلوم ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک خلاف انصاف تجویز جو عوام الناس کے نفع و مہووم کے لیے اسوقت تک پیش ہوئی ہے انکی تائید میں کیسے کیسے صریح مفالط لے گئے ہیں۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کتنے آدمی جو بیوقوف یا بد ذات نہیں ہیں قومی قرضہ سے انکار کرنا جائز سمجھے ہیں اور کتنے لوگ جو نالائق نہیں ہیں اور عوام الناس کی نظروں میں بڑی وقعت رکھتے ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ٹیکس کا سارا بار اپس ماندہ سہرا یہ یعنی بچت پر ڈالا جائے اور وہ لوگ جنھوں نے خود یا جنکے بزرگوں نے جو کچھ کمایا اسکو خرچ کر ڈالا انکی فضول خرچی کا انعام یہ دیا جائے کہ وہ ٹیکس سے بالکل بری کر دیے جائیں۔ اور یہ بھی ہم خوب جانتے ہیں کہ وراثت اور انتقال بالوصیت یکہ ہر ایک مر کے ابطال میں جو ایک شخص کے شرف اور فضیلت کا باعث دوسرے شخص پر ہو سکتی ہے قیام میں

پیش ہوتی ہیں جو اسوجہ سے اور زیادہ خطرناک ہیں کہ کچھ شائبہ حق کا بھی انہیں ہے اور یہ بھی ہو کہ خوب معلوم ہے کہ جس علم سے کوئی شخص محض ناواقف ہو اُس پر یہ ثابت کر دینا کہ یہ علم بالکل مفید نہیں ہے بہت آسان ہے۔ کتنے لوگ جو بال احمق نہیں ہیں غیر زبانوں کو علمی قواعد سے سکھنا بیفائدہ سمجھتے ہیں اور قدیم زمانہ کے فن ادب کو بیکار منطق اور علم مابعد لطبعیت یعنی الہیات - فن شعر اور فنون لطیفہ کو مہمل و مفرغ - اور پولیٹیکل کالونی یعنی علم دولت کو غایت درجہ مضر سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض دی لیاقت آدمیوں نے علم تاریخ کو بھی بیفائدہ بلکہ مضر فرمایا ہے۔ اگر لوگوں کو ذرا بھی رغبت کسی علم کے یقین نہ کرنے کی دلائی جائے تو وہ دنیا میں کسی چیز کا مفید ہونا ہرگز نہ تسلیم کریں بجز اُن اشیاء خارجی کے جسے واقعہ ہونے کی ضرورت اسوجہ سے ہے کہ اُن پر وہ چیزیں موقوف ہیں خبر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے یا جسے اُسکو قلعج ہوتی ہے۔ علوم کا کیا ذکر ہے خواص یعنی مہذب شائستہ لوگوں سے بھی یہ توقع نہیں ہوتی کہ وہ باطل میں اتنی تمیز کر لیں گے اور جو چیز بادی النظر میں اُنکے اغراض ذاتی کے خلاف ہے اُسکو ایسا ٹھیک سمجھ لیں گے کہ ایسے ایسے مسد ہا ممالطون کو رد کر دینگے جو ہجر واسکے کہ حکومت اُنکے ہاتھ میں آئے اُنکو ہر سمت سے اگر گھیر لیں گے اور اُن ممالطون میں اگر انہی خود غرضانہ خود ہشون اور کوتاہ بین خیالات کی پابندی نہ کریں گے اور جادو انصاف سے انحراف نہ کریں گے اور سب فرقوں کا اور نسل آئندہ کا نقصان نہ گوارا کریں گے۔

لہذا سلطنت جمہوری اور گورنمنٹ کے دیگر اقسام میں بھی بہت بڑا خوف اس بات کا ہے کہ صاحبان حکومت اپنے اغراض ذاتی کو کار حکومت میں دخل دینگے اور قوانین بنانے میں اپنے خاص فرقہ کی رعایت کرینگے اور جو قوم حاکم ہے

اُنکے فائدے کے لیے حکومت کرنی گئی جس سے کل گروہ مکھوم کا نقصان ہمیشہ کے لیے ہو گا۔ پس منجملہ اُن امور کے جو پنجابی گورنٹ کی سب سے عمدہ ترکیب کی تحقیق میں تصفیہ طلب ہیں ایک یہ امر ہے کہ اس خرابی کے انسداد کی کیا مؤثر تدبیریں ہو سکتی ہیں۔

اگر بہت سے آدمیوں کے مجموع کو پولیٹکل حیثیت سے ایک نئے قہ قرار دیجیے اور ایک ہی مضر غرض اُن سب کی ہو یعنی اُن سب کی غرض ظاہر اور صریحاً ہی کی مقتضی ہو کہ ایک ہی قسم کے مضر انتظامات کیے جائیں تو ایسی حالت میں مناسب ہے کہ کوئی فرقہ یا چند متحد فرقے گورنٹ میں غلبہ نہ حاصل کر سکیں۔ نئی زباننا ایک گروہ ایسا ہے جہاں قوم و قبیلہ اور زبان اور قومیت کی شدید عداوتوں سے تفرقہ نہیں پڑا ہے۔ وہ گروہ دو فرقوں پر تقسیم ہو سکتا ہے اور انہیں سے ہر ایک فرقہ میں باوجود یکہ اختلافات جزئی موجود ہیں تاہم بال مجموعہ ان دونوں کے اغراض بادی النظر میں مختلف معلوم ہوتے ہیں ایک فرقہ مزدوروں کا اور دوسرا فرقہ مالکوں کا ہے اور مالکوں کے فرقہ میں نہ صرف وہ لوگ داخل ہیں جو بالذات متمول ہیں یا جو موردنی دولت رکھتے ہیں بلکہ وہ سب لوگ بھی داخل ہیں جو اجرت یا محتانہ بمقدار کثیر پاتے ہیں اور جنکے طرز معیشت اور تعلیم نے اُنکو اہل دول کے مشابہ کر دیا ہے اور جنکو اس بات کی طمع اور آرزو رہتی ہے کہ اہل دول کے فرقہ میں داخل ہو جائیں۔ اور مزدور پیشہ فرقوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے اہل حرفہ اور دوکاندار وغیرہ داخل ہیں جس قوم کی کیفیت ہو اور ایسی ترکیب واقع ہوئی ہو یا نہیں پنجابی گورنٹ عتلاً کامل ہو سکے اور اگر اسکو کامل رکھنا ممکن ہو تو ایسی ترکیب ایسی قرار دینی چاہیے کہ یہ دو فرقے یعنی ایک طرف مزدور پیشہ فرقہ اور اُسکے متعلقین اور دوسری طرف

مردوروں کے مالکوں کا فرقہ اور اُسکے متعلقین نچایت میں مساوی درجہ پر ہوں  
یعنی ہر ایک فرقہ کے ووٹوں کی تعداد پارلیمنٹ میں تقریباً برابر ہو کیونکہ اگرچہ یہ فرض  
کیا جائے کہ جب ان دونوں فرقوں میں باہم اختلاف ہوگا تو ہر فرقے کا فرق کثیر اپنے  
فریقی اغراض کی ضرورت رعایت کر گیا تاہم اُس فرقے کثیر کے مقابل میں ایک ایسا فرقہ  
قلیل ہر ایک فرقہ کا ہوگا جو عقل اور انصاف اور کل قوم کے فائدہ کو اپنے منہ پر  
اغراض پر مقدم سمجھیں گا اور یہ فرقہ قلیل کل دوسرے فرقے کا شریک ہو کر اپنے فرقے کثیر  
کی اُن درخواستوں کو جو قابل منظوری نہ ہوگی نہ منظور ہونے دیگا جو سوسائٹی کسی قدر بھی  
محبذب شائستہ ہو تاہم انصاف اور عام فائدہ کا خیال ہی اخیر کو غالب رہتا ہے  
اور اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کی جداگانہ اور خود غرضانہ اغراض میں ہمیشہ فرقہ اور  
اختلاف رہتا ہے اور اگر بعض آدمیوں کی غرض باطل کی طرف ہوتی ہے تو بعض کی  
غرض حق کی طرف بھی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ حق پسند ہیں اگرچہ وہ تعداد میں اور دیگر  
امور میں بھی باطل پسند آدمیوں سے کم ہوں تاہم جب بخوبی مباحثہ اور مطارحہ  
ہو جاتا ہے تب وہ اہل حق جبکی تعداد قلیل ہے اتنی قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ جن  
اغراض کے معین اور موید وہ ہیں وہی غالب آ جاتے ہیں۔ اگرچہ نچایتی گورنمنٹ کی  
ترکیب ایسی کھینچی جائے کہ یہی کیفیت باقی رہے یعنی مختلف فریقی اغراض اتنی قوت  
نہ پکڑنے پائیں کہ حق اور انصاف اور دیگر فریقی اغراض کے مجموعہ پر غالب آجائیں  
اور ذاتی یا فریقی اغراض میں ہمیشہ ایسی مساوات قائم رہی چاہے کہ انہیں سے  
ہر ایک غرض کی کامیابی اسپر موقوف ہو کہ اسکے موید وہ لوگ بہ تعداد کثیر ہوں جو حق پسند  
اور انصاف دوست اور وسیع النظر اور عاقبت اندیش ہیں فقط

## ساتواں باب

سچی اور جھوٹی سلطنت جمہوری کے بیان میں اور اس بیان میں کہ قائم مقامی یا د کالت کل قوم کی یا اسکے صرف فریق کثیر کی ہونی چاہیے سابق میں بیان کیا گیا کہ پنچایتی گورنمنٹ سے دو باتوں کا خوف ہے ایک کہ د کلاے قوم کی کمیٹی یعنی پنچایت کم علم اور کم لیاقت ہو اور اسے جمہور جو اُس پر متصرف اور نگران رہتی ہے وہ بھی کم مایہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جو فریق تعداد میں زیادہ ہو اور جسمیں ایک ہی فرقہ کے لوگ ہوں وہ ایسے قوانین بنائے جو اسکو مفید اور دوسرے فریق کو مضر ہوں۔ اب ہمارے تحقیق کرنا منظور ہے کہ کھانا تک پنچایتی گورنمنٹ کو ایسی ترکیب سے قائم کرنا ممکن ہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد مخصوصہ میں خلل عظیم واقع ہو اور یہ دونوں خرابیاں بھی اگر بالکل نہ واقع ہو جائیں تو خیر و ہائیک تو کم ہو جائیں جہاں تک انسان کی تدبیر سے کم ہو سکتی ہیں۔

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ یہ ہے کہ قائم مقامی کی جمہوری حیثیت محدود کر دیجائے اور امور سلطنت پر اسے زنی کا حق کم و بیش مفید کر دیا جائے۔ لیکن ایک امر کا خیال رکھنا مقدم ہے اور اگر اسکا لحاظ رکھا جائے تو جن وجوہ سے یہ گمان کیا گیا ہے کہ اسے زنی کے حق کو محدود کر دینا ضرور ہے ان میں بہت سخت ہو جائیگی جس قوم میں ایک فرقہ ایسا ہو جو کثرت عدوی سے متصف ہو یعنی تعداد میں زیادہ ہو۔ اس میں اگر پنچایتی گورنمنٹ قائم کی جائے تو بعض قباحتیں اس سے ضرور لازم آئیں گی۔ لیکن یہ قباحتیں زیادہ شدید اس سبب سے ہوئی ہیں کہ بغض جو نوعی یا جمہوری سلطنتیں



موجود ہیں وہ مساوی الاجزا نہیں ہیں بلکہ غیر مساوی الاجزا ہیں یعنی جو فرقہ عدد کا غالب ہے وہی امور سلطنت میں غالب رکھا گیا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ مختلف مضمونوں میں خلط بحث کر دیا ہے سلطنت جمہوری خالص کی یہ تعریف ہے کہ کل قوم اپنے دیکار کے ذریعہ سے اپنے ادب خود حکمرانی کرے لیکن جو معنی سلطنت جمہوری کے عموماً سمجھے جاتے ہیں اور جس کا علمد آمد اس وقت تک ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کل قوم صرف اپنے ایک فریق کثیر کے دیکار کے ذریعہ سے اپنے ادب حکمرانی کرے۔ خالص سلطنت جمہوری سب آزاد رعایا کی مساوات پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن سلطنت جمہوری جس کا دار و مدار کثرت عددی پر ہے ایک قسم کی رعایتی حکومت ہے جس میں انتظام امور سلطنت عملاً فریق کثیر سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ ضروری ولابدی نتیجہ اُس طریقہ کا ہے جس طریقہ سے افضل ووٹ لے جاتے ہیں اور جس سے وہ فریق جو نصف راہ میں کم ہیں رائے زنی کے حق سے بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

اس مقام پر خلط بحث بہت ہو گیا ہے مگر اس کا دفع ہونا ایسا آسان ہے کہ ذرا سے اشارہ سے بھی اس مسئلہ کی کیفیت واقعی ہر شخص کی سمجھ میں آجائیگی جو کچھ عقل و شعور رکھتا ہے۔ فی الواقع اس مضمون کو کچھ سمجھنا مشکل نہ تھا مگر عادت وہ چیز ہے کہ ایسا ہی آسان اور پیش پا افتادہ مضمون ہو اگر طبیعت انکی عادی نہیں ہے تو وہ بھی پائے معلوم ہوگا۔ اس مضمون کے سب عادی ہیں کہ کثیر کا قلیل پر غالب رہنا عقلاً و جباً ہے۔ اسی واسطے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیادہ غور اور خوض کرنا بیکار ہے اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ فریق کثیر کا قوت میں فریق قلیل کے برابر ہونا اور فریق قلیل کا بالکل لاشی محض ہو جانا ان دونوں باتوں میں ایک حد اوسط نکلتی ہے پڑھا ہے

کر چاہتی کیٹی یا قومی پارلیمنٹ میں مباحثہ کے وقت فریق قلیل یقیناً مغلوب رہیگا اور مساوی العدد سلطنت جمہوری میں قوم کا فریق کثیر اپنے قائم مقاموں کے ذریعہ سے اسکے فریق قلیل اور اسکے وکلاء پر ووٹ یعنی کثرت آرا کے لحاظ سے ہمیشہ غالب رہیگا کیونکہ قوم کے قائم مقاموں کی رائیں خواہ مخواہ ان لوگوں کی راہوں کی تابع ہونگی جنہوں نے انکو اپنا قائم مقام یا وکیل منتخب کر کے پارلیمنٹ میں بھیجا ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فریق قلیل کوئی قائم مقام پارلیمنٹ میں نہ ہوگا یہ امر کہ فریق کثیر کو فریق قلیل پر ہمیشہ غالب رہنا چاہیے اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ رائے نلی کا حق فریق کثیر کو دیا جائے فریق قلیل کو نہ دیا جائے۔ کیا یہ بھی ضرور ہے کہ فریق قلیل کی سماعت مطلقاً نہ کی جائے؟ کوئی معقول پسند آدمی ایسی نا انصافی کو نہ پسند کرے گا الا یہ کہ اسکا عادی ہو اور سلف سے یہی سنتا چلا آیا ہو جو سلطنت جمہوری فی الحقیقت مساوی العدد ہو اٹھیں ہر ایک فریق کے قائم مقام بلحاظ کثرت و قلت اس فریق کے شریک ہونگے۔ جتنی کثرت انتخاب کنندوں کی ہوگی اسی کے موافق انکے قائم مقاموں کی تعداد ہوگی اور جتنی قلت انتخاب کنندوں کی ہوگی اتنی ہی انکے وکلاء کی کمی ہوگی۔ الغرض۔ فریق قلیل کی قائم مقامی بھی ویسے ہی پورے طور سے ہوگی جیسے فریق کثیر کی ہوگی۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو مساوی العدد سلطنت نہ ہوگی بلکہ غیر مساوی العدد اور رعایتی حکومت ہوگی یعنی قوم کا ایک جز دوسرے پر حکمرانی کرے گا اور افسوس کا ایک جز قائم مقامی میں اپنا واجبی اور برابر حصہ پانے سے محروم رکھا جائیگا اور یہ امر منصفانہ گورنمنٹ کے خلاف ہے اور سلطنت جمہوری کے اصول کے بالکل مخالف ہے کیونکہ مساوات اسکا اصل اصول اور جزو اعظم ہے۔

یہ نامہ انصافی اور سلطنت جمہوری کے اصول کی یہ خلاف ورزی اسوجہ سے کم نہیں ہو سکتی کہ جن لوگوں کا اس سے نقصان ہوتا ہے انکی تعداد کم ہے کیونکہ جب تک ہر فرد قوم دوسری فرد قوم کے برابر نہ سمجھا جائے اسے زنی بدرجہ مساوی نہیں ہو سکتی لیکن صرف فریق قلیل ہی کا نقصان اس سے نہیں منظور ہے۔ بلکہ جس سلطنت جمہوری کی کیفیت ہو بادی النظر میں جو اسکا مقصد ہے وہ بھی تو نہیں حاصل ہوتا یعنی حکومت کے اختیارات سب صورتوں میں فریق کثیر کو نہیں حاصل ہوتے۔ بلکہ یہ اختیارات فریق کثیر میں جو فریق کثیر ہوتا ہے اسکو حاصل ہوتے ہیں اور یہ آخر الذکر فریق کثیر اکثر اوقات مجموع قوم کا ایک جز قلیل ہوتا ہے۔ سب اصول کی آزمائش غایت درجہ کی قوی مثالوں سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ پس فرض کیجیے کہ ایک ملک کی حکومت مساوی العداد اور عام پنچایت سے متعلق ہے جس میں ہر فرقہ اور ہر فرقہ کے لوگ بقدر معتد بہ شریک ہیں اور انتخاب کنندہوں کے ہر ایک حلقہ میں انتخاب پر جگہ اور اسے اور ہر ایک انتخاب کا تصفیہ ایک گروہ قلیل کے غلبہ سے ہوا ہے جس پارلیمنٹ کے ممبر اس طور سے منتخب کیے گئے ہوں وہ کل قوم کی قائم مقامی کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ صرف قوم کے ایک فریق کی وکالت کی حیثیت رکھتے ہیں جو دوسرے فریق سے تعداد میں کچھ ہی زیادہ ہے پھر فرض کیجیے کہ یہ پارلیمنٹ اہم قوانین اپنے چند ہی ممبروں کی کثرت سے بنائے۔ تو کیا دلیل اس بات کی ہے اور کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ قوانین قوم کے فریق کثیر کی خواہشوں کے موافق بنائے گئے ہیں کیونکہ نصف انتخاب کنندے چونکہ ووٹ دینے میں مغلوب ہو گئے یعنی جس امیدوار انتخاب کو وہ اپنا معتبر نہیں سمجھتے تھے اور جسکو وہ اپنا وکیل

یا قائم مقام پارلیمنٹ میں نہیں کرنا چاہتے تھے وہی ان کے فزوق مفت بل کی کثرت  
 عددی کی وجہ سے نمبر منتخب ہوا تو ان مغلوب انتخاب کنندوں کو اس انتخاب میں  
 مطلق دخل نہوا اور یہ سب انتخاب کنندے یا انہیں سے اکثر ان قوانین کے  
 مخالف ہیں جو ان اشخاص کی رائے سے بنائے گئے ہیں جبکہ خلاف ان  
 انتخاب کنندوں نے ووٹ یعنی رائے دی تھی باقی ماندہ انتخاب کنندوں میں سے  
 تقریباً نصف انتخاب کنندوں نے ان لوگوں کو اپنا قائم مقام منتخب کیا ہے جسکی نسبت ہم یہ  
 فرض کر چکے ہیں کہ انہوں نے ان قوانین کے خلاف ووٹ دیا ہے۔ پس یہ امر  
 ممکن ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ جو رائے پارلیمنٹ میں غالب ہی ہے وہ قوم کے صرف  
 ایک فریق قلیل کی خواہشوں کے موافق تھی اگرچہ وہ فریق قلیل قوم کے اُس جز میں فریق کثیر ہے  
 جبکہ ان سیاست نے ایک صاحب حکومت فرقہ بنا دیا ہے۔ اگر سلطنت جمہوری کے معنی  
 فزوق کثیر کا غالب ہونا ہے تو اسکے یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے بجز اسکے کہ ہر فرد قوم کو  
 امور سلطنت کے آخری فیصلہ میں رائے زنی کا حق بدرجہ مساوی دیا جائے اور جو فریق  
 قلیل رائے زنی کے حق سے خواہ عمدہ خواہ بھوری محروم رکھا جائے اسکی محرومی  
 سے فزوق کثیر کو قوت نہیں حاصل ہوتی ہے بلکہ حکومت کے پلہ کے اور کسی جز میں  
 فریق قلیل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

اس استدلال کا ایک ہی جواب ممکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ مختلف مقامات

مختلف رائے غالب ہوتی ہیں لہذا جو رائے بعض مقامات پر کم لوگوں کی ہے وہی  
 رائے دیگر مقامات پر بہت سے لوگوں کی ہے۔ پس بالجموع جو کوئی رائے انتخاب  
 کنندوں کے حلقوں میں موجود ہے اسکی نظر اور مؤید بہ تعداد واجب قائم مقامان کی

یکٹی یعنی پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوتی ہے۔ البتہ انتخاب کنندوں کی موجودہ حالت پر  
 یہ قول بھلا صادق آتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ تو پارلیمنٹ کے ہوسٹ فکشنس کا  
 قوم کے عام خیالات کے مخالف ہونا بہت جلد ظاہر ہو جائے۔ لیکن اگر انتخاب کنندوں  
 حلقے بہت وسیع کر دیے جائیں تو یہ قول نہ صادق آئیگا اور اگر وہ اس قدر وسیع  
 کر دیے جائیں کہ کل آبادی پر حاوی ہو جائیں تب تو یہ کلیہ بالکل نہ صادق آئیگا۔  
 کیونکہ اس صورت میں ہر مقام پر فریق کثیرین مزدور پیشہ لوگ ہونگے اور  
 جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آئیگا جس میں ان فرقوں کو قوم سے عموماً اختلاف ہوگا تو سوائے  
 ان فرقوں کے اور کسی فرقہ کے قائم مقام کہیں ہونگے۔ چنانچہ ایسا لوگ یہ شکایت  
 کرتے ہیں کہ ہزار انتخاب کنندے اپنے وکلاء کو پارلیمنٹ میں بھیجا چاہتے ہیں مگر کوئی ممبر  
 ہوسٹ فکشنس میں ایسا نہیں ہے جسکے انتخاب کی تائید میں انھوں نے  
 ووٹ دیا ہو۔ بڑے بڑے قصبوں میں جو حلقے انتخاب کنندوں کے ہیں ان میں  
 اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اپنے ملک کے بڑے خیر خواہ ہیں لیکن ان طبقوں کی  
 کیفیت یہ ہے کہ یا تو انکے وکلاء پارلیمنٹ میں باطل نہیں ہیں یا اگر ہیں تو وہ ممبر ہیں جو انکی  
 خلاف منتخب کر لیے گئے ہیں یعنی جو انتخاب کنندے اس طرف نہیں ہیں جس طرف کسی خاص  
 شہر یا قصبہ کے اکثر باشندے ہیں انکا کوئی قائم مقام پارلیمنٹ میں نہیں ہے۔ اور جو  
 انتخاب کنندے اس طرف ہیں ان میں سے اکثر کی رائے اس ممبر کے انتخاب کے خلاف  
 تھی جو انکا وکیل منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں بھیجا گیا ہے یعنی انھوں نے مجبوراً اس شخص کو  
 قبول کر لیا ہے جسکے مؤیدیت سے لوگ اس کی فریق میں تھے جس نے وہ انتخاب کنندے  
 شامل ہیں اگرچہ اس شخص کی رائے ہر ممبر میں انکی رائے کے خلاف ہو۔ اس سے بہتر

تو یہی تھا کہ فریقِ قلیل کو ووٹ دینے کی مطلق اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اس صورت میں  
 اقل مراتب اتنا ہوتا کہ فریقِ کثیر کو کوئی ایسا ممبر ملتا جو انکی خاص رائے کو پالیمنٹ میں  
 ظاہر کرے لیکن اب کیفیت ہے کہ ہر شخص کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ہمارے کلی فریق میں تفرقہ نہ  
 پڑ جائے اور فریقِ مقابل کے لوگ ہمارے فریق میں نہ گھس آئیں اسوجہ سے سب  
 لوگ اسی شخص کے موافق ووٹ دیتے ہیں جو سب سے پہلے انتخابی نشست نگار  
 ہوتا ہے اور انکا حیا بہین لیتا ہے یا اس شخص کی ممبری بروٹ دینے میں جبکہ انکے  
 پیشوا پیش کرتے ہیں اور ان پیشواؤں کی یہ کیفیت ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اپنے  
 ذاتی اغراض کو انتخاب کے معاملہ میں نہیں دخل دیتے (حالانکہ ایسا کثرت ہوتا ہے) تو بھی ایسے  
 امیدوار کو پیش کرتے ہیں جسکے انتخاب برائے فریق کے کسی آدمی کو سخت اعتراض  
 نہیں ہوتا ہے اور جس شخص کو وہ پیش کرتے ہیں نہ اس میں کوئی ایسی خاص صفت ہوتی ہے  
 جو انکو اور امیدوارانِ انتخاب سے ممتاز کرے نہ کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی کیا  
 رائے ہے صرف اتنی صفت اُن میں ہوتی ہے کہ اپنے فریق کا کلمہ گو ہوتا ہے بعینہ یہی کیفیت  
 مالک متفقہ امریکا میں ہوتی ہے کہ جب وہاں کی جمہوری سلطنت کے لیے  
 پریسڈنٹ منتخب کیا جاتا ہے اسوقت جو فریق سب سے زیادہ قوی ہے وہ بھی  
 سب سے زیادہ ذی لیاقت آدمیوں کو پیش کرنے کی جرات نہیں کرتا ہے ہواٹ  
 کہ ہر ایک ذی لیاقت آدمی چونکہ مدتِ مدید تک عوامِ اناس کے مطلع نظر رہا ہے  
 لہذا اُس فریق کا کوئی نہ کوئی جزا اُس لائق شخص کے برخلاف ہو گیا ہے۔ پس یقیناً  
 نہیں ہو سکتا کہ وہ سارا فریق ایسے شخص کے موافق ووٹ دیکر جو وہ عوامِ اناس کے  
 مقرب اور اپنے فریقی اغراض کا مخالف سمجھتا ہے۔ البتہ اُس شخص کے موافق

ووٹ دیگا جو بالکل مہول الحال ہے یعنی جسکی کیفیت کوئی اسوقت تک مطلق نہیں جانتا تھا جب تک وہ بطور امیدوار انتخاب کے پیش کیا گیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو وہ فریق منتخب کرتا ہے جو سب سے زیادہ قوی ہے شاید وہ بھی صرف انھیں چند آدمیوں کی خواہشوں کا مظہر ہوتا ہے جسکے شمول سے اُس فریق کی تعداد دوسرے فریق سے زیادہ ہو گئی ہے اور ہر ایک فریق جسکی تائید ہر اس امیدوار کی کامیابی موقوف ہے اسکے انتخاب کو روک سکتا ہے۔ اور جو فریق اپنی بات پر بند کرتا اور مقابلہ پر تیار ہوتا ہے وہ اور سب کو مجبور کر سکے اُسی شخص کو منتخب کر سکتا ہے جسکو خود اُس فریق نے نامزد کیا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ ضد اور کد اکثر ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو اپنی ذاتی غرض سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں عموماً سب کے فائدہ کے لیے نہیں لڑتے ہیں۔ لہذا فریق کثیر کو اپنے زمرہ کے اُن لوگوں کی تقلید کرنی پڑتی ہے جو نہایت بزدل اور تنگ ظرف اور مقصوب ملتے ہیں یا جو صرف اپنے ہی فرتے کی خیر منا یا کرتے ہیں۔ اس صورت میں فریق قلیل کے حقوق انتخاب اُن مقاصد کی تائید میں نہیں استعمال کیے جاتے جن مقاصد سے ووٹ دیے جاتے ہیں بلکہ صرف اسیلئے استعمال کیے جاتے ہیں کہ فریق کثیر کو مجبور کر کے وہ امیدوار منتخب کرالیا جائے جسکو اُس فریق کے سب سے ضعیف اور بدتر لوگوں نے پیش کیا ہے۔

کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اکثر اشخاص ان خرابیوں کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر انکو آزاد کو نمٹ کا فدیہ خیال کرتے ہیں بخوشی ہی مدت گزری ہے کہ آزاد کی سب سے متون کی ہی رائے تھی مگر ان خرابیوں کو لا علاج سمجھ کر اُن سے درگزر کرنے کی عادت ایسی بڑھ گئی ہے کہ اکثر اشخاص میں اب یہ قابلیت ہی نہیں باقی رہی ہے کہ ان

خراہیوں کو اصلاح پذیر خیال کر سکیں اور سمجھ سکیں کہ اگر ممکن ہو تا تو ہم خوشی سے انکی اصلاح کرتے کیونکہ جب کسی بیماری کے علاج پذیر ہونے سے آدمی کو یاں ہو جاتی ہے تو اس بیماری کا انکار کرنے لگتا ہے اسی وجہ سے لوگوں کو ان خراہیوں کی اصلاح بخیر کرنے سے بھی نفرت ہے اور اصلاح کے مجوز کو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک اور خرابی پیدا کر رہا ہے بعض ایسے کہ ایک خرابی کی اصلاح کر رہا ہے بلکہ لوگ ان خراہیوں کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ انکی شکایت کرنا بھی عیب سمجھتے ہیں لیکن بہر کیف خواہ یہ خرابیاں اصلاح پذیر ہوں خواہ انہوں جس شخص کے دل کو ان خراہیوں کا صدمہ نہ ہو آزادی کا مادان موت بجا و حرم کو یہ امر معلوم ہونے سے خوشی نہ کہ یہ خرابیاں اصلاح پذیر ہیں آزادی کا سچا عاشق نہیں ہے۔ کوئی امر اس سے زیادہ یقینی نہیں ہے کہ فریق قلیل کو بالکل مٹا دینا نتیجہ ضروری و لا بدی آزادی کا ہرگز نہیں ہے اور اسکو سلطنت جمہوری سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے بلکہ اس قسم کی سلطنت کے پہلے ہی اصول کے خلاف ہے وہ اصول یہ ہے کہ ہر فرد کی تعداد کے موافق اس کے قائم مقاموں کی تعداد ہونی چاہیے سلطنت جمہوری کا جزو اعظم یہ ہے کہ قلیل فریقوں کے وکلاء بقدر معتد بہ ہوں اور جس سلطنت جمہوری میں یہ نہ ہو وہ صرف نامی ہے اصلی نہیں ہے۔

جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تحقیق کرنے کے بعد ان دلائل کی قوت کا اندازہ کیا انھوں نے مختلف تدبیریں اس خرابی کو کم و بیش دفع کرنے کی تجویز کی ہیں۔ چنانچہ لارڈ جان رسل صاحب زیر اعظم نے منجملہ ان مسودات قانون کے جوائنٹ کمیٹی کی اصلاح کے لیے پیش کیے تھے ایک مسودہ قانون میں یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ انتخاب کنندہوں کے بعض حلقے اپنے صرف ممبر منتخب کے پارلیمنٹ میں بھیجا کوں



اور ہر انتخاب کنندے کو اجازت دیجائے کہ انہیں سے دو ممبرین کے انتخاب پر ووٹ ڈال دے۔ ڈسٹرکٹ ریٹیل نے اس مباحثہ میں جو فی الحال پارلیمنٹ میں ہوا ہے اس واقعہ کو یاد دلا کر لارڈ جان رسل کو ملامت کی ہے۔ ظاہر ڈسٹرکٹ ریٹیل کی یہ رسلے معلوم ہوتی ہے کہ کنسر ویٹو اور باب سیاست کو یہی نمایاں ہے کہ صرف ساکال لحاظ کریں اور جو کوئی شخص ایک مرتبہ بھی اچانکا اعراض کا خیال کرے انکی توہین کریں اور اُس سے بیزاری ظاہر کریں۔ بعض اہل سیاست نے یہ تجویز کی ہے کہ ہر ایک انتخاب کنندہ کو صرف ایک شخص پروٹ ڈینے کی اجازت دیجائے۔ انہیں سے ہر ایک تجویز کے بموجب فریق قلیل جو کسی مقام خاص کے انتخاب کنندوں کی جماعت کے ایک

سلسلہ یا خاص غلطی جو ڈسٹرکٹ ریٹیل نے کی ہے (جس سے پسمن صاحب نے چند روز کے بعد اپنی علیحدہ کتاب کا امریکا نامی تعریف کے قابل ہے) بخیر دیگر مثالوں کے ایک ایسی مثال اس امر کی ہے کہ کنسر ویٹو کنسر ویٹو اصول سے بھی بہت کم واقف ہیں۔ پولکس فریقوں سے اس امر کی امید کھانک لیسے نیک نما داد و ہوشیار ہیں کہ اپنے مخالفین کے اصول کو بھی بیکر عمل میں لاتے ہیں خیال خام ہے بلکہ اگر ہر ایک بن اپنے اصل کو بیکر کا رہنما ہوتا ہم غنیمت ہے۔ بنگلہ دہ کے قی میں بہت بہتر ہو اگر کنسر ویٹو ہر ایک کنسر ویٹو اور لبرل ہر لبرل پروٹ دیا کریں اگر ایسا ہو کہ تو ہکو بڑے عرصہ تک ان امور کا انتظار نہ کرنا پڑے جو ماندہ اس تجویز کے جسا کہ گورنر ہے اور دیگر تجویزات کے کنسر ویٹو اور لبرل و دونوں کا مصداق کی ہے جو کنفرس کنسر ویٹو مقتضی اپنی حقیقت اور اہمیت کے سب سے زیادہ اہم فرم ہے لہذا اس قسم کی غلطیاں اکثر اس سے ہوتی ہیں اور تمام مہنس ہے کہ اگر کسی امر کی نسبت کوئی ایسی تجویز پیش کی جائے جو صحیح اور عادلانہ کنسر ویٹو اصول کے موافق ہے اور اگر ذرا لبرل اسکے موافق ووٹ دینے کو تیار ہو تو بھی ایک جم غفیر فرم کنسر ویٹو کا انجین بند کر کے اسکی مخالفت پر آمادہ ہوتا ہے اور انکو منظر نہیں ہونے دیتا فقط ۱۲۷

ثلث کے برابر یا اُس سے زائد ہو تین ممبروں سے اقل مراتب ایک ممبر کو پارلیمنٹ کے لیے منتخب کر سکیگا یہی نتیجہ اس سے بہتر طریقہ سے اُس حالت میں بھی پیدا ہو گا کہ جب انتخاب کنندے کو تین ووٹ دینے کا حق حاصل ہو مگر اُس کو اختیار ہو کہ ایک ہی امیدوار پر تینوں ووٹ دے جیسا مسٹر جیمس گارتنہ مارشل نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے یہ تجویز بن اگرچہ کسی تجویز کے نہونے سے تو بدتر ہے یا بہتر بن لکن یہ صحت چیلہن اور اپنے مقصود اصلی بہت ناقص طور سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ارنے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ ہر مقام خاص کا وہ ذریعہ قبل جو کل آبادی کے ایک ثلث سے کم ہو بلکہ وہ سب ذریعہ قبل جنہیں انتخاب کنندوں کے متعدد حلقوں کے لوگ شامل ہوں بلا قائم مقام رہ جائینگے (یعنی اُنکا کوئی قائم مقام پارلیمنٹ میں نہوگا) مگر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ انہیں سے کوئی تجویز نہیں عمل میں لائی گئی اور اگر انہیں سے کسی تدبیر کا عمل درآمد کیا جاتا تو صحیح اصول قائم ہو جاتا اور ایسی تکمیل کی راہ نکل آتی۔ لکن واقعی قائم مقامی بدرجہ مساوی اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتی جب تک کہ انتخاب کنندوں کے کسی گروہ کو جسکی تعداد بحساب اوسط کسی حلقہ کی تعداد کے برابر ہو چاہے وہ ملک میں کسی مقام پر سکونت رکھتے ہوں یہ اختیار نہ حاصل ہو کہ باہمی مشارکت سے اپنے قائم مقام کو منتخب کریں۔ ایسے کامل درجہ کی قائم مقامی عمل پذیر نہیں معلوم ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک نہایت لائق و فائق اور وسیع النظر اور باریک بین صاحب نے جنکا نام مسٹر ٹامس ہیر ہے اسکا ممکن العمل ہونا اس طرح ثابت کر دیا کہ ایک ایکٹ پارلیمنٹ کا مسودہ تیار کر کے اسکے علحدہ آئینی تدبیر اسمین لکھ دی یہ تدبیر گویا بمثل ہے اور بڑی صفت اسمین یہ ہے کہ گورنمنٹ یعنی حکمرانی کے ایک

بڑے اصول کی عملدرآمد کا ایسا طریقہ تجویز کیا ہے جو یہ لحاظ اس امر خاص کے جو ملحوظ ہے بے نظیر ہے اور انہیں یہ خوبی بھی ہے کہ چند دیگر اہم اغراض بھی برائے ہیں۔

تجویز مذکورہ بالا کا محصل یہ ہے کہ انتخاب کنندوں کی وہ تعداد جو اس امر کی مستحق ہوگی کہ اس کا ایک ممبر پارلیمنٹ میں ہے اوسط نکالنے کے معمولی طریقہ سے دریافت کی جائیگی یعنی انتخاب کنندوں کی تعداد ان جگہوں کی تعداد پر تقسیم کی جائیگی جو پارلیمنٹ میں خالی ہیں اور جو کوئی امیدوار اس تعداد کو حاصل کرے جو حاصل سمت ہو وہ پارلیمنٹ کا ممبر قرار پائے گا اس سے بحث نہیں کہ وہ تعداد کتنی منقص المقام انتخابی حلقوں سے حاصل ہوئی ہے ووٹ منقص المقام امیدوار کو دیے جائینگے جیسا اب ہوتا ہے لکن ہر ایک انتخاب کنندے کو اختیار ہو گا کہ سارے ملک کے جس کسی حصہ میں کوئی شخص انتخاب کی امید داری کرے اسی کے موافق ووٹ دے۔ اور جن انتخاب کنندوں کو کسی مقام خاص کے امیدواران انتخاب کو اپنا قائم مقام مقرر کرنا منظور ہو گا وہ اختیار ہو گا کہ تمام ملک میں جس شخص کو سب سے زیادہ پسند کریں اور جو اپنے تئیں منتخب کرانے پر راضی ہو اپنے ووٹ کی مدد سے اس کو منتخب کرالیں۔ اس تجویز سے یہ فائدہ ہے کہ فریق قلیل کو جو دوسرے ووٹ دینے کے حق سے محروم تھا ہے حقوق انتخاب حاصل ہو جائینگے لکن بضرور ہے کہ نہ صرف وہ لوگ جنہوں نے کسی منقص المقام امیدوار کے موافق ووٹ دینے سے انکار کیا ہے بلکہ وہ لوگ بھی جنہوں نے انہیں سے ایک امیدوار کے موافق ووٹ دیا مگر مغلوب ہوئے دوسرے مقام سے اپنے اس قائم مقام کو منتخب کریں جو خود ان کے ضلع میں ان کو نہیں میرا یا۔ اسی غرض سے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ انتخاب کنندہ ایسی فہرست انتخاب داخل کر سکتا ہے جہاں سوائے اس شخص کے

نام کے جدا اسکو پسند ہے دیگر اشخاص کے نام بھی لکھے ہوں۔ اسکا ووٹ صرف ایک امیدوار کے لیے محسوب ہوگا لیکن اگر جس شخص کو اُس نے پہلے پسند کیا تھا وہ اسوجہ سے ممبر نہ منتخب ہوا ہو کہ تعداد کافی ووٹوں کی اسکو نہ حاصل ہوئی ہو تو شاید دوسرے امیدوار کی خوش قسمتی سے اُس انتخاب کنندہ کا ووٹ اسکو ملے لے گا۔ وہ انتخاب کنندہ اپنی فہرست کو اس سے بھی زیادہ امیدواروں کی تعداد پر مبنی اپنی پسند کے حامی کر سکتا ہے تاکہ جو نام فہرست کے سرے پر لکھے ہیں اگر اُسے تعداد ممبروں کی نہ حاصل ہو سکے یا بغیر اسکے ووٹ کی تعداد معینہ حاصل ہو سکے تو بھی دوسرے امیدوار کے انتخاب میں وہ ووٹ معین ہو سکے۔ ہوس آف کامنس کی تکمیل کے لیے جسے ممبروں کی ضرورت ہے انکی تعداد کو پورا کرنے کے لیے اور نیز اس غرض سے کہ تقریباً سب ووٹ پھین امیدواران انتخاب کو نہ ملجائیں جو نہایت عوام پسند ہوں یہ امر ضرور ہے کہ چاہے کوئی امیدوار کہتے ہی ووٹ کیوں نہ حاصل کئے لیکن تعداد معینہ سے زیادہ اسکے انتخاب میں نہ محسوب کیجائے اور باقی ماندہ انتخاب کنندوں کے ووٹ انتخاب کی فہرستوں میں جس امیدوار کا نام پہلے امیدوار کے بعد لکھا ہوا جسکو انکی ضرورت ہو اسکے انتخاب میں محسوب کیا جائے اور اُن ووٹوں کی مدد سے تعداد معینہ پوری کر لیجائے۔ متعدد طریقے اس امر کے تصفیہ کرنے کے لیے تجویز ہوئے ہیں کہ جتنے ووٹ امیدوار انتخاب میں چل سکے ہوں ان میں سے کون ووٹ اسکے انتخاب میں محسوب کیے جائیں اور کون ووٹ دوسرے امیدواروں کے لیے رکھے جائیں۔ اُن طریقوں کی تصریح اس مقام پر کرنا کچھ ضرور نہیں ہے۔ ووٹ اُن سب اشخاص کے جتنے قائم مقامی پارلیمنٹ میں دوسرے

طریقہ سے نوگی بینک اُس امیدوار کو ملنے کے باقی ماندہ ووٹوں کا تصفیہ علامہ نے  
 کے ذریعہ سے کرنے میں کچھ قباحت نہیں ہے لیکن اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں معلوم  
 ہوتا ہے کہ ووٹ کی فہرستوں کو صدر کے دفتر میں بجا کر ووٹوں کا  
 شمار کیا جائے اور پہلے - دوسرے - تیسرے اور دیگر ووٹ جو ہر ایک  
 امیدوار کو ملے ہیں دریافت کیے جائیں اور تعداد معینہ ووٹوں کی ہر ایک امیدوار کو  
 دی جائے جسے وہ تعداد حاصل کی ہو یہاں تک کہ تعداد ممبران ہوس کی پوری  
 ہو جائے اور پہلے ووٹوں کو دوسرے ووٹوں پر اور دوسرے کو تیسرے پر ترجیح دی جائے  
 اور علیٰ ہذا السیاس - انتخاب کی فہرستیں اور دیگر لوازم حساب عام دفتر میں  
 رکھے جائیں جان اُن سب لوگوں کی جنکو اس معاملہ سے کچھ تعلق ہے رسائی ہو سکے  
 اور جس امیدوار نے تعداد معینہ ووٹوں کی حاصل کی ہو اگر ممبر منتخب ہوا ہو اسکو اختیار ہے  
 کہ اس امر کو یا مسانی ثابت کر دے۔

تجوئیر مذکورہ بالا کے خاص مراتب یہ ہیں جو بیان کیے گئے۔ اسکی عملدرآمد کے  
 ذریعے بہت آسان ہیں اُنکی مفصل کیفیت میر صاحب کے رسالہ موسومہ انتخاب  
 ممبران پارلیمنٹ سے اور ممبری فاسٹ صاحب کے اُس سائے سے حسین  
 میر صاحب کے رفا رمل کی توضیح اوتھیل کی ہے دریافت ہو سکتی ہے۔ اس  
 آخر اند کر سالہ میں میر صاحب کی تجویز کو بہت صاف اور واضح طور سے بیان کیا ہے اور اس کے  
 بعض مطالب اصلی کو نکال دیا ہے جو فی نفسہ تو مفید تھے مگر اس تجویز کی سادگی میں زیادہ تغزل تھے

نسبت اسکے کہ اسکے عملی فائدہ میں معین ہوں۔ ان دونوں رسالوں کو جتنا غور سے دیکھیے اتنا ہی آپ کو یقین ہوتا جائیگا کہ یہ تجویز تجویزی عمل پذیر ہے اور اس سے فوائد عظیم تصور ہیں۔ اور یہ فوائد ایسے عظیم اور کثیر ہیں کہ میرے یقین میں انکی وجہ سے ہر صاحبِ حق تجویز ایک بہت بڑی اصلاح بخلا ان اصلاحات کے ہو گئی ہے جو گورنٹ کے علم اور عمل میں اس وقت تک ہوئے ہیں۔

پہلی خوبی تو اس تجویز میں یہ ہے کہ انتخاب کنندوں کے گروہ کے ہر ایک ممبر کی قائم مقامی موافق اسکی تعداد کے حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ صرف دو بڑے فریقوں کے اور شاید خاص مقامات میں خلیل فریقوں کی قائم مقامی حاصل ہو بلکہ کل قوم میں ہر ایک فریق قبیل کو جسکی تعداد اتنی ہو کہ از روے اصول انصاف قائم مقامی کا مستحق ہو اپنا قائم مقام پارلیمنٹ کے لیے منتخب کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ دوسری خوبی اس تجویز میں یہ ہے کہ کسی انتخاب کنندہ کا قائم مقام صرف برائے نام وہ شخص نہ مقرر ہوگا جسکو خود اُس نے نہیں پسند کیا ہے جیسا کہ بالفعل ہوتا ہے۔ بلکہ ہوس کا ہر ایک ممبر قائم مقام ایک جماعت متفقہ کا ہوگا یعنی ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار یا دس ہزار جس قدر کہ تعداد انتخاب کنندوں کے قاعدہ کی رو سے قرار پائی اُنکا قائم مقام ہوگا اور قائم مقام بھی ایسا جسکے انتخاب پر ہر ایک انتخاب کنندہ صرف و وطی ہی نہیں دیتا بلکہ سارے ملک میں اُسی کو چن لیتا نہ یہ کہ مثلاً دو تین مٹری ہوئی نارگیوں میں سے ایک کو پسند کر لیتا کیونکہ اگر وہ کسی مقام خاص میں انتخاب کرتا تو شاید اُسکو ایسا ہی کرنا پڑتا۔ اس تجویز کے باعث سے انتخاب کنندے اور اُنکے قائم مقام میں شریکیت کا گامیت ایسا مضبوط اور قیمتی ہو جائیگا جسکا تجربہ بالفعل ہم کو نہیں ہے اور گویا ہر ایک انتخاب کنندہ

اور اسکے قائم مقام میں من تو شدم تو من شدمی کی کیفیت ہو جائیگی۔ اور ہر ایک انتخاب کنندہ جو اسکے واسطے ووٹ دیکے دو وجہ سے دیکے یا تو اس وجہ سے کہ منجملہ اُن تمام امیدواران انتخاب کے جسے ایک گروہ انتخاب کنندوں کا حُسن ظن رکھتا ہے وہی ایک ایسا شخص ہے جو خود اس انتخاب کنندے کی راہوں کو بہت عمدہ طور سے ظاہر کرتا ہے یا وہ ایسا شخص ہے جسکی لیاقت اور وضع کو انتخاب کنندہ سب نے یاد مانا ہے اور جسکو وہ اپنا معتبر خیال کرتا ہے۔ اور وہ شخص قصبہ یا شہر کے باشندوں کا قائم مقام ہوگا۔ نیز کہ اسکے اثبات اور چونے کا قائم مقام ہو۔ اور صرف چند مشہور کمیون کا قائم مقام ہوگا۔ بلکہ خاص خاص مقامات کی قائم مقامی میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب باقی زمینگی اگرچہ قومی پارلیمنٹ کو خالص قائم مقامی امور کے بہت کم تعلق رکھنا چاہیے تاہم جب اسکو ایسے امور میں بھی دخل دینا پڑتا ہے تو ایسے ممبر بھی پارلیمنٹ میں یعنی چیمبرن جو ہر ایک بڑے مقام کے امور کی نگرانی کرنے کے لیے خاص طور سے مقرر کیے جائیں اور اس تجویز کے موافق ایسے ممبر موجود ہوں اور ہر ایک مقام خاص میں جہاں انتخاب کنندوں کی تعداد معینہ بہم پہنچ سکے اکثر لوگ عموماً یہی پسند کریں گے کہ اپنے زمرہ سے کسی کو اپنا قائم مقام بناوین اور وہ شخص ایسا ہو کہ اُس مقام خاص کے حالات سے آگاہ ہو اور وہیں سکونت رکھتا ہو بشرطیکہ ایسا کوئی شخص امیدواران انتخاب میں پایا جائے جو دوسرے طور سے بھی قائم مقامی کی عمدہ لیاقت رکھتا ہو۔ خاص کر فریق قلیل جب قائم مقامی بہت مختص کر لیگا تو امیدوار انتخاب کی تلاش اور کہیں کریگا گروہ امیدوار ایسا ہوگا کہ فریق مذکور کے ووٹوں کے علاوہ اور ووٹ بھی حاصل کریگا۔

منجملہ اُن تمام طریقوں کے جسے قومی قائم مقامی کے اصول کا قائم ہونا ممکن ہے یہ طریقہ ایسا ہے جس سے تحت کمال اس امر کا ہو جاتا ہے کہ قائم مقام وہ لوگ مفرد ہوں جو مطلوب عقلی لیاقتیں رکھتے ہوں۔ بالفضل یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جو شخص صرف لیاقت خدا واداد اور قابلیت کمسو بہ کھتا ہے اسکو ہوس آف کامنس میں داخل ہونا روز بروز مشکل ہوتا جاتا ہے۔ اور صرف وہی انتخاب پارلیمنٹ کے منتخب ہو سکتے ہیں جو کسی مقام خاص میں سوخ رکھتے ہیں یا زکیر صرف کر کے اپنے تئیں منتخب کرا لیتے ہیں یا جگہ دو بڑے پولیٹیکل فریقوں میں سے کوئی فریق یہ سمجھ کر کہ ہمارا فریق ہر حال میں اپنی جہر و سا کر سکتا ہے حسب مطلب تین چار سو داگروں یا اٹریون کے لندن کے کسی کلب سے بھیج دیتے ہیں۔

پیر صاحب کے قاعدہ کے موافق جو لوگ مقامی امیدوار دن کو نہ پسند کریں یا جس مقامی امیدوار کو پسند کرتے ہیں اسکو منتخب کرانے میں کامیاب نہ ہوں انکو اختیار ہوگا کہ فہرست امیدواران انتخاب میں جن مشہور و معروف آدمیوں کے نام لکھے ہیں اور جنکے عام پولیٹیکل اصول کے ساتھ وہ ہمدردی رکھتے ہیں انہیں سے جگہ چاہیں انکا نام اپنی فہرستوں میں لکھ لیں۔ پس شخص جسے کسی طور سے اعزاز و امتیاز حاصل کیا ہو گو کسی مقام خاص میں سوخ نہ رکھتا ہو اور کسی ملکی فریق سے بیعت بھی نہ کی ہو اسکو عمدہ موقع اس بات کا ملے گا کہ ووٹوں کی تعداد معینہ حاصل کرے اور جب لوگوں کو یہ ترغیب دی جائیگی تو اس کثرت سے امیدواران انتخاب پیدا ہو جائیں گے جسکا ہر وقت تک وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ صد ہا لاق اولڈ فاش آدمی جنکے منتخب ہونے کا احتمال انتخاب کنندوں کے کسی حلقہ میں کثرت کے ذریعہ سے



انہیں ہے اپنی تصنیفات یا رفاہ عام کی کوششوں کے باعث سے مشہور ہو گئے ہیں اور انگوٹک کے ہر ایک ضلع میں چند اشخاص پسند کرتے ہیں پس اگر ہر ایک ووٹ جو انکے موافق ہر ایک مقام پر دیا جائیگا انکے انتخاب میں محسوب کیا جائے تو شاید وہ ووٹوں کی تعداد معینہ کو پورا کر سکیں گے۔ اور کسی طریقہ سے اس امر کا یقین نہیں ہو سکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں نہایت چیدہ اور برگزیدہ آدمی داخل ہو سکتے ہیں یہ قاعدہ انتخاب ممبران ہوس آف کانٹنس کی طاقت علمی کو صرف قلیل فریقوں کے ووٹوں کے ذریعہ سے زیادہ نہ کر دیگا بلکہ اس قاعدہ سے فریق کثیر بھی اس بات پر مجبور ہو جائیگا کہ ایسے ممبروں کی فکر کریں جو ممبران جو دین سے بہت زیادہ لیاقت رکھتے ہوں جب فریق کثیر کے اشخاص کو دو باتوں میں سے ایک بات خواہ مخواہ اختیار کرنی پڑی کہ یا تو اسی شخص کے موافق ووٹ دین جیسو انکے مقامی پیشواؤں نے پیش کیا ہے یا اہل ووٹ ہی نہ دین۔ اور جب اس شخص کو جسے پیشوا یا ان مذکورین نے نام زد کیا ہے نہ صرف اس امیدوار کا مقابلہ کرنا پڑیگا جو فریق قلیل کی جانب سے پیش ہوا ہے بلکہ سارے ملک میں جتنے نامی و گرامی آدمی ہیں اور جو اپنے ملک کی خدمت گذاری کرنا چاہتے ہیں ان سب کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ تو یہ امر غیر ممکن ہو جائیگا کہ وہی شخص انتخاب کنندہ کے سر منظم دیا جائے جو اپنے پولیٹیکل فریق کا کلمہ گو ہو اور ترجیحاً پرنسپل پونڈ صرف کرنے کا مقدور رکھتا ہو اس صورت میں فریق کثیر جس امیدوار کو اپنی پسند کے لائق سمجھتا اسی کو منتخب کرے گا ورنہ اپنی ووٹوں کو اور کہیں بجائیگا اور فریق قلیل غالب آجائیگا اور فریق کثیر جو اپنے زمرہ سے چند کم یا یہ آدمیوں کا حربہ ہو جائیگا کہ اسے یہ بات بھی نہ باقی رہیگی بلکہ مشہور آدمیوں میں جو

سب سے زیادہ لائق وفاق ہونگے یہ ترجیح دیگر اشخاص پیش کیے جائینگے بلکہ اگر ممکن ہوگا تو وہ لوگ پیش کیے جائینگے جو اس مقام خاص کے بارہی نیکنام مشہور ہیں تاکہ انکی مقامی قوت اور جگہ کے اتفاقی و ولوں کے ذریعہ سے زیادہ ہو جائے۔ انتخاب کنندوں کے معلقون میں امیدواران انتخاب کی نسبت باہم رقابت پیدا ہو جائیگی اور ایک دوسرے کی ضد پر ان لوگون کو منتخب کرینگے جو علاوہ اسکے کہ مقامی حالات سے بخوبی واقف ہوں دیگر جو دوسے بھی لیاقتاً انتخاب کی رکھتے ہوں۔

**پنجابی گورنمنٹ** اس زمانہ کی تہذیب و نشانی کی طرح اعتدالِ مسموعی کیطرتِ اصل بالطبع ہے اور یہ میلانِ طبعی حق انتخاب کو بڑھانے گھٹانے سے گھٹنا بڑھنا رہتا ہے اور اس حق کے گھٹانے بڑھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل حکومت ان فرقوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو تعلیم کے اعلیٰ درجے سے بچے گئے جاتے ہیں لیکن اگرچہ بڑے بڑے صاحبانِ لیاقت اور اہل علم کی تعداد جاہلون سے خواہ مخواہ بہت کم ہوتی ہے تاہم صاحبانِ لیاقت کا تعداد میں کم ہونا اور بات بات اور یہ اور بات ہے کہ انکی کوئی بات سُنی جائے یا نہ سُنی جائے جھوٹی سلطنت جہوسی میں قائم مقامی کا حق سب کو نہیں دیا جاتا ہے بلکہ کثیر مقامی زریقون کو دیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ ایسی سلطنت جہوری میں تعلیم یافتہ فرقہ قلیل کی سائے کے اظہار کے ذریعے قائم مقامان قوم کی کمیٹی میں بالکل نہ موجود ہوں

یہ امر مسلم ہے کہ امریکا کی سلطنت جہوری میں جو اس ناقص اسلوب پر قائم ہوئی ہے بڑے بڑے لائق آدمیوں کو کمتر امیداریات کی پہلی ہے کہ کانگریس باضلاع کے

مجلس قانونی کے ممبر مقرر ہونگے لہذا وہ کمتر امیدواری کرتے ہیں اور اگر انتخابی امیدواری کرتے ہیں تو وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی ذاتی رایوں اور خیالات سے دست بردار ہونا جائز جانتے ہیں اور جو اُسے کم علم ہیں اُنکے نقل بننا گوارا کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی تدبیر جیسی ہیر صاحب نے قرار دی ہے امریکا کی سلطنت جمہوری کے روشنی اور وطن پرست بانیوں کے ذہن میں حسن اتفاق سے خطور کرتے تو کانگریس میں اور نیز اصلا ع کی مجلس قانونی میں اس قسم کے بہت سے ذمی لیاقت آدمی ہوتے اور سلطنت جمہوری میں وہ جس طرح نہوتی جو سب خرابیوں سے زیادہ اُسکی بدنامی کا باعث ہے شخصی قائم مقامی کا قاعدہ جو ہیر صاحب نے تجویز کیا ہے وہ اس مرض کے لیے گویا تریاق ہے اس قاعدہ کی رو سے فزوق قلیل ان تعلیم یافتہ اشخاص کا جو خاص خاص حلقوں میں جا بجا موجود ہیں متفق ہو کر اپنی تعداد کے موافق ممبر انھیں لوگوں کو منتخب کیا جو تمام ملک میں سب سے زیادہ لائق و فائق ہیں اور نہایت قوی جب اس بات کی ہوگی کہ وہ ایسے ہی آدمیوں کو منتخب کرے کیونکہ اُسکی قلت تعداد کی مکافات سوائے اس طریقے کے اور کسی طریقے سے ممکن نہیں ہے اس قاعدہ کے اثر سے ایک قاعدہ تو یہ ہوگا کہ فزوق کثیر کے قائم مقاموں کی لیاقت عمدہ ہوگی علاوہ اسکے سارا امید ان انتخاب کا انھیں کے ہاتھ نہ رہیگا۔ البتہ وہ اُسے تعداد میں تو اُسی قدر زیادہ ہونگے جب قدر کہ انتخاب کنندہوں کا ایک فرقہ ملک میں دوسرے فرقہ سے زیادہ ہے وہ اپنے ووٹوں سے اپنے رقبوں کو ہمیشہ مغلوب کرینگے لیکن اتنا تو ہوگا کہ اُنکی موجودگی میں کلام کرینگے اور ووٹ دینگے۔

اور انکی نکتہ چینی اٹھائینگے اور جب کوئی اختلاف ہوگا تو ان چند تعلیم یافتہ  
 و شخص کے دلائل کے جواب میں انکو ایسے وجوہ بیان کرنے پڑینگے جو اقل  
 مراتب و ادنیٰ نظر میں ویسے ہی قوی ہونگے اور صیاب بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب  
 ان اشخاص سے کلام کرتے ہیں جنہیں اتفاق رائے ہو چکا ہے تو یہ فرض کر لیتے  
 ہیں کہ ہمیں حق پر ہیں اُسطرح وہ لوگ یہ فرض نہ کر سکیں گے کہ ہمیں حق پر ہیں لہذا  
 کبھی کبھی ایسا بھی ہوگا کہ خود انکو یقین ہو جائیگا کہ ہم باطل پر ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عملاً نیک نیست  
 ہونگے اور قومی قائم مقاموں کا انتخاب اگر واجبی طور سے کیا جائے تو اتنی توقع تو  
 ان سے ضرور ہو سکتی ہے اور خود انکے دماغ ان تعلیم یافتہ اشخاص کے فیض صحبت  
 بلکہ انکی مخالفت سے بھی روشن ہو جائینگے اور جو لوگ ان مسائل کے مؤید ہیں  
 جو عام پسند نہیں ہیں وہ اپنے دلائل کو صرف ان کتابوں اور اخباروں میں نہیں  
 بیان کریں گے جو صرف انھیں کے طرفداروں کی نظر سے گذرتے ہیں اور جو لوگ باہم  
 مخالف ہونگے وہ دودب و مقابلہ کریں گے اور انکی عقلی قوت کی آزمائش ملک کے روبرو بخوبی  
 ہوگی اُسوقت یہ ظاہر ہو جائیگا کہ وہ رائے جو ووٹوں کی گنتی کے وقت غالب ہی  
 تھی اُسوقت بھی غالب رہی تھی جبکہ ووٹ جابجے گئے اور شمار بھی کیے گئے تھے اکثر  
 ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی لائق آدمی اپنی لیاقت کے اظہار کا ذریعہ پاہلنا ہے تو  
 عوام الناس اُسکو بخوبی بھان جاتے ہیں کہ یہ آدمی لائق ہے۔ اور اگر ایسے  
 آدمی کو اپنی پوری وقت کا ایک جز بھی نہ نصیب ہو تو اُسکا باعث وہ  
 آئین یا رواج ہے جسے اُسکو محروم رکھا ہے۔ لگے ٹرانے میں جو نوعی سلطنتیں  
 تھیں انہیں کوئی دستور ایسا نہ تھا جس سے کوئی لائق آدمی شہرت سے

محروم رہتا۔ مشیر سلطنت ہونے کے لیے اسکو کسی کی رضامندی کی ضرورت نہ تھی لیکن پنجابی گورنمنٹ میں ایسا نہیں ہے اور ایسی گورنمنٹ کے چہیت بڑے دوست ہیں بھی اس اندیشہ سے خالی نہیں ہیں کہ وہ ڈاسٹینئر ہتھمٹا کلیس کے صاحبزور سے قوم کی جان بچ جاتی اپنی زندگی بھر پارلیمنٹ میں جگہ نہ پائیگا لیکن اگر عالم مقاموں کی کلیٹی میں چند ہی اول درجہ کے روشن باغ آدمی داخل ہو جائیں اگرچہ باقی سب اوسط درجہ کی لیاقت کے آدمی ہوں تاہم یہ ممکن نہیں ہے کہ عام صلاح و مشورہ میں ان اعلیٰ درجہ کی لیاقت کے آدمیوں کا اثر بخوبی نہ محسوس ہو اگرچہ بعض امور کی نسبت انکی رائے لئے جمہور کے خلاف ہو۔ میرے خیال میں کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے ایسے عالی دماغ آدمیوں کا پارلیمنٹ میں داخل ہونے کا یقین ہو جا۔

ب۔ صرف طریقہ مجوزہ میر صاحب سے منظور ہے۔

مجلس قانونی (پارلیمنٹ) کا یہ جزر ایک مناسب دروزن فریو ایک بڑے بھاری تمدنی کام کا بھی ہو جائیگا جبکہ کرنے کی کوئی تدبیر کسی موجودہ سلطنت جمہوری میں نہیں کی گئی ہے مگر وہ تمدنی کام ایسا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی گورنمنٹ میں دو انا کی تعمیل نہ کیجائے اور پھر اس گورنمنٹ میں تنزل اور انحطاط نہو جائے اس کام کا نام مختصصت بے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر ایک گورنمنٹ میں ایک قوت ایسی ہوتی ہے جو اور سب قوتوں سے زبردست ہوتی ہے اور جو قوت سب کے زیادہ زبردست ہوتی ہے اسکا میلان طبعی ہمیشہ وحدت کی طرف رہتا ہے یعنی وہ قوت ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ ایک اکیلی میں ہی باقی رہوں، اور وہ قوت عملی ہو اور ہمیشہ یہی کوشش کیا کرتی ہے کہ اور سب میرے آگے سرنگون رہیں اور ہر وقت تک

فریق قلیل کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ لیکن سلطنت عوام کو قائم کرنے کا جو معمولی طریقہ ہے اس میں اس فریق قلیل کی سوائے کے اظہار کا کوئی آلہ یا ذریعہ نہیں رکھا گیا ہے اور یہ ذریعہ ہیر صاحب کے مجوزہ قاعدے سے مہیا ہو گیا ہے۔ کیونکہ جن قائم مقاموں کو مختلف فریق قلیل میں حیث المجموع منتخب کئے کے پارلیمنٹ میں بھیجینگے وہی انکے آراء کے اظہار کا آلہ بدرجہ اتم واکمل ہو جائینگے۔ تعلیم یافتہ فرقوں کی ایک علیحدہ کمیٹی مقرر کرنا اگر عمل پذیر ہو تو بھی نامناسب ہے گا اور اگر اُس کمیٹی سے لوگوں کو طال نہوگا تو صرف اسوجہ سے کہ وہ کچھ بھی رسوخ نہیں رکھیں گی۔ لیکن اگر ان تعلیم یافتہ فرقوں کے جیدہ اور برگزیدہ لوگ پارلیمنٹ میں اُس استحقاق سے شریک ہوں جس سے اور ہر شریک ہوتے ہیں یعنی اس استحقاق سے کہ یہ لوگ بھی قوم کی اُسی تعداد کے قائم مقام ہیں اور قومی مرضی کے اُسی جزو عدوی کے منظر میں جیسے اور لوگ ہیں تو سابق الذکر اشخاص کا پارلیمنٹ میں شرکت نہ کسی کو ناگزیر نہ گذرے گا اور انکو نہایت عمدہ موقع اس بات کا ملے گا کہ تمام اہم امور کی نسبت اپنی راہوں اور مشوروں کی طرف پارلیمنٹ کو مخاطب کریں اور نیز اس امر کا کہ حکومت کے انصرام میں علی شرکت کریں جب قدر کے انکے تعداد کا مقتضی ہے غالباً اُس سے زیادہ گورنٹ کے امور انتظامی میں صرف بوجہ اپنی لیاقت کے انکو دخل ہو جائیگا جیسا کہ مثلاً اہل تھنلس نے امور سلطنت کا انتظام کلیوں ماہی کی دوس کے سپرد نہیں کیا بلکہ ملک کے اندر اور بیرونجات میں بھی سیار اور تعمیر امنیہ اور اسبیا ڈیز سے برابر کام لیا گیا حالانکہ سب جانتے تھے کہ یہ لوگ سلطنت امر کے جویان ہیں سلطنت عوام کے خواہان نہیں ہیں تعلیم یافتہ فریق قلیل کا احاطہ

۱۷۰ پائے تخت یونان قدم کا نام ہے۔

و وٹ دینے میں تو اسکی تعداد کے موافق کیا جائیگا لیکن بسبب اُسکے علم کے اور اس عیب داب کے جو وہ اور دن پر رکھیگا اسکی اخلاقی قوت اُسکی تعداد سے بہت زیادہ سمجھی جائیگی۔ اس تجویز سے بہتر عقل انسانی کسی تدبیر کو اختراع نہیں کر سکتی ہے جس سے عوام کی رائے عقل اور انصاف کے دائرہ کے اندر رہے اور ان اسباب منزل سے محفوظ رہے جو سلطنت عوام پر موثر رہتی ہیں۔ اُس قوم کو جو سلطنت جمہوری کو پسند کرتی ہے اس طریقہ سے وہ نعمت حاصل ہو جائیگی جو دوسرے طریقہ سے ممکن نہیں ہے یعنی اُسکو وہ پیشوا لجا ئینگے جو خود اُس قوم سے زیادہ عالی دماغ اور با وضع ہونگے اور اس زمانہ کی سلطنت جمہوری کو کبھی کبھی کوئی لائق و فائق تدبیر بھی لجا ئیگا جیسے اگلے زمانہ میں پرکلیس یونان میں تھا اور ایک گروہ روشن دماغ اور صاحب الرائے آدمیوں کا ہمیشہ اُنہیں موجود رہیگا۔

**اس مسئلہ کی تائید میں تو ایسے ایسے قوی دلائل بیان کیے گئے اب** یہ دیکھنا چاہیے کہ اسکی تردید میں کیا دلائل پیش ہو سکتے ہیں۔ اگر اس نئی بات پر لوگ خوب غور کریں تو کوئی وجہ وجہ اسکے خلاف اُنکو نہ ملیگی۔ شاید کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو ظاہر میں تو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سب کے ساتھ برابر انصاف کرنا چاہیے مگر اُلٹا یہ چاہتے ہیں کہ دولت مندوں کے بدلے غریبوں کو غلبہ حاصل رہے۔ البتہ ایسے لوگ تو اُس تجویز کو ناپسند کرینگے جہیں امیر اور غریب دونوں یکساں رکھے گئے ہیں۔ مگر مجھے یقین نہیں ہے کہ اس ملک کے اہل حرفہ ایسی کوئی خواہش رکھتے ہیں اگرچہ میں اُس اثر کا ذمہ دار نہیں ہوں جو موقع حاصل ہونے پر اور بہ لطائف الجمل پیدا ہو کر آئندہ ایسی خواہش کو

اہل حرفہ کے دل میں پیدا کر گیا۔ ممالک متحدہ امریکا میں جان اُس فریق کو جو کثرت عددی رکھتا ہے مدت سے حکومت مطلقہ یا مطلق العنانی پورے طور سے حاصل ہے غالباً فریق مذکور اپنی جمہوری خود سری سے دست بردار ہونا اسی طرح منظور نہ کر گیا جس طرح ایک بادشاہ مطلق العنان یا گروہ امر اپنی حکومت مطلقہ سے دست کش ہونا نہ گوارا کر گیا۔ مگر میں یقین کرتا ہوں کہ انگلستان کی سلطنت جمہوری ابھی تک اتنے اسی کو غنیمت سمجھتی کہ اور لوگوں کے فریقی قانون سازی سے اُس کا تحفظ کیا گیا اور اُس تحفظ کے اختیار کو خود عمل میں لانے کی مدعی نہ ہوگی۔

میر صاحب کی تجویز پر جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے انہیں سے بعض کے زعم ناقص ہیں وہ تجویز عمل پذیر نہیں ہے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسکی کیفیت اچھی طرح سمجھی نہیں ہے یا یہ کہ اُسکو صرف نظر سرسری سے دیکھا ہے بعض آدمیوں کو اُس چیز کا نقصان گوارا نہیں ہے جبکہ وہ قائم مقامی کے نقصان مقام حیثیت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُنکے نزدیک قوم آدمیوں کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ افراد مصنوعی جو جغرافیہ اور نقشبات مردم شماری وغیرہ سے پیدا ہوئے ہیں اُنکا نام قوم ہے اور اُنکی پارلیمنٹ میں قائم مقامی قصابات اور ضلع کی ہونی چاہیے آدمیوں کی نہیں ہونی چاہیے۔ مگر قیاس اسکا نقصانی ہے کہ قصابات اور ضلع کی قائم مقامی اُس وقت ہوتی ہے جبکہ قائم مقامی اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو لوگ اُنکے باشندے ہیں اور انسان بھی ہیں مقامی جذبات موجود نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ کوئی ایسا انسان نہ موجود ہو جو اُنکا ادراک کرتا ہے نہ مقامی اغراض موجود ہو سکتے ہیں بغیر اُس آدمی کے جسکے وہ اغراض ہیں۔ اگر وہ افراد بشر جسکے جذبات



اور اغراض وہ ہیں قائم مقامی میں کوئی حصہ رکھتے ہیں تو وہ جذبات اور اغراض ان افراد بشر کے تمام دیگر جذبات اور اغراض کی مشارکت سے قائم مقامی کا پیرایہ رکھتے ہیں لیکن اسکی کوئی وجہ مجھے نہیں معلوم ہوتی کہ صرف وہی جذبات اور اغراض جو خاص مقامات کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں کیون قائم مقامی کے سزاوین یا اسکی کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ جو اور قسم کے جذبات اور اغراض کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں انکی پولیٹیکل تفریق یعنی فرقہ بندی صرف آخر الذکر جذبات اور اغراض کے موافق کیون کجاے پیچ لینا کہ ضلع یارک یا ضلع مڈل سکس اپنے باشندوں کے حقوق سے جداگانہ حقوق رکھتے ہیں یا یہ کہ ضلع اگر نیٹھ اور ضلع لورپول پر بمقابلہ انکے باشندوں کے واضعاً قانون کو خاص توجہ کرنی چاہیے ایک عجیب قسم کا معالطہ ہے جو الفاظ سے پیدا ہوا ہے۔

مگر عموماً معترضین قصہ کو تاہ کر کے صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ انگلستان کی خلقت ایسے قاعدہ کو ہرگز نہیں منظور کرے گی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ انگلستان کے لوگ ان صاحبوں کو کیا سمجھینگے جو ایسا سرسری فتویٰ انکے فہم و فراست کی نسبت دیتے ہیں اور یہ سوچنا فضول جاننے ہیں کہ کیا فلان بات صحیح ہے یا غلط اور بیشتر ہی سے شکور دکر دیتے ہیں۔ مجھے جو پوچھیے تو میرے نزدیک انگلستان کے لوگ تا وقتیکہ انکی آزمائش نہ کجاے اس الزام کے ہرگز مستحق نہیں ہیں کہ سخت یا علاج تعصب نسبت اس امر کے کہتے ہیں جو خود انکے حق میں یا اوروں کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بھی ہے کہ شدید تعصبات کا ہونا کسی شخص کا قصور نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ساری دنیا میں کہتے پھرتے ہیں کہ تعصبات

کی طرح رفع نہیں ہو سکتے پس ہکو انکے دفع کرنے کی کوشش کرنا محض بیکار ہے چاہے  
 کیسا ہی تعصب ہو علاج پذیر اسوقت نہیں باقی رہتا جبکہ وہ لوگ جو اسمین  
 شریک نہیں ہیں اُس سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ہکو قانون قدرت سمجھکر  
 قبول کر لیتے ہیں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو سناتے  
 آئین اور کوئی مخالفت اسکی نسبت نہیں ہے سوائے اُس صحیح اور جائز بگمانی  
 جو اُن نئی باتوں میں خواہ مخواہ ہوا کرتی ہے جولو اسقدر مشہرت نہیں حاصل ہوئی ہے  
 کہ انکا مالہ اور اعلیہ عموماً سب کو معلوم ہو گیا ہو۔ اسکا مانع قومی صرف عدم  
 واقفیت ہے۔ بیشک یہ بہت بڑا مانع ہے کیونکہ طبیعت اس تغیر عظیم کو بہت جلد قبول  
 کر لیتی ہے جو کسی چیز کے جوہر میں ہو اور اُس تغیر خفیف کو دیر میں قبول کرتی ہے  
 جو کسی شے کی صورت یا نام میں ہو۔ لکن عدم واقفیت ایک ایسا نقص ہے  
 کہ اگر کوئی مضمون فی الواقع عمدہ ہے تو چند ہی مدت میں اُسکی نسبت عدم واقفیت کا  
 عیب نفع ہو جاتا ہے اور اس زمانہ میں کہ بحث اور مباحثہ کا ایسا رواج ہے  
 اور عموماً لوگوں کو ترقی پر توجہ ہے جو امور سابق میں صد ہا برس میں انجام پاتے تھے  
 اب وہ چند ہی سال کی مدت میں عمل پذیر ہوتے ہیں۔

جب یہ رسالہ پہلی مرتبہ مشہر ہوا تھا اسوقت سے چند مخالفت نہ نکلتے چنانچہ  
 ہر صاحب کی تجویز پہنچتی ہے جس نے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس تجویز کے  
 اوصاف پر سابق سے زیادہ احتیاط اور مقبولیت کے ساتھ غور کیا گیا ہے۔  
 بڑی بڑی اصلاحوں پر اس طرح سے بحث بڑھتی جاتی ہے کہ پہلے تو عامانہ تعصب  
 انکے سدراہ ہوتا ہے اور اُنکی تردید میں وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جنکی قسد کچھ

منتصب محض ہے خوب جانتے ہیں مگر چون چون نصب کم ہوتا جاتا ہے وہ لالہ قوی ہوتے جلتے ہیں کیونکہ جب اس تجویز کو لوگ ابھی طرح سے سمجھ لیتے ہیں تو اس کے عیوب کے ساتھ وہ خرابیاں بھی کھجاتی ہیں جن کے باعث وہ فوائد جو اس سے پیدا ہو سکتے ہیں فوراً نہیں پیدا ہوتے لیکن جتنے اعتراضات میں کچھ شائبہ معقولیت کا پایا جاتا ہے اور جن کا علم محکم ہو ہے انہیں سے کوئی اعتراض بھی ایسا نہیں ہے جو پہلے ہی نہ معلوم ہو گیا ہو اور جس پر اس تجویز کے مؤیدوں نے غور کامل نہ کر لیا ہو اور جو بے بنیاد نہ پایا گیا ہو چکا جواب پیش پافتادہ ہو۔

جو اعتراض بادی النظر میں سب سے زیادہ قوی ہے اس کا جواب نہایت مختصر ہو سکتا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ دفتر صدر کی کارروائیوں میں فریب سے اور فریب کے شہ سے بچنا محال ہو جائیگا۔ فریب سے بچنے کی تدبیر ضروری لگی ہے کہ اس کارروائی کا اعلان کیا جائیگا اور انتخاب کے بعد ووٹ کی فہرستوں کو دیکھنے کی اجازت کامل و بجا لگی مگر معترض کہتا ہے کہ یہ تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ ووٹ کی فہرستوں کو جانچنے کے لیے ووٹ دینے والے کو وہ سب کام کرنا پڑیگا جس کو بہت سے کلارک یعنی محروں نے انجام دیا ہے۔ یہ اعتراض اس وقت ہوتا کہ اگر ایسی ضرورت ہوتی کہ ہر ایک ووٹ دینے والا ووٹ کی فہرستوں کی خود تصدیق کرے حالانکہ تصدیق کے معاملہ میں ووٹ دینے والے سے صرف اتنی توقع ہو سکتی ہے کہ اپنے خاص ووٹ کی فہرست کو جانچ لیا کرے کہ ہکا ہمتا کیونکہ کیا گیا ہے اور یہ مقصد اس طرح حاصل ہوگا کہ ہر ایک فہرست ایک مدت مناسب کے بعد اس مقام کو واپس کیجاے جہاں سے آئی تھی لیکن جو امر ووٹ دینے والے سے

نہو سکتا اسکو ناکام امیدوارانکے کارندے کر لینگے۔ وہ امیدواران انتخابی کام  
رہینگے اور جگو یہ خیال ہوگا کہ ہمارا انتخاب قوع میں آنا چاہیے تھا فرداً فرداً یا جب  
آدمی ملکر کسی کو ایسے مقرر کرینگے کہ انتخاب کی کل کارروائی کی تصدیق کرے اور  
اگر وہ لوگ کوئی فاحش غلطی نکالینگے تو ان کا غذا ت انتخاب کو ہوسٹ ٹکس کی  
ایک کمیٹی کے سپرد کرینگے جو کل انتخاب کی کارروائی کو جانچے اور تصدیق کرے گی اور  
اٹھین دسواں حصہ اس روپیہ اور اسنوٹ کا صرف ہوگا جو قاعدہ موجودہ کے  
بموجب ایک ہی فہرست انتخاب کے جانچنے میں صرف ہوتا ہے جو انتخاب کی  
کمیٹی کے روبرو پیش ہوتی ہے۔

فرض کیجیے کہ یہ تجویز عمل پذیر ہے تو بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ دو طریقوں سے  
اسکے نو انداز مل ہو جائینگے اور انکے بڑے مضر نتائج پیدا ہونگے پہلے تو یہ کہا گیا ہے  
کہ خاص خاص جماعتوں اور جگہوں اور مذہبی فرقوں اور ان سوسائٹیوں کو جو خاص  
مقاصد کے لیے قائم ہوئے ہیں جیسے مین لالیاگٹ غیر ہے یا ان جماعتوں کو  
جنہیں بہت شراکت اغراض دینیوی یا اتحاد مذہب کے اتفاق ہو گیا ہے اس تجویز سے  
غیر واجب اختیار حاصل ہو جائیگا۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ قاعدہ  
غریبی مقاصد کے لیے عمل میں لایا جائیگا یعنی ہر ایک پولیٹیکل فریق کجانب سے  
ایک فہرست چھٹواٹھاؤں امیدواران انتخاب کی سائے ملک میں گشت کجائیگی تاکہ  
ہر ایک حلقہ انتخاب میں جتنے لوگ اسکے مؤید ہیں وہ سب اسکے موافق ووٹ دیں۔  
اور ان لوگوں کے ووٹ تعداد میں ان ووٹوں سے بہت زیادہ ہو جائینگے  
جنگو ایک آزاد رلے امیدوار انتخاب حاصل کر سکیگا۔ پھر یہ بحث کیجاتی ہے کہ ٹکٹ

قاعدہ سے جیسا امریکا میں ہوا ہے ویسا ہی اس ملک میں بھی ہوگا کہ صرف بڑے بڑے مرتب فریقوں کو اس سے یہ قاعدہ ہوگا کہ لکھے ٹکٹوں کو لوگ آنکھ بند کر کے لے لینگے اور پورے پورے ٹکٹوں کے موافق ووٹ بیٹے اور ان کے ووٹوں سے زیادہ کسی کا ووٹ کبھی نہونے پانچا سولے اُن مذہبی فرقوں یا جماعتوں کے جنہیں بسبب مشارکت اغراض دنیوی یا اتحاد مذہب کے باہم اتفاق ہو گیا ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔

اسکا وزن ان ممکن جواب یہ ہے کہ کوئی اسکا مدعی نہیں ہوا ہے کہ میر صاحب کی تجویز یا دوسری تجویز کے موافق ترتیب سے کچھ کام نہ رہیگا۔ مندرجہ اور متفرق ارکان بمقابلہ مرتب شدہ جماعتوں کے ہمیشہ خفیف رہتے ہیں اور چونکہ میر صاحب کی تجویز فطری حالت کو تبدیل نہیں کر سکتی ہے لہذا اس بات کی توقع کرنی چاہیے کہ سب وہ فریق اور فرقے (خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے) جنہیں تربیت اور انتظام موجود ہے اپنی قوت بڑھانے کے لیے میر صاحب کی تجویز سے بخوبی مستفید ہونگے۔ مگر قاعدہ موجودہ کے بموجب تب جماعتیں سب کچھ میں اور متفرق و متفرق ارکان کوئی چیز ہی نہیں ہیں۔ یعنی وہ ووٹ بیٹے و لے جو کسی بڑے پولیٹیکل یا مذہبی فریق کے وابستہ نہیں ہیں کوئی ذریعہ اس بات کا نہیں رکھتے ہیں کہ کوئی شخص ان کے ووٹ سے مستفید ہو سکے۔ میر صاحب کی تجویز سے یہ ذریعہ انکو لمبا لنگا اور یانگے اختیار کی بات ہے کہ اس تجویز کو زیادہ یا کم جالا کی سے متعالین لائین اور حکومت میں اپنا پورا حصہ یا اس سے بہت کم حاصل کریں۔ مگر جو کچھ وہ حاصل کریں گے اس سے انکو فائدہ ہی ہوگا۔ اور جب فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر ایک خفیف معاملہ یا وہ اتفاق

جو کسی خفیف مقصد کے لیے بنو ہو ترتیب اسلوب حاصل کر لیا تو یہ کیوں خیال کیا جا  
 کہ قومی عقل اور قومی وضع کا معاملہ جو سب سے زیادہ اہم ہے غیر مرتب یا غیر مسلم ہوگا۔  
 اگر ترک بخواری کے ٹکٹ یا غریبون کے اسکول کے ٹکٹ یا اس قسم کے اور ٹکٹ ہو سکتے  
 تو کیا کسی حلقہ انتخاب میں ایک شخص بھی ایسا رفاه جوئے خلاق نہ نکلیگا جو ایک  
 بیاقت ذاتی کا ٹکٹ بنا کر اپنے تمام قرب و جوار میں اسکو گنت کر لے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے  
 کہ چند شخص لندن میں جمع ہو کر امیدواروں کی فہرست میں سب سے زیادہ ممتاز  
 آدمیوں کو بلا لحاظ خاص اختلافات رسلے کے منتخب کر کے اور تھوڑا خرچ گوارا کر کے  
 تمام حلقہ ہائے انتخاب میں اسکو شہر کر میں؟ واضح ہو کہ بغض جو قاعدہ انتخاب کا جاری  
 اسکے بموجب دونوں بڑے پولیٹیکل فریقوں کا اقتدار نامحدود ہے مگر ہر صاحب کی  
 تجویز سے انکا اقتدار محدود ہو جائیگا۔ اور نہ بڑے فریق نہ چھوٹے چھوٹے فریق  
 اپنی اپنی تعداد کی نسبت زیادہ نمونہ منتخب کر سکیں گے۔ امریکا میں ٹکٹ کے قاعدہ کا  
 عملہ رآمد ان حالات میں ہوتا ہے جو ہمارے ملک کے بالکس میں۔ یعنی امریکا میں  
 انتخاب کنندے فریقی گٹھون کے موافق ووٹ مٹے ہیں کہ وہ ان انتخاب کا  
 وار ودار محض کثرت عددی پر ہے۔ اور ووٹ اس شخص کے واسطے دینا  
 جسکی کثرت آرا حاصل کرنے کا یقین ہو اس ووٹ کو ضائع کرنا ہے۔ لیکن  
 ہر صاحب کی تجویز کے موافق جو ووٹ اس شخص کے واسطے دیا جائے  
 جسکی بیاقت مشہور ہے اسکا مقصد حاصل ہونے کی بھی ایسی امید ہے جیسی اس  
 ووٹ کے جو کسی فریقی امیدوار کے واسطے دیا جائے لہذا یہ امید  
 ہو سکتی ہے کہ وہ لیبرل یا کنسرویٹو جو علاوہ اپنے فریق کی خواہشوں کے اپنی

نوائی خواہشیں بھی رکھتا ہے کم نام اور بے وقعت فریقی امیدواروں کو کاٹ کر انکے بدلے ان اشخاص کے نام فہرست انتخاب میں درج کر گیا جو قوم کے افتخار کا باعث ہیں اور جب اس بات کا ظن غالب ان لوگوں کو ہو جائیگا جو فریقی امیدواروں کی فہرست لکھا کرتے ہیں تو انکو بڑا شوق اس امر کا پیدا ہوگا کہ اپنے اپنے ٹکٹوں پر صرف فریقی امیدواروں کے نام لکھیں بلکہ ان مشہور آدمیوں کے بھی نام لکھیں جو فریق تالی کی بہ نسبت انکے ساتھ زیادہ ہمدردی رکھتے ہوں۔

اس تجویز کی حelder آمد میں واقعی دقت یہ ہے کہ وہ ووٹ دینے والے جکی یہ خواہش ہے کہ اپنا ووٹ ان لائق و فائق اشخاص کے واسطے دیں جہاں کوئی مرہب یا سفارش کرنے والا نہ ہو ایسے چند ہی اشخاص کا نام لکھ کر باقی ماندہ فہرست انتخاب میں صرف فریقی امیدواروں کے نام لکھ دینگے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فہرست میں فریقی مرہبوں کی تعداد ان لوگوں کی تعداد سے زیادہ ہو جائیگی جنکو اپنا قائم مقام بنانا انتخابیوں کو منظور ہوگا۔ اس خرابی کے علاج کی اگر ضرورت ہوگی تو اس کا علاج یہ ہے کہ ثانوی یا احتیاتی ووٹوں کی ایک تعداد معین کر دی جائے۔ کوئی آزاد رائے ووٹ دینے والا چھ سو اٹھاون بلکہ ایک ہزار امیدواروں کے واسطے بھی ایسا ووٹ نہ دیکھا جو علم پر مبنی ہو۔ پس اس میں کچھ قیاحت نہیں ہے کہ اس کا ووٹ میں یا پاس پر یا جو کچھ تعداد ان امیدواروں کی ہو چکے انتخاب میں یہ گمان ہو کہ وہ اپنی ذاتی رائے دیگا اس تعداد پر محدود کر دیا جائے یعنی یہ گمان ہو کہ وہ بحیثیت ایک شخص کے ووٹ دیگا نہ یہ کہ کسی فریق کا مرید ہوگا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس قید کی بھی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ جب یہ قاعدہ بخوبی سمجھ لیا جائیگا تو یہ خرابی خود بخود دفع ہو جائیگی۔

اس خسرو کی کو دفع کرنا ان سب چھوٹے چھوٹے فریقوں کو مد نظر رہیگا جنکے اقتدار کی اس قدر مذمت کی گئی ہے۔ انہیں سے ہر ایک فریق ایک فریق اقل ہوگا جو اپنے ساتھیوں سے یہ کہیگا کہ صرف اپنے خاص امیدواروں کے واسطے ووٹ دو یا نہیں تو انکے نام سب کے اوپر لکھو تاکہ تمہاری قوت عددی یعنی کثرت سے انکو پورا موقع اس بات کا ملے کہ پیسہ و ووٹوں کے ذریعہ سے تعداد معینہ ووٹوں کی حاصل کریں اور بالکل نیچے کے ووٹوں پر نہ جھکنا پڑے۔ پس جو ووٹ دینے والے کسی خاص فرقہ یا جرگہ سے ہونگے وہ اس نصیحت سے مستفید ہونگے۔

چھوٹے چھوٹے جرگوں کو شیک اس قدر اقتدار حاصل ہوگا جس قدر پونا چاہیے یعنی وہ اسی قدر اقتدار کو عمل میں لاسکیں گے جسکے مستحق بلحاظ تعداد اپنے ووٹ دینے والوں کے ہونگے۔ اس سے زیادہ ایک حصہ بھی نہ پائیں گے۔ بلکہ اتنا بھی اقتدار حاصل کرنے کے لیے انکو ایک محرک اس بات کا پیدا ہوگا کہ اپنے خاص مقاصد کے انہماک کی غرض سے ان امیدواروں کو پیش کرینگے جنہیں اور قسم کے اوصاف ایسے ہونگے جنکے باعث اور ووٹ دینے والے بھی جو انکے فرقہ یا جرگہ کے نہیں ہیں انکے موافق ووٹ دینگے۔

تعجب کا امر یہ ہے کہ موجودہ قاعدوں کی تائید میں جو دلائل علی العموم لائے جاتے ہیں جس قسم کا اعتراض اُن پر کیا جاتا ہے اُسی طرف وہ گھما دیے جاتے ہیں چنانچہ چند ہی سال کا عرصہ گزر رہا ہے کہ اسوقت جو قاعدہ قائم مقامی کا جاری تھا اُنکی تائید میں اکثر لوگ یہ دلیل لاتے تھے کہ اس قاعدہ سے تمام اغراض اور کل فرقوں کی فائدہ مندی عمل میں آتی ہے۔ اور بینیک یہی لازم ہے کہ تمام اغراض اور کل فرقوں کی طرف سے دیکھ کر پارلیمنٹ میں موجود ہوں۔ مگر اس سے یہ استدلال کی گئی تھی



کہ اس قاعدہ کی تائید کرنی چاہیے جس سے جزوی اعتراض کی تائید کے واسطے نہ صرف وکلاء بلکہ جو مجلس وکلاء و پارلیمنٹ، مل گئی ہے۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ اس قاعدہ میں اور یہ صاحب کی تجویز میں کیسا فرق پڑتا ہے کہ اس تجویز سے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جزوی اعتراض کل پارلیمنٹ پر محیط ہو جائیں مگر انکی تائید کرنے کے لیے البتہ وکلاء ضرور موجود ہونگے مگر تاہم اس تجویز کی نیت کی جاتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ چونکہ فرقہ دار قائم مقامی اور عددی قائم مقامی دونوں کی عمدہ منتیں ہیں موجود ہیں اس لیے ہر طرفین نے ساتھی اعتراض کیا ہے۔

مگر قاعدہ مجوزہ ہر صاحب کے قبول کرنے میں واقعی دقت ایسی اعتراضات کے باعث سے نہیں ہے بلکہ اصل دقت یہ ہے کہ اس قاعدہ کو نہایت پیچیدہ بھکر لوگوں کو یہ شک ہے کہ آیا عمل پذیر ہے یا نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب شافی صرف یہ ہے کہ اسکی آزمائش کر لیجیے۔ جب اس تجویز کی خوب شہور ہو جائیگی اور نصف لوگ اسکی تائید پر بہ کثرت آمادہ ہو جائینگے اسوقت یہ کوشش کرنی چاہیے کہ کسی محدود رقبہ میں مثلاً کسی قصبہ کے میونسپل انتخاب میں یہ تجویز بطور آزمائش کے جاری کی جائے۔ ایک موقع اسکی آزمائش کا تو اسوقت جاتا رہا جبکہ یہ امر قرار پایا تھا کہ ضلع یارک کے ٹکڑے اس لیے کیے جائیں کہ اس ضلع کی طرف سے چار ممبر پارلیمنٹ میں ہوں۔ اس موقع پر اس نئے اصول کی آزمائش اس طرح سے کرنی چاہیے تھی کہ اس ضلع کے ٹکڑے نہ کیے جاتے بلکہ ووٹوں کی مجموعہ تعداد کا چارم جب کسی امیدوار کو ملتا تو وہ منتخب کر لیا جاتا۔ ایسی آزمائشیں ایک نہایت ناقص معیار اس تجویز کی عمدگی کی ہوگی مگر ایسے یہ فائدہ ہے کہ اسکے عمل درآمد کا طریقہ معلوم ہو جائیگا اور لوگوں کو یہ ثابت ہو جائیگا کہ یہ تجویز عمل پذیر ہے۔ اور اسکے عمل درآمد کے ذریعہ جو دقت

ہو جائیگی اور کچھ مادہ اس امر کا تصفیہ کرنے کے لیے ہم پہنچا کہ جو قوتیں بہت سخت تھیں گئی ہیں آیا وہ واقعی ہیں یا محض خیالی ہیں جس میں وزیرس تجویز کی ایسی جزوی آزمائش کو پارلیمنٹ منظور کر لگی میرے نزدیک وہ دن پارلیمنٹ کی اصلاح کی تاریخ میں یادگار ہوگا جس سے پانچاقتی گورنمنٹ کی شکل ہو جائیگی جو اس کی ماہیت سے اور اس کے عروج کے زمانہ سے مناسب رکھتی ہے یعنی وہ زمانہ جبکہ پانچاقتی گورنمنٹ اس حجتی مرحلہ کو طے کر جائیگی جس میں دنیا نے اس وقت تک ہلکو دیکھا ہے۔

اگرچہ ڈنمارک ہی ایسا ملک ہے جس میں شخصی قائم مقامی کا قاعدہ دستور سلطنت میں دخل ہو گیا ہے تاہم اس مضمون کو اس زمانہ کے عقائد نے بہت جلد قبول کر لیا ہے۔

اس رسالہ کی طبع سابق اور طبع لاحق کے مابین جو زمانہ منقعی ہوا، اس میں ہم معلوم ہو گیا ہے کہ جس تجویز کی آزمائش کی اصلاح اس سال میں کی گئی ہے اس کا امتحان میونسپل یا پرنسپل درجہ سے زیادہ درجہ پر کیا گیا ہے اور چند سال سے اس کی آزمائش برابر ہو رہی ہے چنانچہ ڈنمارک کی سلطنت میں قلیل فریقوں کے ساتھ اس کی قائم مقامی اس تجربہ کے موافق قرار دی گئی ہے جو سہرے صاحب کی تجویز سے ایسی مشابہت نامہ رکھتی ہے جس سے منجھ اور مثالوں کے ایشال اس بات کی ہم پہنچی ہے کہ وہ مضامین جن سے وہ کلین حل ہو جاتی ہیں جو انسان کی یا اس کی سماجی یعنی طرز معاشرت کی عام حالت سے پیدا ہوتی ہیں متعدد عالی درجہ آدمیوں کو ایک ہی زمانہ میں کیے معلوم ہوتے ہیں۔ ڈنمارک میں جو قاعدہ انتخابی ہے اس کی اس صفت کو رابرٹ لٹن صاحب نے نہایت لیاقت اور وضاحت کے ساتھ لکھ کر انگلستان کے پبلک یعنی عام و عام کو خوب کھا دیا ہے اور جن رپورٹوں میں کیفیت لکھ کر شامل کی ہے وہ سفارت انگریزی کے سکرٹریوں کی رپورٹ ہیں جن میں اس کے حکم سے اس سال میں طبع ہوئی تھی۔ پس میرے صاحب کی تجویز جو کواکیم اینڈری کی تجویز بھی کہہ سکتے ہیں محض ایک خیالی منصوبہ کے درجہ کو طے کر کے ایک پوٹیکل واقعہ کی تک پہنچ چکی ہے۔

جن جن ملکوں میں اب عام ووٹ کا قاعدہ ایک امر ضروری و لازمی سمجھا جاتا ہے انہیں  
یہ تجویز مقبول ہوتی جاتی ہے۔ سلطنت جمہوری کے مؤیدین اپنے اصول کا نتیجہ منطقی پس  
اصول کو تجویز کر کے اسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو لوگ سلطنت جمہوری کو پسند تو نہیں کرتے  
مگر اسکو مجبوری قبول کرتے ہیں وہ اس تجویز کو ان دقتوں کا مصلح تصور کرتے ہیں  
جو سلطنت جمہوری سے پیدا ہوتی ہیں اسکی ابتدا سوٹزر لینڈ کے پولیٹیکل عطلا سے  
ہوئی ہے اور فرانس کے پولیٹیکل محققین نے انکی تقلید کی۔ اور دن کا ذکر کرنا کیا  
ضرور ہے عرصہ قلیل میں فرانس کے دو نہایت مغز اور معتبر پولیٹیکل مورخوں نے  
جسین سے ایک معتدل رائے کا لبرل ہے اور دوسرا کٹارٹیل ہے اس تجویز سے  
اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے۔ جرمنی میں اس تجویز کے مؤیدوں میں سے ایک نہایت ممتاز پولیٹیکل  
مورخ ہے اور وہ گرانڈ ویوک آف بیڈن کے لبرل وزیر اور کی کونسل کا ممبر بھی ہے  
اس مضمون کی شرکت پولیٹیکل خیالات کی اُس ترقی میں بھی ہے جو امریکا کی سلطنت  
جمہوری میں ہوئی ہے اور امریکا کی سلطنت جمہوری ایک نتیجہ اُس جنگ عظیم کا ہے  
جو انسان کی آزادی کے لیے ہو رہی ہے۔ آسٹریلیا کی نوآبادیوں میں  
ہمیر صاحب کی تجویز مجالس قانونی کے معرض غور میں ہے اور اگرچہ ہمنور اسکو  
قبول تو نہیں کر لیا ہے مگر ایک قوی فریق اسکا مؤید موجود ہے اور ہمارے  
ملک میں بھی اکثر کنسرومیٹو اور ریڈیکل فرقہ کے لوگوں نے اسکے اصول کو بخوبی سمجھ  
لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال محض بے بنیاد ہے کہ یہ تجویز اسقدر عجیب ہے کہ  
عموماً قابل فہم اور عمل پذیر نہیں ہے۔ اس تجویز اور اسکے فوائد کو عموماً سمجھانے کے لیے کوئی  
اور بات ضرور نہیں ہے بجز اسکے کہ وہ وقت آجائے کہ لوگ تکلیف کر کے اس پر توجہ دینی پڑے

## آٹھواں باب

دودھ رائے زنی کی توسیع کے بیان میں

ایسی پانچاچی گورنمنٹ جسکی مختصر کیفیت سابق میں بیان کی گئی۔ جس میں قائم مقام کل قوم کے موجود ہوں نہ یہ کہ صرف فرقہ کثیر کے جس میں وہ غرض اور وہ رائے اور وہ درجے عقل کے جڑ تھیں کم ہیں مسموع ہو سکیں (یعنی ان کے دلائل سن تو لیے جا سکیں) اور انکو اپنے کمالات کی بدولت اور اپنے دلائل کی قوت کے باعث وہ رسوخ حاصل ہونے کا موقع ملے جو محض کثرت تعداد سے انکو نصیب ہوتا۔ صرف ایسی ہی سلطنت جمہوری مساوی القوت اور جذبہ اری سے بری اور حکومت اعلیٰ علی الاعلیٰ اصل قوم کی حکومت اپنے نفس پر ہوگی۔ سچی سلطنت جمہوری یا پانچاچی گورنمنٹ اسی کا نام ہے اور ایسی گورنمنٹ ان سب ہی خرابیوں سے بری ہوگی جو ان جھوٹی جمہوری سلطنتوں میں پائی جاتی ہیں جو فعل رائے ہیں اور جسے سلطنت جمہوری کا مضمون متعارف تھا کیا گیا ہے۔ لیکن ایسی سلطنت جمہوری میں بھی حکومت مطلقہ فرقہ کثیر کو حاصل ہوگی اور اس فرقہ میں ایک ہی فرقہ کے لوگ ہونگے جو ایک ہی قسم کے خیالات اور تعصبات وغیرہ رکھتے ہونگے اور اس فرقہ کے لوگ ایسے ہونگے جو سب زیادہ ذی علم اور ذی شعور ہیں پس ایسی گورنمنٹ سے اب بھی وہ بخرایان پیدا ہونگی جو فرقہ کثیر گورنمنٹ کو لازم ہیں اگرچہ پخرایان ان خرابیوں سے درجہ میں بہت کم ہونگی جو اس گورنمنٹ سے پیدا ہوتی ہیں جو کسی خاص فرقہ سے متعلق ہو اور فرقہ کو تسلیم و دخل ہی نہ ہو۔ فی زمانہ اسی کو سلطنت جمہوری کہتے ہیں۔ اور اس سلطنت پر کوئی مؤثر قید یا روک نہیں ہے بجز اسکے کہ فرقہ صاحب حکومت ہے وہ نیکو سلیم اور ہمدان اور عفو و درگزر کو اپنا شعار گردانے۔ اگر اس قسم کی قیدیں کافی ہوں تو پانچاچی گورنمنٹ کا فلسفہ صرف ایک دھوکا ہے۔

۱۔ دھوکا کیسی کا ترجمہ ہے ۱۱

اس قسم کی گورنمنٹ کا اعتبار جو نہیں کیا جاتا ہے اس وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ اگر کان دولت و صاحبان حکومت اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرینگے بلکہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر سکیں گے سلطنت جمہوری عقلاً عمدہ ترین قسم حکومت نہیں ہے تا وقتیکہ یہ عیب نفع بایک نہ کر دیا جائے یعنی تا وقتیکہ وہ سلطنت اس پنج پر مرتب ہے بجائے کہ کسی فرقہ کو اگرچہ تعداد میں کثیر ہو سکے لیکن سوکے اپنے اور سب کو امور حکومت میں بالکل ناجائز بنا دے اور وضع قوانین اور تنظیمات صرف اپنے فوری اغراض کے موافق کرے پس غور طلب امر ہے کہ کس فیصلے سے اس خرابی کا انسداد ہو سکتا ہے بغیر اسکے کہ سلطنت جمہوری کے مخصوص فوائد میں نقصان واقع ہو۔

یہ دونوں ضرورتیں اس تدبیر سے نہیں رفع ہو سکتی ہیں کہ ووٹ کا حق محدود کر دیا جائے جس سے کوئی حصہ آزاد رعایا کا اس سلطنت میں مشارکت سے جبراً محروم ہو جائے آزاد گورنمنٹ کے فوائد عظیم میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ سب کے لئے درجہ کے لوگوں کو بھی انتظام امور سلطنت میں اتنا شعور و لطف آجائے اور ان کے خیالات ایسے درست ہو جائیں کہ ان کا رد و قبول میں دخل دیکھیں جو ان کے ملک کے اہم عظیم غراض میں موثر ہیں اس مسئلہ کو میں ایسے شد و سہ بیان کر چکا ہوں کہ اب اس کا اعادہ صرف اس خیال سے کرتا ہوں کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو نوعی سلطنتوں میں اس نتیجہ کی وہ وقعت کو نہیں سمجھتے تھے۔ لوگوں کو یہ خیال ہے کہ ایک سبب تھنیت سے ایک اثر عظیم کی توقع کرنا خلاف عقل ہے یعنی سمجھنا کہ پولیٹیکل امور میں رائے زنی کے حق کو عمل میں لانا ایک قومی ذریعہ مزدور و پیشہ لوگوں کی عقلی ترقی کا ہوگا ایک خیال خام ہے تاہم اگر عوام الناس کو فراقی عقلی ترقی کا حاصل ہونا محض غائب خیال نہیں ہے تو اس ترقی کے حصول کی یہی ایک سبیل ہے اگر کوئی شخص یہ خیال کرے

۱۔ اصل انگریزی میں یہ سیدوشن کا لفظ ہے جس کا معنی دال بجا یعنی گورنمنٹ یا سلطنت جمہوری ہے ۱۱

کہ عوام الناس کی ترقی کی یہ سبیل نہیں ہے۔ تو ایم ڈی ٹاکول کی باوقفت کتاب کے کل مضمون کو میں اپنے اس دعویٰ کی دلیل گردانتا ہوں۔ علی الخصوص یہ امر کہ مصنف موصوف نے امریکا والوں کی فہم و فراست کا کیا اندازہ کیا ہے۔ تقریباً سیاحوں کو یہ امر دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ہر ایک باشندہ امریکا کسی کسی معنی سے محبت ظن بھی اور بڑھا لکھا بھی ہے۔ اور ایم ڈی ٹاکول نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان اوصاف کو امریکا کے طرز سلطنت سے کیسا تعلق تام ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات اور مذاق جیسا امریکا میں علی العموم نظر آتا ہے اور کسی ملک میں نہیں دکھائی دیتا ہے بلکہ اور ملکوں میں کیفیت حاصل ہونا امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ نسبت اس امر سے نہیں لکھا ہے

۱۔ انتخابی بل نیواک کی نائیل گاہ کے انگریزی کسٹری رپورٹ سے جو کیری صدمہ کے رسالہ میں اصول علم تمدن سے نقل کیا گیا ہے دلیل قطعی اس دعویٰ کے ایک جزو کی ہے جو تین میں لکھا ہے۔ درج ہوا۔

ہمارے ملک (انگلینڈ) میں چند بڑے بڑے انجینر اور کارگر اور ایک بڑا گروہ ہنرمند اہل حرفہ کے گراں باطل امریکا کے باشندے اسی قسم کے لوگ ہو جائینگے۔ اب بھی امریکا کے دریاؤں میں لگن بوٹوں کا جو دم تہا ہے اور وہ ان کا رخا نہ یا صنعت و حرفت کثرت جو دہین اور امریکا کے قصبات یزج سوئیڈن، لچم اور ڈینمارک اور سویڈن یا لینڈ کے قصبوں پر گورے بخت لینگے ہیں۔ سب ہنرمند و پیشہ جی فی زمانہ ان قصبوں کے باشندوں کے امتیاز کا باعث ہے اور کوئی فی ایسا نہیں ہے جو یورپ یا امریکا میں بڑے سادی یا امریکا میں یورپ بہتر نہ بڑا جاتا ہو اگر وہ فن یورپ میں صدمہ برس سے جاری اور ترقی پذیر ہے۔ اور قوموں کو یہ سکرٹ رنچ بچے گا کہ آئندہ یہ امید ہے کہ امریکا کے سب باشندے ایسے کامل اور مافی دگر اعلیٰ صانع ہو جائینگے جیسے فرینکلن، ہیمون سن۔ اور واٹس تھے یورپ میں چند شخص اس اپنے اپنے فن میں چاہا کیسے ہی کامل اور حائق ہوں مگر وہ ان کے اکثر باشندوں کی کامل الوجودی اور بے غلی کے مقابلہ میں امریکا کے سب باشندوں کا اعلیٰ العموم بخوبی خواندہ ہونا ایک ایسا امر ہے جس پر سب لوگوں کو توجہ کرنا لازم ہے ۱۲۔

جسکی امید اس گورنمنٹ سے ہو سکتی ہے جسین اور جمہوری سلطنتوں کے مانند رعایا  
 علی العموم شریک ہے مگر جسکی ترتیب دیگر اعتبارات سے اور ون سے بہتر ہے کیونکہ  
 امریکا میں پولیٹیکل زندگی کا ایک نہایت مفید اسکول ہے مگر ایسا اسکول ہے جس سے  
 بڑے بڑے لائق علم خاں رکھے گئے ہیں۔ یعنی اس ملک میں جو لوگ سب نئے یا وہ  
 عالی دماغ ہیں وہ قومی قائم مقامی سے اور عوام امور حکومت میں مداخلت سے ایسے  
 محروم ہیں کہ گویا وہ اس قابل ہی نہیں ہیں۔ علاوہ اسکے چونکہ امریکا میں حکومت کا  
 ماتخذ صرف عوام ہیں لہذا اس ملک کے تمام خود غرضوں اور حریصوں کا میلان  
 طبعی عوام ہی کی طرف ہے یعنی جس طرح شخصی سلطنتوں میں بادشاہ کی خوشامد اور چاہوئی  
 کیجاتی ہے اسی طرح امریکا میں عوام کی خوشامد کیجاتی ہے اور حکومت کے مخرب نتائج  
 اسکے مفید اور ترقی بخش تاثیرات کے ہم قدم رہتے ہیں پس اگر باوجود اس نقص کے  
 امریکا کی سلطنت جمہوری کی برکت سے وہاں کے ان کے درجہ کے باشندے بھی اسی  
 اعلیٰ درجہ کی ایات عقلی رکھتے ہیں جو انگلستان یا اوکسی ملک کے اس طبقہ کے لوگوں کو  
 نصیب نہیں ہے تو امریکا کے لوگوں کی اسوقت کیا کیفیت ہوتی کہ اگر وہاں کی سلطنت کا  
 اثر نیک بنیز اثر بد کے باقی رہ سکتا اور یہ بات ایک حد تک ہو سکتی ہے مگر مقصد طرح سے  
 نہیں آسکتا ہے کہ امریکا کے باشندوں کا وہ جزو عقلی ترقی کے وسائل اور وقیم کے محرکات  
 بہت کم رکھتا ہے سب اور عبید اور عبید اغراض کے اثر میں با علم سے محروم رکھا جائے جو  
 پولیٹیکل معاملات پر توجہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مزدور پیشہ لوگ جو اپنے معمولی کام میں  
 شب و روز مصروف رہتے ہیں اور جن کا طرز معیشت اس قسم کا ہے کہ مختلف  
 خیالات اور حالات سے انکو کچھ مطلب نہیں اور دنیا اور بائیں کی انکو کچھ خبر نہیں ہے

صرف پولیٹیکل معاملات پر بحث کرنے کے ذریعہ سے یہ امر معلوم کر سکتے ہیں کہ بعد ہر باب اور وہ سوانح جو بہت دور واقع ہوتے ہیں ان کے اغراض ذاتی پر بھی بدیہی اثر کھینچتے ہیں اور پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے اور پولیٹیکل کارروائی کو ہیئت مجموعی کرنے سے انہیں جس کے روزانہ اشغال ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر ان کے اغراض کو محدود رکھتے ہیں اپنے ہوطنوں کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کرنا سیکھتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی ایک بڑے گروہ کا شریک حال ہوں۔ مگر پولیٹیکل مباحثوں سے ان لوگوں کو کیا سود کار ہے جو ووٹ یعنی رائے دہی کا حق نہیں رکھتے ہیں اور نہ ہلکو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگوں کی کیفیت بمقابلہ انتخاب کنندہوں کے ایسی ہے جیسے عدالت میں سامعین کی کیفیت بمقابلہ اُن بارہ آدمیوں کے ہے جو جوری کے کٹہرے میں بند ہوں۔ نہ تو ان لوگوں کے ووٹ کوئی مانگتا ہے نہ ان کی رائے پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو استثناء کیا جاتا ہے یا دلیلیں بیان کی جاتی ہیں وہ بھی اور لوگوں سے بیان کی جاتی ہیں ان سے نہیں بیان کی جاتی ہیں اور ان کے فیصلہ پر کوئی امر موقوف نہیں ہے نہ ان کو کوئی ضرورت یا رغبت اس بات کی ہے کہ کوئی فیصلہ بجائے خود کو بن بطلنت جمہوری میں جو کوئی شخص ووٹ نہیں رکھتا ہے اور نہ ووٹ حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے یا تو وہ ہمیشہ اپنے ملک کا بدخواہ رہیگا یا یہ سمجھیگا کہ اپنے ملک کے معاملات سے مجھ کو کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ میری جانب سے اور لوگ اُن کا انتظام کرتے ہیں اور قوانین سے مجھ کو سروکار نہیں ہے پھر اسکے کہ ان کی اطاعت کروں اور نہ عام اغراض اور معاملات سے مجھ کو کچھ تعلق ہے پھر اسکے کہ ان کی زیرکھیا کروں یہ امر کہ ایسا شخص پولیٹیکل امور کو کیا جانتا ہے اور ان کی کیا پروا رکھتا ہے کسی قدر



یون سچہ میں کہتا ہے کہ ایک اوسط درجہ کی عورت اپنے شوہر یا بھائیوں کے مقابلہ میں پولیٹیکل معاملات کو کیا جانتی ہے اور انکی کیا پروا کھتی ہے۔

علامہ ۵۰ ان سب جو کہ کسی شخص کو اس معمولی حق سے محروم کرنا کہ ان معاملات کے انتظام میں جسے وہ بھی ویسا ہی تعلق رکھتا ہے جیسا اور لوگ رکھتے ہیں انکی رائے کا لحاظ رکھا جائے اس شخص کے ایک فانی نا انصافی کرنا ہے الایہ کہ اس کے عظیم تر حرامیوں کے انسداد کی غرض سے وہ شخص اس حق سے محروم رکھا جائے۔ اگر اس شخص سے زبردستی ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے۔ اگر وہ لڑائی بھڑائی پر مجبور ہو سکتا ہے۔ اگر اسکو قانون کی اطاعت بلا عذر و منت کرنی پڑتی ہے۔ تو وہ قانون اسکا مستحق سمجھا جائے کہ یہ اس سے کہدیا جائے کہ یہ سب انکو کیون کرنا پڑتا ہے اور انکی مرضی دریافت کیجائے اور انکی رائے کی وہ وقت کیجائے جبکی وہ مستحق ہے اس سے زیادہ نیکیجائے ایک کامل خلقت اور مذہبی تم میں کوئی چر یا یا سو در نہونا چاہیے نہ کسی شخص کو ناقابل سمجھنا چاہیے الایہ کہ اسکا ناقابل ہونا خود اسکا قصور ہو نہ شخص خواہ واقف ہو خواہ نہ ہو اسوقت حیر ہو جاتا ہے جبکہ اور لوگ اس سے لپچھتے بھی نہیں اور انکے نیک و بد پر نامحدود اختیار حاصل کر لیتے ہیں انسان کی عقل نے جہان تک ترقی کی ہے اس سے بہتر اور برتر حالت میں بھی ممکن نہیں ہے کہ جن لوگوں سے ایسا سلوک کیا جائے انکے ساتھ ویسا انصاف کیا جائے جیسا ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جو کچھ دخل اپنے ملک کے پولیٹیکل معاملات میں رکھتے ہیں حکام اور صاحب حکومت فرقوں کو ضرور خیال ان لوگوں کے اغراض اور خواہشوں کا رکھنا پڑتا ہے جو رائے زنی کا حق رکھتے ہیں لیکن جو لوگ اس حق سے محروم رکھے گئے ہیں انکے باب میں حکام کو اختیار ہے کہ ایسا کریں۔

یا نہ کریں اور اگرچہ حکام کیسے ہی نیک نیت اور یا نڈر ہوں عموماً کارہائے ضروری سے  
 انکو اتنی فرصت نہیں ملتی ہے کہ ان امور کا خیال رکھ سکیں جن پر توجہ نہ کرنا موجب الزام و  
 عیب و وٹ کے باب میں جو کچھ انتظام کیا جائے ہمیشہ کے لیے لائق اطمینان  
 نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ کوئی شخص یا فرقہ اُس سے عمداً خارج رکھا جائے اور تا وقتیکہ  
 انتخاب کا حق سب بالغ اشخاص پر جو اُسکے خواہان ہوں عام نہ کر دیا جائے۔  
 تاہم چند اشخاص کا اس حق سے محروم رہنا ایسے بدیہی وجوہ پر مبنی ہے جو  
 اس اصول کے منافی نہیں ہیں اور اگرچہ انکی محرومی بھی فی نفسہ کوئی اچھی بات نہیں ہے  
 مگر اُس سے کچھ چارہ بھی نہیں ہے جب تک کہ وہ حالت جو انکی ہے جاتی نہ رہے۔ میرے  
 نزدیک یہ امر گز قابل تسلیم نہیں ہے کہ کوئی شخص و وٹ میں شریک کیا جائے  
 بغیر اسکے کہ وہ بڑھا لکھا ہوا اور کچھ حساب بھی جانتا ہو۔ اگر و وٹ اسپر موقوف نہ ہو  
 تو بھی انصاف اسی کا مقتضی ہے کہ ان ابتدائی کمالات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہر شخص کے  
 لیے خواہ مفت خواہ اتنے خرچ سے جو اُس سے زیادہ نہ ہو جو سب سے زیادہ غریب  
 آدمی کے بھی مقدور سے باہر نہ ہو مینا کیا جائے۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو و وٹ کا  
 حق ناخواندہ آدمی کو دینا ویسا سمجھا جاتا جیسا بیزمان بچے کو دینا۔ اور انکو قوم اُس حق سے  
 محروم نہ رکھتی بلکہ خود انکی کاہل الوجودی انکی حیران کا باعث ہوتی جب قوم نے  
 اپنا فرض نہیں ادا کیا ہے اور اس مقدار کی تعلیم کا ذریعہ سب کے لیے علی العموم  
 نہیں مہیا کر دیا ہے تب البتہ کچھ دقت ہے مگر اس دقت کی برداشت کرنا لازم ہے  
 اگر قوم نے دواہم فرضوں کے ادا کرنے میں غفلت کی ہے تو ان دونوں میں جو  
 فرض زیادہ تر ضروری اور لازمی ہے اُسکو پہلے ادا کرنا لازم ہے یعنی پہلے سب کو

علی العموم تعلیم دیجائے تب سب کو عموماً ووٹ کا حق دیا جائے۔ کوئی شخص سوا  
 اُن اشخاص کے جو عقل سلیم سے بے بہرہ ہوں نہ کہ ایسا کہ اوروں پر بلکہ کل قوم پر حکومت  
 اُن لوگوں کو دے دیجائے جنہوں نے نہایت عام اور ضروری لوازم خود اپنے نفس کی  
 حفاظت کے نہیں حاصل کیے ہیں اور جو خود اپنے مقاصد اور اپنے عزیزان قریب کے  
 معاملات کی وجہ سے عاقلانہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس بل کو لے کر بڑھاکر  
 بہت کچھ اس سے ثابت ہو سکتا ہے۔ نہایت مناسب ہے کہ نوشتہ و خواندہ اور  
 حساب کے علاوہ اور امور بھی ووٹ کے حق کو لازم کر دیے جائیں یعنی کچھ علم  
 جغرافیہ اور علم تواریخ اور اپنے ملک کے تاریخی حالات کا علم بھی انتخاب کنندوں کے  
 لیے ضروری کر دیا جائے۔ لیکن یہ علوم اگرچہ ووٹ کے عاقلانہ استعمال کے لیے لازم ہیں  
 نہ اس ملک میں (انگینڈ) اور نہ سوائے ممالک متحدہ امریکا کے ضلع شمالی کے اور  
 کسی ملک میں کل باشندوں کو حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی معتبر ذریعہ اس بات کے دریافت  
 کرنے کا موجود ہے کہ آیا یہ علوم حاصل ہوئے ہیں یا نہیں۔ بل اگراُسکے دریافت کرنے کی  
 کوشش کی جائے تو جنبہ داری اور دھوکا بازی اور ہر قسم کا فریب ہوگا ووٹ کے  
 حق کو بلا امتیاز دینا بلکہ بلا امتیاز نہ دینا بھی اس سے بہتر ہے کہ ایک سرکاری عہدہ دار کو  
 اختیار دے دیا جائے کہ جسکو چاہے یہ حق دے اور جسکو چاہے نہ دے۔ نوشتہ و خواندہ  
 اور حساب کے باب میں تو کچھ وقت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ آسان ہے کہ جو کوئی شخص  
 اپنا نام درج جسٹریٹ انتخاب کنندگان کرانا چاہے اُس سے کہا جائے کہ جسٹریٹ کے  
 سامنے کسی انگریزی کتاب سے ایک جملہ کی نقل لکھے اور ایک حساب اربعہ متناسبہ کا  
 نکالے اور قواعد معینہ اور اعلان کامل کے ذریعہ سے یقین کر لیا جائے کہ یہ آسان

معیار یا نڈاری سے عمل میں لایا جاتا ہے جملہ صورتوں میں یہ شرط عام ووٹ کے حق کے ساتھ مقرر کی جائے اور چند سال کے بعد اسکے باعث کوئی شخص بھی خارج نہ ہوگا بجز اُن شخص کے جو اس حق سے ایسے بے پروا ہیں کہ اگر اُنکا ووٹ دیا جاتا تو عموماً کسی واقعی پولیٹیکل رائے پر دلالت نہ کرتا۔

یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ٹیکس جو عام یا خاص ٹیکسوں پر ووٹ دیتی ہے فقط اُن لوگوں کے زمرہ میں منتخب کیجائے جو کچھ ٹیکس دیتے ہیں۔ جو لوگ خود ٹیکس نہیں دیتے ہیں اگر اپنے ووٹ سے اور لوگوں کا روپیہ خرچ کرتے ہیں اُنکو فضول خرچی کا ہر ایک محرک موجود رہتا ہے اور کفایت شعاری کا کوئی باعث نہیں ہوتا۔ جہاں تک روپیہ کے معاملات متعلق ہیں ایسے لوگوں کو ووٹ کا اختیار دینا آزاد گورنمنٹ کے ایک اصل اصول میں فقور ڈالنا ہے اور صرف اور نگرانی کے اختیار کو اُس چیز سے جدا کر لینا ہے جو اُس اختیار کے مفید استعمال کا باعث ہوتے۔ یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ ایسے لوگوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ اور وون کی جیب سے روپیہ نکال کر کسی ایسی بات میں صرف کرین جسکو وہ اپنے زعم میں مفید عام سمجھتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکا کے بعض بڑے شہروں میں اسی باعث سے نہایت ہی سنگین ٹیکس باندھا گیا ہے اور اُسکا بار صرف متحمل فرقوں کو اٹھانا پڑا ہے۔ یہ امر انگلستان کے قواعد حکومت کے موافق ہے کہ قائم مقامی اُسی قدر وسیع ہونی چاہیے جس قدر ٹیکس عام ہوا قائم مقامی ٹیکس کی حد سے گھٹنا یا بڑھانا چاہیے۔ مگر ٹیکس کو قائم مقامی کی شرط قرار دیکر ان دونوں کی تعلیم کے لیے یہ امر لازم ہے اور چند دیگر وجوہ سے بھی مناسب ہے کہ ٹیکس سب سے زیادہ مفلس فرقہ تک بھی ایسی صورت سے پہونچایا جائے جو محسوس

ہو سکے۔ اس ملک (انگلینڈ) اور غالباً اور بہت سے ملکوں میں بھی کوئی مفرد و پیشہ  
 خاندان ایسا نہیں ہے جو چاہے یا بن یا شکر یا مخدر یا مسکر جیزین خسریہ کو ختم  
 ٹیکس دینا ہو مگر مصارف سلطنت کے ایک جز کو اس طور سے ادا کرنا لوگوں کو ناگوار  
 نہیں ہوتا ٹیکس دینے والا اگر تعلیم یافتہ اور فحیدہ آدمی نہیں ہے تو مصارف سلطنت  
 کی کمی کی پروا اُس قدر نہیں کرتا جقدر اُس صورت میں کرتا کہ اگر کل روپیہ اُسی سے  
 سر کیا یا برادر است طلب کیا جاتا اور اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسا ہی کرے  
 تو بھی اُس کو اس امر کا تصور خیال رہے گا کہ اُس کے ووٹ کے ذریعے سے گورنمنٹ  
 چاہے کیسی ہی فضول خرچی پر کمر باندھے مگر وہ خرچ کسی ایسے زائد ٹیکس سے  
 نہ لیا جائے جو ان اشیاء پر باندھا گیا ہو جو خود اُس کے مصارف میں آتے ہیں بہرہ ہوگا  
 کہ قوم کے ہر ایک بالغ آدمی سے فی نفسہ کچھ ٹیکس لیا جائے۔ یا یہ کہ جب ایسا شخص  
 تشخیص شد ٹیکس دینا گوارا کرے تب وہ انتخاب کنندہوں کے زمرہ میں شامل  
 کیا جائے۔ یا یہ کہ ہر ایک انتخاب کنندہ سے جس کا نام درج رجسٹر انتخاب ہے  
 کہا جائے کہ ایک فلیل رقم سالانہ جو ملک کے خرچ ضروری کے موافق کھڑی ہوتی  
 ہوگی دیا کرے تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو کہ ایک جزو اُسی روپیہ کا جو اُس کے ووٹ کی شریعت  
 دیا گیا ہے خود اُس کا ہے اور اُس کا فائدہ اسی میں ہے کہ اُس کی تعداد کو کم کرتا رہے۔  
 خیر یہ تو جو کچھ ہو سو ہو میرے نزدیک آزاد گورنمنٹ کے حوالہ دینے کا مقصد یہ ہے  
 کہ ضلع کے خیراتی سراپہ سے کچھ ملنا مانع قوی ووٹ کے حق کا سمجھا جائے۔ جو شخص خود  
 محنت کر کے اپنا رزق نہیں ہم پونچا سکتا ہے وہ اور دن کا روپیہ خرچ کرنے کا  
 ہرگز مستحق نہیں ہے جب اس نے اپنے رزق کا دار و مدار افراد قوم کی خیرات پر رکھا

تو انکے حقوق کے مساوی حقوق کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا۔ وہ لوگ جسکی خیرات پر انکی زندگی موقوف ہے ان مشترک معاملات کے انتظام کا وہی دعویٰ کر سکتے ہیں جنہیں اُسکا کچھ شریک نہیں ہے یا جتنا اُسے شریک کیا ہے اُس سے زیادہ لے لیتا ہے پس ایسی حالت میں ووٹ کا حق اس شرط سے مشروط کیا جائے کہ جب اُس شخص کا نام رجسٹر انخاب ہو اے مثلاً اُس سے پانچ برس قبل سے اُسکا نام ضلع کے رجسٹرون میں بطور خیرات پانے والے کے نہیں درج ہے جس شخص کا دو الہ نکلا ہو اور عدالت سے اُسکو سارٹیفکیٹ نہ ملا ہو یا جو شخص قانون دو الہ سے مستفید ہو چکا ہو اُسکو بھی ووٹ کے قابل اُسوقت تک نہ سمجھنا چاہیے جب تک کہ وہ شخص اپنا قرضہ ادا کرے یا اقل مراتب یہ ثابت کر دے کہ ایک مدت مدید سے اُسکی معاشر کا مدار خیرات پر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ٹیکس اتنی مدت تک عجز ادا کرے کہ یہ گمان ہو سکے کہ اُسے غفلت اور بے پروائی سے ایسا نہیں کیا ہے تو جب تک وہ شخص ٹیکس نہ ادا کرے ووٹ کے قابل نہ سمجھا جائے مستثنیات فی نفسہ دائمی نہیں ہیں۔ بلکہ فقط ایسے شرائط قرار دیے گئے ہیں جسکی تعمیل سب کر سکتے ہیں یا سب کو کرنی لازم ہے بشرطیکہ اُنکا جی بھی چاہے۔ ان شرائط کے بموجب ووٹ کا حق اُن سب لوگوں کو مل سکتا ہے جو انسان کی معمولی حالت میں ہیں اور اگر کسی کو یہ حق نہ ملے تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اُس شخص کو اسکی اتنی پروا نہیں ہے کہ اسکے واسطے وہ فعل کرے جسکا کرنا اُسپر فرض ہے یا وہ شخص ایک ایسی عام پریشانی اور تزلزل کی حالت میں مبتلا ہے جہیں حقیقت ضابطہ جو اوروں کی حفاظت کے لیے ضرور ہے محسوس نہ ہوگا اور جب وہ حالت جاتی رہیگی تو ذلت کی

علامت بھی اور علامات کے ساتھ معدوم ہو جائیگی۔

پس رفتہ رفتہ (اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سوائے قیود مذکور بالا کے اور کوئی قیود ووٹ کے حق پر نہیں ہیں) ہو کہ یہ توقع ہو سکتی ہے کہ ہشتادویں برس کے جبکہ تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اور جسکو ضلع سے خیرات ملا کرتی ہے سب لوگوں کو ووٹ کا حق مل جائیگا اور ذرا سی شخصیت کے ساتھ یہ حق عام ہو جائیگا۔ اس طور سے ووٹ کا عام اور وسیع ہو جانا عمدہ گورنمنٹ کے وسیع اور عالی مضمون کو لازم بلکہ الزم ہے جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا۔ لیکن اس حالت میں ایک جماعت کثیر ووٹ دینے والوں کی اکثریتوں میں علی الخصوص ہمارے ملک میں مزدور پیشہ ہوگی اور اب بھی دو باتوں کا بڑا خوف رہیگا۔ ایک یہ کہ ووٹ دینے والوں میں پولیٹیکل لیاقت بہت کم ہوگی۔ دوسرے یہ کہ وضع قوانین میں ایک فرقہ کے فوائد اور دوسروں پر غالب رہینگے اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا ان خرابیوں کو دفع کرنے کا کوئی ذریعہ ہے۔

ان خرابیوں کا انسداد ممکن ہے بشرطیکہ لوگ دل سے چاہیں۔ مگر کسی مصنوعی

تدبیر سے انکا انسداد ممکن نہیں ہے بلکہ اس واسطے ممکن ہے کہ جن امور سے انسان کی

کوئی غرض نہیں متعلق ہوتی ہے یا جنہیں کوئی قدیم رائے مخالفت نہیں ہوتی ہے

انہیں ہر شخص ہی چاہتا ہے کہ انسان کی زندگی کا قدرتی انتظام جاری رکھا جائے۔

ہر شخص جو کوئی صحیح تعلق کسی معاملہ سے رکھتا ہے اور جو کسی دوسرے کی ولایت

یا حراست میں نہیں ہے اس معاملہ میں دخل دینے کا بیشک حق رکھتا ہے اور جب

اس حق کو عمل میں لانا اور سب لوگوں کی حفاظت کے منافی نہ ہو تو اس حق سے

اسکو محروم رکھنا خلاف انصاف ہے یہ تو سچ ہے کہ ہر شخص کو ایسے معاملات میں دخل ہونا چاہیے گوید و سری بات ہے کہ ہر شخص کو ایسے امور میں اور ون کے ساتھ بدرجہ مساوی دخل ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر دو شخص کسی تجارت میں شریک ہوں اور انہیں باہم اختلاف رے ہو تو کیا انصاف اسکا تقاضی ہے کہ دونوں کی رائیں مساوی الوزن بھی جائیں؟ اگر دونوں نیکی میں تو برابر ہیں لیکن ایک دوسرے سے علم اور عقل زیادہ رکھتا ہے یا یہ کہ دونوں عقل میں برابر ہیں مگر ایک دوسرے سے زیادہ نیک ہے تو جو شخص زیادہ نیک کردار اور ہوشیار ہے انکی رے دوسرے کی رے پر مقدم کھی جائے اور اگر اس ملک کا آئین سیاست ضمناً یہ دعویٰ کرے کہ ان دونوں کی رائیں بدرجہ مساوی معتبر ہیں تو اسکا دعویٰ خلاف واقع ہے ان دونوں میں سے وہ جو دوسرے سے زیادہ دانا یا نیک بخت ہے زیادہ وقعت کا مستحق ہے مگر یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کون شخص ایسا ہے جو مضمون میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا تو غیر ممکن ہے مگر انسان کی جامعیتوں میں اس امر کا قیاس کسی قد صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے یہ قول اس صورت میں نہ صادق آئیگا جب میں عقلاً یہ تصور ہو سکے کہ کوئی شخصی با ذاتی حق شامل ہے۔ جب کوئی معاملہ دو میں سے ایک شخص سے متعلق ہو تو وہ شخص اپنی رے پر عمل کرنے کا مستحق ہے گو وہ دوسرے شخص اس سے کتنا ہی زیادہ عقلمند ہو۔ مگر ہم ان امور کا ذکر کر رہے ہیں جو ان دونوں سے بدرجہ مساوی متعلق ہیں اور انہیں جو زیادہ جاہل ہے اگر وہ کسی مشترک معاملہ میں اپنا حصہ دوسرے شخص کی سائے پر جو اس سے زیادہ دانا ہے نہ چھوڑ دے تو اس دانا کو اپنا حصہ اس نادان کی



راے پر چھوڑ دینا پڑیگا۔ پس غور طلب یہ امر ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے ان دو طریقوں میں سے کونسا طریقہ ان دونوں آدمیوں کے حق میں زیادہ تر مفید ہے اور انتظام عالم کے بھی موافق ہے۔ اگر یہ امر خلاف انصاف سمجھا جائے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی متابعت کرے تو آیا یہ زیادہ خلاف انصاف ہے کہ دانا نادان کی راے پر عمل کرے یا یہ زیادہ خلاف انصاف ہے کہ نادان دانا کی راے پر چلے؟

واضح ہو کہ قومی معاملات کی ٹھیک بھی کیفیت ہے کہ انہیں سب افراد قوم کی غرض مشترک ہے صرف فرق اتنا ہے کہ ایسے معاملات میں کسی شخص کو کبھی یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ اپنی راے کو اوروں کے آراء پر تصدیق کرے۔ بلکہ اسکی راے کا ہمیشہ اندازہ اور شمار ہو سکتا ہے اور جن لوگوں کی رائیں زیادہ تر اعتبار کے قابل ہیں انکی رایوں کی زیادہ وقعت کیجاتی ہے۔ اس انتظام میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو ان لوگوں کو خواہ مخواہ ناگوار گذرے جبکہ درجے سپر لکھے گئے ہیں۔ مشترک معاملات میں مطلقاً دخل نہ دینا اور بات ہے۔ اوروں کو انہیں زیادہ دخل دینا اسوجہ سے کہ وہ مشترک معاملات کے انتظام کی عمدہ تر قابلیت رکھتے ہیں اور بات ہے۔ یہ دونوں باتیں صرف مختلف ہی نہیں ہیں بلکہ ہم تلہ بھی نہیں ہیں۔ ہر شخص بہ حق رکھتا ہے کہ اس بات کو اپنی فلت سمجھے کہ اور لوگ اسکو کوئی چیز سمجھیں اور اسکی کچھ ہستی ہی جانیں سوائے بیوقوف آدمی کے اور بیوقوف بھی ایک خاص قسم کا کوئی شخص اس امر کو تسلیم کرنے سے بخیدہ نہوگا کہ اور لوگ ایسے ہیں جنکی راے بلکہ جنکی خواہش بھی اسکی راے یا خواہش سے زیادہ عظمت کی مستحق ہے۔

جن معاملات میں آدمی کی غرض شامل ہو انہیں دخل نہ دینا ایسا امر ہے جسکو کوئی شخص برضا و رغبت نہ قبول کرے گا لیکن جن معاملات میں اسکی غرض دوسرے شخص کی غرض کے ساتھ مشترک ہو اور وہ اُس دوسرے کو جانتا ہو کہ مجھے بہتر اس مضمون کو سمجھنا ہے تو اس صورت میں اگر دوسرے شخص کی رائے کا اعتبار اسکی رائے سے زیادہ کیا جائے تو اُسکے توقع کے موافق ہوگا اور اُس انتظام کے بھی خلاف نہ ہوگا جسکو اور معاملات دنیا میں وہ قبول کر لینے کا عادی ہے۔ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ دوسرے کی رائے کو اُسکی رائے پر اُن وجوہ سے ترجیح دیجائے جنکو سمجھ سکتا ہے اور جبکہ قرین انصاف ہونا اُسکے ذہن میں آسکتا ہے۔

میں بلاتامل کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ امر ہرگز لائق تسلیم نہیں ہے کہ کسی شخص کو اسکی ملکیت کے لحاظ سے عظمت بخشی جائے۔ اسکا میں انکار نہیں کرتا کہ مال ایک قسم کا معیار ہے اور اکثر ملکوں میں عزابی بہ نسبت امرا زیادہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ معیار ناقص ہے۔ لوگوں کی ترقی اور عروج میں لیاقت کی نسبت اتفاق کو زیادہ دخل ہے۔ کسی کو یہ یقین ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جب قدر علم اور لیاقت ہم حاصل کرینگے اُسی قدر ہمارے درجہ میں ترقی ہوگی۔ ان وجوہ سے حق انتخاب کی یہ بنیاد (دو قسمی) ہمیشہ نہایت مکروہ و مذموم رہی ہے اور یہی متعدد دو وٹوں کو کسی مالی قابلیت سے متعلق کرنا صرف فی نفس قابل اعتراض نہ ہوگا بلکہ اس اصول کی بدنامی کا باعث ہوگا اور اسکا قائم رہنا ناممکن ہو جائیگا اس ملک (انگلینڈ) کی سلطنت جمہوری بالفعل ذاتی فضیلت کی دشمن تو نہیں ہے لیکن البتہ اُس عظمت کی مخالف ہے جو صرف تول پر مبنی ہے۔ صرف ایک ہی صفت

ایسی ہے جس سے ایک شخص کی رے کو ایک سے زیادہ کی رے کے برابر بنانا جائز ہو سکتا ہے۔ وہ صفت لیاقت عقل ہے۔ اب یہ دریافت کرنا چاہیے کہ کس ذریعہ اس لیاقت کا اندازہ تقریباً ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی واقعی قومی تعلیم یا کوئی مقبضہ عام امتحان کا موجود ہوتا تو اس قدر اعلیٰ کی آزمائش ہو سکتی لیکن جب یہ ذریعہ نہیں موجود ہے تو ہر شخص کے پیشہ کی نوعیت معیار اس کی لیاقت کی ہو سکتی ہے مثلاً مزدور سے زیادہ اس کا مالک لیاقت رکھتا ہے کیونکہ اس کو علاوہ ریاضت بدنی کے مشقت دماغی بھی کرنی پڑتی ہے۔ جو دھری عموماً مزدور دن سے زیادہ فہمیدہ ہوتا ہے اور صنایع دیگر اہل حرفہ سے زیادہ لیاقت رکھتا ہے۔ مہاجر تاجر۔ یا کاریگر غالباً دوکاندار سے زیادہ فہمیدہ ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کو بڑے بڑے پیچیدہ معاملات کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ان سب صورتوں میں لیاقت کا سیما صرف اعلیٰ درجہ کا کام قبول کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا ہے۔ پس اس وجہ سے اور اس سبب سے بھی کہ لوگ صرف برے نام کوئی پیشہ نقطہ و وٹ کی خاطر نہ کرنے لگیں یہ شرط قرار دینا مناسب ہے کہ اس پیشہ کو ایک میعاد میں (مثلاً تین سال تک) برابر برتا ہو۔ اسی قسم کے چند شرائط کے ساتھ دوبارہ و وٹ اس شخص کو دیے جائیں جو نہیں کسی اعلیٰ درجہ کے کام کو کرنا ہے جب لبرل پروفیشن یعنی آزاد پیشے صرف برے نام نہیں بلکہ فی الواقع عمل میں لائے جاتے ہیں تو بیشک اس سے بھی اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر دلالت کرتے ہیں اور جب کسی پیشہ کو اختیار کرنے سے پیشتر ایک کافی امتحان پاس کرنا پڑے۔

۱۰۔ تین پیشے ہیں: باسٹری ڈاکٹری اور پادری کا کام ۱۱۔

پڑے یا دیگر اہم شرائط تعلیم کی تعمیل کرنی پڑے تو اس میں ہمیشہ کے لوگوں کو فوراً استد  
 و وٹ دینے چاہئیں یہی قاعدہ یونیورسٹیوں کے گریجویٹ یعنی ان اشخاص سے  
 متعلق ہو سکتا ہے جو لائن اطمینان سارٹفیکٹ اس امر کے پیش کریں کہ کسی ایسے ہکول  
 کو رس کو ختم کر چکے ہیں جن میں علم کے اعلیٰ شعبے پڑھائے جاتے ہیں اور جن میں تعلیم فراہم  
 ہوتی ہے صرف برائے نام نہیں ہوتی ہے کسفرورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں نے  
 جو ایک لوکل یا نڈل کلاس یعنی درجہ اوسط کا امتحان لیسوشیپٹ کی ڈگری کے لیے  
 جاری کیا ہے اور اسی قسم کے اور امتحانات جنگو اور منظم تعلیم جماعتیں جاری کریں۔  
 دانشرطیکہ سب لوگ علی العموم انہیں شامل ہو سکیں، اس کی وجہ قرار پاسکتی ہیں کہ جن  
 اشخاص نے یہ امتحانات پاس کیے ہیں انکو متعدد و وٹ پڑے فائدہ کے ساتھ  
 دیے جائیں۔ ان سب تجویزوں پر مفصل بحث ہو سکتی ہے اور ان پر وہ اعتراضات بھی  
 ہو سکتے ہیں جنکا پیش از وقوع ذکر کرنا بیکار ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان  
 تجویزوں کی ایک عملی صورت قرار دی جائے اور نہ میں ان خاص تجویزوں کا  
 پابند ہونا چاہتا ہوں جو میں نے بیان کی ہیں۔ لیکن مجھے صاف معلوم ہوتا ہے  
 کہ نچایتی گورنمنٹ کا سچا مضمون حاصل کرنے کی یہی سہل ہے اور عمدہ ترین تدبیرات عملی ہے  
 اور اس کے علاوہ مد کی کوشش کرنا سچے پولیٹیکل ترقی کی راہ پر چلنا ہے۔

اگر یہ پوچھیے کہ یہ اصول کہاں تک جاری ہو سکتا ہے یا آدمی کو کتنے و وٹ  
 اسکے کمالات علمی کی بناء پر مل سکتے ہیں تو میں اسکا جواب یہ دیتا ہوں کہ فی نفسہ سوال  
 بالکل غیر ضروری ہے بشرطیکہ علمی درجے اور خطابات بقاعدہ اور بلا دلیل نہ قرار  
 دیے جائیں بلکہ ایسے ہوں جنکو عام لوگ سمجھ کر قبول کر لیں لیکن بشرط ہمنایت

ضروری ہے کہ اُس حد سے تجاوز نہ کیا جائے جو موافق اُس اصول ضروری کے مقرر کی گئی ہے جو اس سے پیشتر کے ایک باب میں بنیادی گورنمنٹ کی ترکیب کی عمر کی کی شرط قرار دی گئی ہے۔ متعدد ووٹوں کے قاعدہ کو ہرگز اتنا بڑھا دینا چاہیے کہ جن لوگوں کو یا جس فرقہ کو متعدد ووٹ کا حق دیا جائے وہ اُس کے ذریعہ جملہ افراد قوم کو مغلوب کر لیں تعلیم یافتہ آدمیوں کو یہ امتیاز بخشنا فی نفسہ درست ہے اور ایک دلیل قوی اسکی تائید میں یہ بھی ہے کہ تعلیم یافتہ اشخاص اُن قوانین سے محفوظ رہیں گے جنکو غیر تعلیم یافتہ لوگ اپنے فرقہ کے فوائد کے لحاظ سے بنائیں گے۔ مگر اس امتیاز کو اتنا بڑھا چلے کہ تعلیم یافتہ اشخاص اپنے ہی فرقہ کے مطلب کے موافق قوانین بنا کر شروع کر دیں۔ مجھ کو یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ میرے نزدیک متعدد ووٹوں کی تجویز کا جزاء اعظم یہ امر ہے کہ کیسا ہی مفلس آدمی کیون نہ وہ بھی اس حق کا دعویٰ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ یہ ثابت کر دے کہ باوجود سب دفتوں اور جملہ موانع کی علیت کے لحاظ سے وہ متعدد ووٹوں کا مستحق ہے ایسے امتحانات مقرر ہونے چاہئیں کہ جو کوئی شخص اپنی خوشی سے انہیں شریک ہو وہ اس امر کو ثابت کر سکے کہ اُس درجہ کا علم اور لیافت کھاتا ہے جو کافی قرار دیا گیا ہے اور اسوجہ سے اُسکو متعدد ووٹوں کا حق دیا جائے۔ یہ ایک ایسا حق ہے جسکا انکار اُس شخص سے نہیں کیا جانا ہے جو یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اُسے اُن شرائط کی تعمیل کی ہے جنہیں حق عقلاً اور اصولاً بنی ہے۔ اور عاقبتاً کسی شخص کو یہ اصول خلاف انصاف نہ معلوم ہوگا لکن یہ حق البتہ اسوقت خلاف انصاف ہوگا جبکہ محض قیاسی باتوں کی بنا پر جو ہمیشہ غلطی سے بری نہیں ہوتی

ہیں دیا جائے مگر ثبوت قطعی پیش ہونے پر نہ دیا جائے۔

مسعد دو ووٹوں کا استعمال اگرچہ اضلاع کی کمیٹیوں کے انتخاب میں اور خیرات خانوں کے متولیوں کے انتخاب میں بھی کیا جاتا ہے مگر بالبرہنت کے ممبران کے انتخاب میں اس قاعدہ کا رواج بالکل نہیں ہے اور غالباً یہ قاعدہ جلد یا برضا و رغبت نہیں قبول کیا جائیگا۔ مگر چونکہ وہ زمانہ یقیناً آئیگا جبکہ دو ہاتھوں میں سے ایک ثابت ضرور اختیار کرنی پڑیگی یعنی یا ایک شخص کو مسعد دو ووٹوں کا حق دینا پڑیگا یا ووٹ کے حق کو سب پر بدرجہ مساوی عام کر دینا پڑیگا لہذا جو کوئی شخص دوسری شق کو نہیں پسند کرتا ہے اُسکو لازم ہے کہ پہلی شق کو منظور کر لے۔ اگرچہ بفضل یہ تجویز عملی حیثیت نہیں رکھتی ہے مگر اس سے وہ امر معلوم ہو جائیگا جو اصولاً نہایت عمدہ ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ آیا کوئی ایسا ضمنی ذریعہ موجود ہے یا اختیار ہو سکتا ہے جس سے یہی مطلب برآئے گو کسی قدر ناقص طریقہ سے سہی۔ آدمی کو دو ووٹ اور ذریعہ سے بھی مل سکے ہیں بغیر اسکے کہ دو نون ووٹ ایک ہی انتخاب میں دیے جائیں۔ وہ دو مختلف انتخاب کے حلقوں میں سے ہر ایک طبقہ میں ایک ووٹ رکھ سکتا ہے۔ اور اگرچہ مخصوص حق بفضل فضیلت الی پر موقوف ہے نہ فضیلت عملی پر یہ نونگری بہ نہرست نہ بہ مال کے بالکس معادلہ ہے تاہم میرے نزدیک اس قاعدہ کو جان یہ جاری ہے وہاں موقوف نہ کرنا چاہیے کیونکہ تا وقتیکہ ایک سچی معیار تعلیم یا فنگی کی نہ مقرر کی جائے الی حالت سے جو معیار قائم ہوئی ہے گو وہ ناقص ہی سہی اُسکو ترک کر دینا خلاف عقل ہے۔ ایسا ذریعہ دریافت ہو سکتا ہے جس سے یہ حق اور زیادہ وسیع کر دیا جائے اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے زیادہ تر

صراحت کے ساتھ متعلق کر دیا جائے یعنی آئندہ جو رفاہی پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے اس میں دو حصوں کے مالی شرائط بہت کم کر دیے جائیں اور یہ عاقلانہ شرط مقرر کی جائے کہ یونیورسٹیوں کے سب ڈگری یافتہ اشخاص کو اور ان سب لوگوں کو جنھوں نے اعلیٰ درجہ کے اسکولوں میں لائق تعریف امتحان پاس کیا ہے اور لبرل آرڈر میں پیشوں کے سب آدمیوں کو اور شاید بعض اور قسم کے لوگوں کو بھی اجازت دی جائے کہ اپنی اپنی حیثیت اور پیشہ کے مطابق اپنے ناموں کو رجسٹرڈ امتحان دینا درجہ کر لیں اور چاہے جس حلقہ انتخاب میں انھوں نے اپنا نام لکھا یا ہے اسی خاص حیثیت سے انھیں ووٹ دین اور علاوہ اسکے جن مقامات میں ہسکوت پیر ہیں ان میں بھی انکے ووٹ مخصوص حیثیت آرڈر عابا کے قائم رکھے جائیں۔

جب تک کوئی ایسا طریقہ متعدد ووٹوں کا نہ ایجاد کیا جائے جس سے تعلیم یافتہ آدمیوں کو بایں حیثیت کہ وہ تعلیم یافتہ ہیں وہ شرف حاصل ہو جائے جس کے مستحق ہیں اور تعلیم یافتہ آدمیوں کی فضیلت علمی ان لوگوں کی کثرت عددی کی بخوبی مقابست کر سکے جو سب سے کم تعلیم یافتہ ہیں اور جب تک اس طریقہ کو عام رائے قبول و منظور نہ کرے اس وقت تک میرے نزدیک ووٹ کی تعلیم کے فوائد نہیں حاصل ہو سکتے ہیں بغیر اسکے کہ جسے زیادہ نقصانات کا احتمال ہے۔ فی الواقع یہ ممکن ہے (اور شاید یہ ایک درمیانی مرحلہ منجملہ ان مرحلوں کے ہے جنکو طے کر کے ہم ایک واقعی عمدہ بنیاد پر گورنمنٹ تک پہنچ سکتے ہیں) کہ وہ امور جو ووٹ کے مانع ہیں بعض خاص خاص حلقہ اسے انتخاب میں باطل رفع ہو جائیں اور اس وجہ سے ان حلقوں میں خاص کر مزدور پریشہ لوگ پارلیمنٹ کے لیے ممبروں کو منتخب کریں۔

اور موجودہ لیاقت انتخاب دیگر مقامات پر بحال خود قائم رکھی جائے یا اگر زمین کچھ کمی و بیشی کی جائے تو اسکے ساتھی انتخاب کے حلقوں کی ترتیب ایسی رکھی جائے کہ فرد و پیشہ فرق کو پارلیمنٹ میں غلبہ نہ حاصل ہو۔ مگر ایسے نظام سے موجودہ قائم مقامی میں مضابطگیان صرف باقی ہی نہیں بڑھتی بلکہ اور زیادہ ہو جائیگی۔ لیکن یہ اعتراض قوی نہیں ہے کیونکہ اگر ملک سچے مقاصد کو ایک باقاعدہ طریقہ سے حاصل کرنا نہیں پسند کرتا ہے تو اسکو اس امر پر اکتفا کرنی چاہیے کہ ایک بیقاعدہ طریقہ کو یہ سمجھا اختیار کرے کہ اس طریقہ سے اولیٰ ہے جس میں کوئی بے مضابطگی تو نہیں ہے مگر اس سے غلط مقاصد یا نتائج نکلتے ہیں یا جس میں بعض اغراض جو اسی قدر ضروری ہیں جیسے دیگر مقاصد میں فرو گذشت کیے گئے ہیں اس سے قوی تر اعتراض یہ ہے کہ یہ فیصلہ خاص خاص مقامات کے حلقہ ہائے انتخاب کے بلحاظ مشارکت کے متنافی ہے جو ہر صاحب کی تجویز کے بموجب ہونی چاہیے اور اس فیصلہ سے یہ قباحہ لازم آتی ہے کہ ہر ایک ووٹ دینے والا ایک یا زیادہ حلقوں میں جگہ رجسٹرون میں اسکا نام لکھا ہے مفید رہیگا اور اسکا کوئی قائم مقام پارلیمنٹ میں نہوگا الا یہ کہ ان مقامات کے امیدواروں میں سے کسی امیدوار کو وہ اپنا قائم مقام بنانا منظور کرے۔

میرے نزدیک پر ضرور ہے کہ جو لوگ ووٹ تو دیتے ہیں مگر ان کے ووٹ اسوجہ سے بیکار ہو گئے ہیں کہ تعداد میں وہ اور ون سے ہمیشہ مغلوب رہتے ہیں وہ اس قید سے رہا کیے جائیں اور محکوم اور غفل کی فطری قوت سے امید قوی ہے کہ اگر انکی فریاد سن لی جائے اور انکی نصرت و حمایت کا حق کیجائے تو تھا اور غفلانہ ضرور غالب آئیگی۔ ایسے محکوم مساوی اور عام ووٹ کے اثر سے بایوس نہونا چاہیے



بشرطیکہ انکی مساوات اور ہمیں اس طور سے کہلے کہ ہر صاحب کی تجویز کے موافق سب قیل و قیون کی قائم مقامی بلحاظ انکی بقدا و کے عمل میں لائی جائے۔ لیکن اس باب میں جو قوی امیدیں ہیں اگر دو یقین کے درجہ تک پہنچ جائیں تو بھی میں متعدد ووٹوں کے اصول کی تائید کرونگا۔ میں متعدد ووٹوں کو اس خیال سے نہیں تجویز کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ امر فی نفسہ نامناسب ہے مگر بحیثیت قوم کے ایک شخص کو ووٹ سے خارج رکھنا جائز رکھا گیا ہے اسی طرح متعدد ووٹوں کا قاعدہ بھی چند روز کے لیے اس مصلحت سے جائز ہو سکتا ہے کہ عظیم تر خرابیوں کے ہنسل کا باعث ہوگا۔ مساوی ووٹوں کو میں فی نفسہ کوئی اچھی چیز نہیں سمجھتا ہوں بشرطیکہ انہیں وہ دو یقین واقع ہوں جنکا احتمال ہے۔ اس قسم کے ووٹ کو میں فقط بالنسبتہ اچھا سمجھتا ہوں یعنی اس غیر مساوی ووٹ سے کمتر لائق اعتراض ہے جو غیر متعلق یا اتفاقی امور پر مبنی ہو مگر غیر مساوی ووٹ اصولاً غلط ہے اس واسطے کہ اس سے ایک غلط معیار کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور ووٹ دینے والے کے دل پر اسکا خراب اثر ہوتا ہے۔ یہ امر مفید نہیں ہے بلکہ مضر ہے کہ ہمارے ملک کے ان سلطنت میں جاہل اندو عالم دونوں کو بدرجہ مساوی پولیٹیکل اختیار دیا جائے۔ قومی انسٹیٹیوٹیشنس نے آئین کو لازم ہے کہ جملہ امور متعلقہ کو ہر ایک آزاد رعیت کو اسی صورت سے دکھائے جس صورت سے ان امور کو دیکھنا اسکے حق میں مفید ہو۔ اور چونکہ اسکا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ ہر شخص پولیٹیکل معاملات میں کچھ دخل رکھنے کا مستحق ہے گردانا اور نیک آدمی اور دن سے زیادہ ان امور میں مداخلت رکھنے کا مستحق ہے لہذا ضرور ہے کہ خود سرکار اس امر کا قرار کر کے قومی انسٹیٹیوٹیشنس (آئین) میں اسکو دخل دے۔

ہر ملک انسٹیٹوشنس کا جو سربراہ یعنی ہی امور ہیں اور یہی وہ جزائے انٹرکال ہے جس کا لحاظ عموماً اہل تحقیق علی الخصوص انگلستان کے محققین بہت کم کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک ملک میں جہین عایا پر ظلم عظیم ہوتا ہو انسٹیٹوشنس کے باطن سے نسبت ظاہر کے زیادہ اثر پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسی باطنی اثر سے قومی کیرکٹرز (حیثیت) قائم ہوتی ہے مثلاً امریکا کے انسٹیٹوشنس نے اُس ملک کے ہر ایک باشندے کے دل فیشن کا لچر کر دیے کہ سب گویے رنگے آدمی برابر ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ غلط یقین بعض اُن امور سے تعلق رکھتا ہے جو امریکا والوں کے کیرکٹرز میں اچھے نہیں ہیں۔ یہ خرابی کیا کم ہے کہ اس قول کو کسی ملک کا آئین سلطنت منظور کرے کیونکہ اس قول کا قائل ظاہراً یا باطناً ہونا اخلاقی اور عقلی فضیلت کو اُسی قدر مضر ہے جیسا کوئی اور اثر ہو جو اکثر اسام سلطنت سے پیدا ہو سکتا ہے۔

شاید یہ کہا جائے کہ وہ آئین سلطنت جہین سب سے زیادہ اور سب سے کم تعلیم یافتہ آدمیوں کو بدرجہ مساوی اختیار دیا گیا ہو ترقی کا باعث ہو جائے گا کہ جو لوگ کم تعلیم یافتہ ہیں اُن سے ہمیشہ ستغناء کیا جاتا ہے اور انکی دماغی قوتیں ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہیں اور جو لوگ اُن سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں وہ ہمیشہ اُنکو تعلیم دینا کرتے ہیں اور انکی غلطیوں اور اضعافات کو رفع کرتے رہتے ہیں اور یہ سب امور قومی محرکات اُنکی عقلی ترقی کے ہیں۔ مین تسلیم کرتا ہوں کہ جو لوگ کم پڑھے لکھے ہیں اُنکو امور حکومت میں کم یا زیادہ شریک کرنے سے یہ نہایت مفید ضرور پیدا ہوتا ہے بلکہ میں اس قول کی تائید بڑے شد و مد سے کر چکا ہوں لیکن علم و عمل دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ جیسا یہ لوگ بالکل مالک و مختار کر دیے جاتے ہیں تو انکی اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے۔ جو لوگ ہر چیز پر قادر ہوں خواہ وہ ایک شخص (پادشاہ) ہو خواہ چند شخص (امرا) خواہ بہت سے لوگ (عوام) ہوں اُنکو عقل کے حربوں کی کچھ ضرورت

نہیں باقی رہتی ہے بلکہ وہ محض اپنی مرضی کو غالب کر سکتے ہیں اور جب کوئی انکا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے تو انکو اپنی راہوں پر ایسا اطمینان ملی ہو جاتا ہے کہ انکو بدلتا نہیں جائیگا اور نہ اس شخص کا کہنا سنتے ہیں جو انسے یہ کہتا ہے کہ آپ کی رائے غلط ہے۔ وہ حالات سب سے زیادہ محرک قوی افزائش عقل کی ہے یہ ہے کہ حکومت مذریجاً حاصل کیا ہے نہ یہ کہ بطائف اہمیل لے لیجائے۔ اور حکومت کے راستے میں جتنی نذرین ہیں خواہ وہ چند ہوں خواہ دائمی انہیں سے وہ منزل حسین سبکے عمدہ صفتیں ہوتی ہیں ان لوگوں کی حالت جراتی قوت رکھتے ہیں کہ عقل کو غالب رکھتے ہیں مگر اتنی طاقت نہیں رکھتے ہیں کہ خود عقل پر غالب آجائیں۔ یہ وہ حالت ہے کہ موافق ان اصول کے جنگو ہسم بیان کر چکے ہیں امیر اور غریب۔ کم اور زیادہ تعلیم یافتہ۔ اور سب مذہبی اور غیر مذہبی فرستے جنہیں تو منقسم ہے جنانک ممکن ہو اسی حالت میں رکھے جائیں۔ اور جب اس اصول کے ساتھ یہ منصفانہ اصول ملا دیا جائے کہ کمالات عقلی کو زیادہ رتبہ بخشا جائے تو ان دونوں کے اجتماع سے ایک ایسا آئین سلطنت بنائیگا جو کامل بالنسبہ ہوگا اور اس عالم کو نڈھال و فساد میں کمال نسبتی ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سابق میں جو دلائل و دعوے کی تعلیم اور دریغ کے باب میں بیان کیے گئے تھے انہیں مرد اور عورت کا فرق نہیں لکھا گیا ہے۔ میرے نزدیک فرق پویشیل حقوق سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ہے جیسا کہ مرد اور عورت کے قد کا فرق اور لنگے بالوں کے رنگ کا تفاوت ایسے حقوق سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ہے سب افراد انسان کو ایک ہی نوع کا فائدہ اچھی گورنمنٹ سے ہے اور اسکا اثر سب کے رفاہ و بہبود پر ہوتا ہے۔ اور سب کو برابر ضرورت اس امر کی لاحق ہے کہ گورنمنٹ میں انکو دخل دیا جائے تاکہ انکے فوائد میں

اپنا اپنا حصہ پا لیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو مرد و زن کی بنسبت عورتیں اچھی گورنمنٹ کی زیادہ ضرورت رکھتی ہیں کیونکہ عورتیں چونکہ ضعیف الخلق ہیں لہذا مرد و زن کی بنسبت قانون اور قوم کی حفاظت کی زیادہ محتاج ہیں۔ دلت ہوئی کہ لوگوں نے اُس صفرے اور کبرے کو ترک کر دیا ہے جس نے نتیجہ نکالا جائے کہ عورتوں کو ووٹ دینے چاہئیں۔ اب کوئی بے نہیں کہتا ہے کہ عورتوں سے لوڈ یون کا کام لیا جائے اور وہ کوئی خیال یا خواہش یا شغل نہیں رکھتی ہیں بجز اسکے کہ اپنے شوہروں یا باپ کی کنیز بنی رہیں۔ تاکہ عورتوں کو تو یہ حق دے دیا گیا ہے اور کتنا عورتوں کو شے میں کچھ ہی کسر رہ گئی ہے کہ جاید اور کچھ سکتی ہیں اور مالی معاملات اور داد و ستد اسی طرح کر سکتی ہیں جس طرح مرد کرتے ہیں۔ اور یہ بھی سب وادی خیال کیا جاتا ہے کہ عورتیں بڑھیں لکھیں اور اُستادیاں بنیں بجز اسکے کہ یہ امور تسلیم کر لیے جائیں کوئی اصول نہیں نظر آتا ہے جس پر عورتوں کی پوزیشن کا قابلیت قائم ہو سکے۔ اس نئی دنیا کا سارا طرز تخیل روز افزون ناکید کے ساتھ کہ رہا ہے کہ قوم کوئی حق اس بات کا نہیں رکھتی ہے کہ افراد قوم کی جانب سے یہ فیصلہ کرے کہ وہ کن امور کی لیاقت رکھتے ہیں اور کن نہیں رکھتے ہیں اور کس کام کی کوشش کرنے کی اجازت انکو دی جائیگی اور کس کی کوشش کرنے کی اجازت نہ دی جائیگی۔ اگر فن سیاست جدید اور علم دولت کے اصول سے کچھ فائدہ ہے تو یہ ہے کہ ان اصول سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان امور کا فیصلہ شخص خود ہی خوب کر سکتا ہے اور پوری آزادی کی حالت میں جان کہیں مختلف درجہ کی لیاقت ہوتی ہے اکثر لوگ وہی امور اختیار کرتے ہیں جنکی قابلیت تا تمہ کہتے ہیں اور اسکے خلاف روش ساز و نادر آدمی اختیار کرتے ہیں۔ یا تو اس زمانہ کی تمدنی ترقیوں سے بالکل غلط

مقبول نکلا ہے۔ اس نتیجہ کو دہانک لیجا نا چاہیے کہ جملہ شخصیں اور ناقابلین جو کسی انسان کو کسی شغل مباح سے منع ہیں موقوف ہو جائیں۔

نگرہ ثابت کرنے کے لیے کہ عورتوں کو ووٹ ملنا چاہیے اتنی دلیل محبت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ امر ویسا ہی صحیح ہو تا جیسا یہ غلط ہے کہ عورتوں کا فرقہ ایک ادنیٰ فرقہ ہے جس کا اختیار امور خانگی پر محدود ہے اور جو خانگی حکومت کی محکوم ہیں تو بھی عورتوں کو اتنی ہی ضرورت ووٹ کی باقی رہتی تاکہ وہ اس خانگی حکومت کے ناجائز استعمال سے محفوظ رہیں مرد اور عورت دونوں کو پورے مکمل حقوق کی ضرورت ایسے نہیں ہے کہ وہ حکمرانی کریں بلکہ ایسے ہے کہ ان پر کوئی حکومت بجا نہ کر سکے۔ اکثر مردوں کی کیفیت ہے کہ عمر بھر کھیتوں اور کارخانوں میں مزدوری کیا کرتے ہیں مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ انکو ووٹ دینا مناسب نہیں ہے انکا ووٹ کا استحقاق اس سے کم نہیں ہو جاتا ہے درآخانیہ یہ گمان ہو کہ وہ لوگ اپنے ووٹ کا استعمال لمبا کر گئے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ عورتیں اپنے اقرباء کو اس کے حکم یا دباو سے ووٹ دے دیا کرتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر عورتیں بجائے خود سوچیں تو بڑا فائدہ ہو گا اور اگر بجائے خود نہ سوچیں تو کچھ نقصان ہو گا۔ آدمی کے ہاتھوں کی بیڑیاں کاٹ دینے سے اسکو فائدہ ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ چلنا پھرنا نہ چاہے۔ عورتوں کی اخلاقی حالت میں بڑی اصلاح اس امر سے ہو جائیگی کہ سب سے زیادہ اہم معاملات دینا میں قانون نافذ کرنے کے ناقابل اور تزیج کے غیر مستحق نہ قرار دی جائیں۔ ہر ایک عورت کو کچھ فائدہ اس سے ہو گا کہ اس کے اختیار میں ایک ایسی چیز کا عطا کرنا ہے جسکو اس کے اقرباء سے ذکر اس سے

زبردستی نہیں لے سکتے ہیں اگر انکی خواہش رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی بڑے فائدہ کی بات ہے کہ شوہر اس مقدمہ میں اپنی زوجہ سے ضرورت بحث کرے گا اور ووٹ شوہر کا ذاتی معاملہ ہوگا بلکہ انکی زوجہ بھی نہیں شریک ہوگی۔ لوگ اس امر پر غور کا مل نہیں کرتے ہیں کہ یہ خیال سے کہ یہ عورت ایسی ہے کہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہو کر ایسی کارروائی کر سکتی ہے جسکا اثر سب پر پڑتا ہے اس عورت کا وقار و اعتبار عوام الناس کی نظروں میں بہت ہو جائیگا اور انکی عزت ایسی ہونے لگیگی کہ صفات ذاتی کی وجہ سے ایسا اعزاز اس عورت کا ہرگز نہ کیا جاتا جسکے تمدنی وجود کو ہکا شوہر بالکل اپنے تصرف میں رکھ سکتا ہے۔ خود مرد کے ووٹ میں بھی اصلاح ہو جائیگی کیونکہ وہ شخص اکثر اس بات پر مجبور ہو جائیگا کہ اپنے ووٹ کے ایسے وجہ قوی پیدا کرے کہ ایک ایماندار اور منصف مزاج آدمی اس معرکہ میں اسکا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے اور زوجہ کے دباؤ سے وہ شخص ہمیشہ اپنی سچی رائے کا پابند رہے گا۔ یہ نفع ضرور ہے کہ اکثر اوقات وہ اپنا ووٹ عام اصول کی تائید میں دے گا بلکہ اپنے خیال کے خاص فائدہ یا اسکے طمع دہیزی کے موافق دے گا مگر جہاں زوجہ کا دباؤ اپنے خاوند پر ایسا ہے وہاں اب بھی ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خرابی کا یقین ہے کیونکہ موجودہ قانون اور رسم و رواج کے بموجب زوجہ فن سیاست سے باہر معنی کہ یہ فن اصول رکھتا ہے ایسی تاواقت محض ہے کہ وہ اپنے دل میں یہ نہیں سمجھ سکتی کہ سیاست میں عزت بھی ایک مقام رکھتی ہے اور اکثر لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جس بات میں انکی عزت پر حرج نہ آئے اس میں اور وہ ان کی عزت کی بھی اتنی ہی کم پروا رکھتے ہیں جتنی پروا ان لوگوں کے

نہی اعتقادات کی رکھتے ہیں جبکہ مذہب انکے دین کے خلاف ہے۔ مگر عورت کو جب ووٹ دیا جائیگا تو پولیٹیکل عرت کا خیال اسکو ضرور رہیگا اور وہ امور سیاست کو ایسی چیز سمجھگی جسپر وہ اپنی ایک رے قائم کر سکتی ہے اور جب کوئی شخص ایسے امور میں کوئی رے رکھتا ہے تو اسپر عمل کرنا لازم ہے۔ اس عورت کو اس معاملہ میں اپنی ذاتی ذمہ داری کا خیال پیدا ہوگا اور جیسا وہ اب سمجھتی ہے ویسا نتیجہ بھیگی کہ چاہیے کیسا ہی خراب دباؤ وہ اپنے شوہر پر ڈالے اگر وہ اپنی بی بی کا کتنا مان لے تو پھر کیا پروا ہے اسکے دشوہر کی ذمہ داری جلد امور پر جاوے گی۔ لہذا عورت کو ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اپنی ایک رے قائم کرے اور ان موجو کو اچھی طرح سے سمجھ لے جنکو ذاتی یا خاندانی فائدہ کی طمع پر ایمانا غالب آتا چاہیے۔ جب یہ کیا جائیگا تب ہی عورت اپنے شوہر کے پولیٹیکل ایمان کو ڈاوان ڈول رکھنے سے باز آئیگی۔ اسکی (عورت کی) مداخلت ضمنی سے پولیٹیکل ضرر نہ پیدا ہونے کا سرن ہی تدبیر ہے کہ اسکا مبادلہ مداخلت صریحی سے کیا جائے۔

مین نے یہ خیال کیا ہے کہ ووٹ کا حق صفات ذاتی پر موقوف ہے اور جہان عمدہ حالت ہوگی وہاں ہی ہوگا لکن جہان ووٹ کا حق جائیداد پر مبنی ہے جیسا اس ملک میں اور بہت سے اور ملکوں میں بھی ہے وہاں اس سے بھی زیادہ مخالفت عقل سلیم کی لازم آتی ہے۔ یہ امر سراسر خلاف عقل ہے کہ جب کوئی عورت وہ سب ضمانتیں دے سکتی ہے جو ایک مرد انتخاب کنندہ سے مطلوب ہیں یعنی وہ عورت مستغنی ہے اور گرسٹ اور رئیس خاندان بھی ہے اور یکس بھی ادا کرتی ہے جو کچھ شرطیں مقرر کجائیں انکی تعمیل کو موجو دہے۔

تو نفس اصول اور قاعدہ اس قائم مقامی کا جو جاوید اور پڑنی ہے باطل ہو جاتا ہے اور ایک خاص عدم قابلیت ذاتی اس لیے ایجاد کی جاتی ہے کہ عورت ووٹ سے محروم رہے۔ اور جب اسکے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ جس ملک میں ایسا کیا جاتا ہے وہاں آج کل عورت ہی بادشاہ ہے اور اس ملک میں جو سب سے زیادہ نامی و گرامی بادشاہ گذر رہے وہی عورت ہی تھی تو بھتی اور انصافی کی پوری تصویر آنکھوں میں بھر جاتی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جب خصوصیت بچا اور ظلم کی عمارت بوسیدہ کے آثار و علامات یکے بعد دیگرے منہدم کیے جاتے ہیں تو یہی ظلم کے بعد دفع ہو گا اور ستمیہ صاحب اور معمولی بی بی صاحب اور ہر صاحب اور اس ملک و اس زمانہ میں جو اور زبردست محققین سیاست گندے ہیں انکی رائے ان سب لوگوں کے دل میں سما جائیگی جنکو خود غرضی یا تعصب دیرینہ نے سنگدل نہیں بنا دیا ہے اور مہنوز و دوسری نسل تمام نمونے پائیگی کہ مرد و عورت کا فرق جو مثل گورے کالے کے فرق کے محض ایک فرق اتفاقی ہے وجہ کافی اس بات کی نہ سمجھی جائیگی کہ عورت ایک آزاد رعیت کے مساوی درجہ کی حفاظت اور منصفانہ حقوق سے محروم رکھی جائے فقط

## نوان باب

اس بیان میں کہ انتخاب کے دو درجے ہونے چاہئیں یا نہیں بعض پنجابی گونیٹون میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قائم مقامان کی کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب دو مرتبہ کیا جاتا ہے پہلے انتخاب کنندے دوسرے



انتخاب کنندہ کو منتخب کرتے ہیں اور یہ دوسرے انتخاب کنندے میں ان پالیمنٹ کے منتخب کرتے ہیں۔ اس مذہب کا مشاہدہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس کے جوش و خروش پر کچھ روک رہی اور ووٹ کا حق اور اسکے ساتھ پورا آخری درجہ اختیار عوام کو دیا جائے مگر وہ اس بات پر مجبور کیے جائیں کہ اس اختیار کو ایسے چند آدمیوں کے ذریعے سے عمل میں لائیں جنکی نسبت یہ خیال کیا گیا ہے کہ غضب خلائق کے ہوا ہند کے جو لوگوں کا اثر اہم نسبت عوام الناس کے کم ہوگا۔ اور چونکہ انتخاب کنندے خود منتخب شدہ ہونگے لہذا اُن سے یہ توقع ہو سکتی کہ علم و فضل میں اُن عام لوگوں سے جنہوں نے انکو منتخب کیا ہے بہتر ہونگے اور یہ دوسرے انتخاب کنندے غالباً زیادہ تر احتیاط اور تدبیر کے ساتھ انتخاب کریں گے اور انکو اپنی ذمہ داریوں کا خیال بھی اس مقدمہ میں عوام الناس کی بہ نسبت زیادہ ہوگا۔ یہ مذہب جس سے عوام کا ووٹ ایکے رمیانی جماعت کے ذریعے سے مثل پانی کے قطر کیا جاتا ہے بادی النظر میں قابل تائید معلوم ہوتی ہے کیونکہ ظاہر یہ دلیل معقول ہے کہ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ ہمارے قرب و جوار کے آدمیوں میں کون لوگ ایسے ہیں جن پر پورا بھروسہ ہو سکتا ہے کہ پارلیمنٹ کے لیے ایک لائق و منتخب کریں گے کم عقل اور علم درکار ہے نسبت کے کہ یہ تصدیق کیا جائے کہ کون شخص ممبری کی لیاقت میں زیادہ رکھتا ہے۔

اس انتظام میں پہلی خرابی تو یہ ہے کہ اگر اسکے باعث سے وہ نقصانات جو عوام کی حکومت کو لازم ہیں کسی قدر کم ہو جاتے ہیں تو اُسی قدر اُن کے فوائد بھی کم ہو جاتے ہیں اور فوائد کا کم ہونا نقصانات کے کم ہو جانے کی نسبت زیادہ یقینی ہے۔ اس قاعدہ کا عمل درآمد حسب الخواہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اُسی نسبت سے

یہ عمل میں لایا جائے جس نیت سے یہ ایجا دیا گیا ہے اور انتخاب کنندے اپنے ووٹوں کو اس طرح استعمال میں لائیں جیسا اس قاعدہ کا منشاء ہے یعنی ہر ایک انتخاب کنندہ اپنے دل سے یہ نہ پوچھے کہ پارلیمنٹ کا ممبر کسکو ہونا چاہیے بلکہ یہ سوچے کہ وہ خود اپنی طرف سے ممبر کرنا کس شخص کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انتخاب دالو اسطرح ہو فائدہ بقا بلکہ انتخاب بلا واسطہ کے رکھنا ہے (جیسا کہ خیال کیا گیا ہے) وہ فائدہ اسی وقت حاصل ہونگے جبکہ ووٹ دینے والے کے دل کی کیفیت باقی رہے اور وہ اس مسئلہ کو بے غور و منت قبول کرے کہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ انتخاب کنندوں کو منتخب کرے نہ کہ ممبر پارلیمنٹ کو منتخب کرے۔ پس یہ فرض کرنا لازم آتا ہے کہ ووٹ دینے والا پولیٹیکل رایون اور تجویزوں یا پولیٹیکل آدمیوں کا خیال اپنے دل میں نہ لائے گا بلکہ کسی خاص شخص کا پاس و لحاظ اس قدر کریگا کہ وہ ایک مختار نامہ اسکے نام لکھ کر اپنی طرف سے کام کرنے کا مجاز اسکو کریگا۔ اگر پہلے انتخاب کنندے اپنے منصب کو ایسا سمجھیں تو جن اغراض سے انکو ووٹ کا حق دیا گیا ہے انہیں سے ایک بڑی غرض فوت ہو جائیگی یعنی جملگی کام اُن سے لیا جاتا ہے اُس سے اُنکے دل میں رفہ عام کی خواہش نہ پیدا ہوگی اور نہ پولیٹیکل معاملات کو سمجھنے کا وقوف اُنکو آئیگا اور نہ وہ اس سلطنت پر کچھ توجہ کریں گے اور نہ اپنی دماغی قوتوں کو انہیں صرف کرینگے علاوہ اسکے یہ ہے کہ اس قیاس میں تضاد جمع ہین۔ کیونکہ اگر ووٹ دینے والے کو نتیجہ آخری کی کچھ پروا یا فکر نہیں ہے تو اُس سے یہ کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ جس عمل سے وہ نتیجہ پیدا ہوگا اُنکی پروا رکھتا ہے؟ ہر شخص کو جو ایک معتدل درجہ کانیک اور ذی شعور آدمی ہے یہ خواہش کرنی ممکن ہے کہ ایک شخص اس کا قائم مقام پارلیمنٹ میں

اور اس خواہش کا نتیجہ ضروری اس امر کی خواہش ہے کہ وہ شخص کسی تنہا کتبیہ کو  
 اس لیے پسند کرے کہ وہ اُس شخص خاص کو پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرے۔ اگرچہ شخص اسکی  
 پروا نہیں رکھتا ہے کہ کون آدمی منتخب کیا گیا ہے یا جو اس خیال کو ملتوی رکھنا  
 اپنا فرض سمجھتا ہے اگر وہ کسی قسم کی توجہ کے سب سے لائق آدمی کو اس لیے نافذ کرے  
 کہ وہ اپنی سمجھ کے موافق ایک دوسرے شخص کو پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرے تو  
 اسکی یہ توجہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے امر میں سرگرمی کرتا ہے  
 جو فہمنا امر حق ہے اور وہ اس اصول کا پابند ہے کہ فرض کو فرض سمجھ کر نیت حاصل  
 ہوا کرنا چاہیے۔ یہ بات تو انہیں لوگوں سے ہو سکتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہیں  
 اور انکا امیر قادر ہونا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اُسکے متحق ہیں کہ پولیٹیکل اختیار  
 بلا واسطہ یا براہ راست اُنکو دے دیا جائے۔ جتنے پولیٹیکل کام ان افراد قوم کو  
 مل سکتے ہیں جو اوروں کی بنسبت مفلس ہیں ان سب میں سے یہی کام ایسا ہے جسکا  
 بہت ہی کم شوق اُنکو ہوتا ہے اور جسکی پروا کرنے کا باعث اُنکو بہت خفیف ہوتا ہے  
 جبرائیل کے کہ وہ اپنی نیک نیتی سے اس بات پر آمادہ ہوں کہ جو کوئی کام ہمارے  
 سپرد کیا جائے ہمکو لازم ہے کہ اُنکو ایمانداری سے انجام دیں۔ اور اگر انتخاب کنندے  
 پولیٹیکل معاملات کی اتنی پروا رکھتے کہ ایسے معاملات میں ایسی محدود دخلت کو بھی غنیمت  
 سمجھتے تو غالباً وہ رضی نہوتے ناؤ تکیہ اُنکو پولیٹیکل امور میں زیادہ دخلت نہ دی جاتی۔  
 تانیا ہنے مانا کہ جو شخص اتنا شعور نہیں رکھتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبر کے امیدوار کی  
 لیاقتوں کا بخوبی اندازہ کرے کہ وہ اتنی تمیز تو رکھتا ہے کہ کسی شخص کی ایمانداری اور  
 عام لیاقت کا اندازہ کرے کہ اُسکو اس لیے مقرر کرے کہ اسکی طرف سے کسی کو پارلیمنٹ کے

ممبر منتخب کرے۔ اسکی نسبت میری گزارش ہے کہ اگر ووٹ دینے والا اپنی باتوں کے  
 اس اندازہ کو تسلیم کرے اور فی الواقع یہ چاہیے کہ اسکی طرف سے کوئی دوسرا شخص  
 جیسا کہ وہ اعتبار کرنا ہے پارلیمنٹ کے ممبر کو منتخب کرے تو اس مقصد کے لیے کوئی  
 قاعدہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ووٹ دینے والا اس شخص سے جسکو  
 وہ معتبر سمجھتا ہے صرف انا بجائے خود پوچھ لے کہ آپ کس شخص کے موافق ووٹ  
 دینا مناسب جانتے ہیں۔ اس صورت میں انتخاب کے دونوں طریقوں سے نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے  
 اور انتخاب بلا واسطہ سے جو جو فائدہ مقصور ہے وہی انتخاب بلا واسطہ سے بھی  
 حاصل ہو سکتا ہے ان دونوں طریقوں کے عمل درآمد میں صرف اختلاف ہو گا  
 لیکن اگر یہ فرض کیا جائے کہ ووٹ دینے والا تو اپنی ہی رائے سے اپنے  
 قائم مقام کو منتخب کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ قانوناً وہ انتخاب بلا واسطہ کا  
 مجاز نہیں ہے یعنی کسی کو خود ممبر نہیں منتخب کر سکتا ہے لہذا دوسرے شخص سے  
 ممبر کو منتخب کرنا ہے لیکن اگر اسکی طبیعت کی یہ کیفیت ہے اور اگر وہ قبیح  
 قانوناً مقرر ہوئی ہے اسکی مرضی کے خلاف ہے اور وہ ممبر کو خود اور بلا واسطہ  
 کسی اور آدمی کے منتخب کرنا چاہتا ہے تو قانون کو بالائے طاق دیکھ کر وہ ایسا  
 کر سکتا ہے اسکو صرف اتنا کرنا پڑیگا کہ انتخاب کنندہ اس شخص کو منتخب کرے جو  
 اس امیدوار کا طرہ از مشہور ہے جسکو وہ ترجیح دیتا ہے یا اور کسی شخص کو منتخب کرے جو اسکا  
 اقرار کرے کہ اسی امیدوار کے موافق ووٹ دیگا۔ دوسرے کے انتخاب کا عمل درآمد  
 خواہ خواہ اسی طریقہ سے ہو گا اور اسکے خلاف کارروائی کی امید نہیں ہو سکتی ہے  
 الا ان حالت میں جبکہ لوگ پولیٹیکل امور کی مطلق پروا نہ رکھتے ہوں اور اسی طریقہ سے مالک

متحدہ امریکا کی سلطنت جمہوری کا پریسیڈنٹ یعنی صدرین منتخب کیا جاتا ہے کہ اس کا انتخاب  
 پہلے نام بالواسطہ ہوتا ہے یعنی اس ملک کے عام باشندے اس کے انتخاب و ووٹ  
 نہیں دیتے ہیں بلکہ ان انتخاب کنندوں پر ووٹ دیتے ہیں جو پریسیڈنٹ کو  
 منتخب کرتے ہیں۔ مگر ایک خاص انتظام کیا جاتا ہے جس سے وہی انتخاب کنندے  
 پسند کیے جاتے ہیں جو کسی خاص امیدوار کے موافق ووٹ دین اور کوئی شہنہ  
 اس ملک کا کسی انتخاب کنندے پر ووٹ اس وجہ سے کہی نہیں دیتا ہے کہ  
 اسکو وہی شخص مرغوب ہے بلکہ وہ لیکن صاحب کینج صاحب کے نام کے  
 گٹ پر ووٹ دیتا ہے اور یہ امر ذہن نشین رہے کہ انتخاب کنندے اس غرض سے  
 نہیں نامزد کیے جاتے ہیں کہ وہ سارے ملک میں تلاش کر کے سب سے زیادہ لائق  
 آدمی کو پریسیڈنٹ یا پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کرینگے۔ اگر ایسا ہوتا تو خیر کچھ تاخیر اس  
 طریقہ انتخاب کی ہو سکتی۔ مگر ایسا نہیں ہوتا ہے اور نہ اسوقت تک ایسا ہوا ممکن ہے  
 جب تک عموماً بنی آدم افلاطون حکیم سے اس باب میں اتفاق رائے نہ کریں کہ حکومت  
 اس شخص سے متعلق کرنی چاہیے جو ہرگز اسکو قبول کرنا نہ چاہتا ہو۔ انتخاب کنندے  
 منجملہ امیدواران انتخاب کے ایک امیدوار کو پسند کر لیتے ہیں اور جو لوگ انتخاب  
 کنندوں کو منتخب کرنے میں پیشتر ہی سے جانتے ہیں کہ امیدواران انتخاب کون کون  
 لوگ ہیں اور اگر اس ملک میں پولیٹیکل جوش ہوتا ہے تو سب انتخاب کنندے جو ووٹ  
 کچھ بھی پروار کتے ہیں پہلے ہی سے اپنے دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ ان امیدواروں  
 میں سے کن کن کو منتخب کر گئے اور ووٹ دینے میں فقط اسی امر کا خیال  
 رکھتے ہیں اور ہر ایک امیدوار انتخاب کے طرفدار جو لوگ ہیں وہ انتخاب کنندوں

کی ایک ایک فہرست بنوائیے ہیں اور سب یہ عہد کر لینے میں کہ اس شخص کے موافق ووٹ دینگے اور ابتدائی انتخاب کنندے سے علاوہ صرف یہ پوچھا جاتا ہے کہ انہیں سے کس فہرست کی تائید تم کرو گے

وہ صورت چھین دو درجہ کا انتخاب عملاً فائدہ مند ہے یہ ہے کہ انتخاب کنندے نرے کمرے انتخاب کنندے ہی نہ مقرر کیے جائیں بلکہ انکو اور قسم کا اہم پوچھ لیا کام بھی کرنا پڑے جسکے باعث سے وہ صرف بطور ڈیمکریٹوں کے نہیں منتخب ہو سکتے ہیں کہ ایک خاص ووٹ دے دین باقی کچھ کام نہیں ہے یہ دو نون باتیں لبریا کی ایک اور کمیٹی میں جمع ہیں جسکا نام مالک متحدہ کے سینٹ ہے۔ یہ مجلس جرمنیا کے کانگریس میں ستر لہوس آف لارڈس کی ہے مالک متحدہ کے باشندوں کے قائم مقام بلا واسطہ نہیں سمجھی جاتی ہے بلکہ نودان مالک کی قائم مقام تصور کی جاتی ہے اور انکے شاہانہ حقوق کے اس جزو کی محافظ خیال کی جاتی ہے جسکو انھوں نے نقل نہیں کیا ہے۔ اور چونکہ مالک مذکورہ میں سے ہر ایک مملکت کی اندرونی حکومت مساوی درجہ کے اتحاد کی وجہ سے بدرجہہ مساوی واجب الاحترام ہے خواہ اسی مملکت کی وسعت یا عظمت کم ہو خواہ زیادہ لہذا انہیں سے ہر ایک کو جانب سے ایک ہی تعداد کے ممبر یعنی دو یا سینٹ میں بھیجے جاتے ہیں اور انکی خودی اور بزرگی کا لحاظ بالکل نہیں کیا جاتا ہے۔ ان ممبروں کو وہاں کے باشندے نہیں منتخب کرتے ہیں بلکہ ہر ایک مملکت کی مجلس قانونی انکو منتخب کرتی ہے اور مجلس قانونی کے ممبروں کو ہر ایک مملکت کے باشندے منتخب کرتے ہیں مگر چونکہ مجلس واضع قوانین کا معمولی کام یعنی اندرونی قوانین بنانا اور عظامہ ضیعی نگرانی کرنا

انھیں مجالس قانونی کو کرنا پڑتا ہے لہذا ان کے ممبروں کے انتخاب میں ان مقاصد کا لحاظ اور امور کی بہ نسبت زیادہ کیا جاتا ہے اور جب یہ مجالس قانونی دو شخصوں کو اسلئے نامزد کرتی ہیں کہ انہیں سے کسی ملک کی قائم مقامی سینیٹ میں کرین تو اکثر وہ اپنی ہی رے سے انکو نامزد کرتی ہیں اور عام رائے کا صرف اتنا لحاظ رکھتی ہیں جتنا ہر ایک سلطنت جمہوری میں گورنمنٹ کی سب کارروائیوں کے لیے ضروری ہے جو انتخابات اس طور سے عمل میں لائے جاتے ہیں انہیں نمایاں کامیابی ہوئی ہے اور مالک متحدہ کے تمام انتخابات سے اولیٰ و افضل میں اور سینیٹ کے ممبر بننے والے ہوئے ہیں جنھوں نے پولیٹیکل معاملات میں بڑا امتیاز حاصل کیا ہے اور بڑا نام پیدا کیا ہے جب ایسی مثال موجود ہے تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ انتخاب عام اگر بلا واسطہ عمل میں آئے تو اس کے کبھی کبچہ فائدہ نہ ہوگا بعض شرائط سے اس سے بہتر کوئی طریقہ انتخاب نہیں ہے لیکن وہ شرائط علما نہیں پائے جاتے ہیں الا یہی متحدہ گورنمنٹ میں جیسے ممالک متحدہ امریکا کی گورنمنٹ ہے جہاں انتخاب خاص خاص مقامات کی کمیٹیوں کے سپرد ہو سکتا ہے جسکو علاوہ انتخاب کے اور کام بھی اس قسم کا کرنا پڑتا ہے جو نہایت اہم قومی معاملات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس ملک (انگلینڈ) میں ان کے مانند جو کمیٹیاں ہیں یا ہو سکتی ہیں وہ میونسپل کمیٹیاں یا اسی قسم کی اور کمیٹیاں ہیں جو مختص المقام مقاصد کے لیے قائم کی گئی ہیں یا قائم ہو سکتی ہیں لیکن بہت کم لوگ اس امر کو ہمارے پارلیمنٹ کی ترکیب میں اصلاح تصور کریں گے کہ شہر لندن کی طرف سے پارلیمنٹ کے ممبروں کو الیڈر میں اور کامن کونسل منتخب کرین اور قصبہ میری لبون کی جانب سے ممبروں کو ضلعوں کی کمیٹیاں صریحاً منتخب کرین اگرچہ ضمتاً تو اب بھی وہی منتخب کرتی ہیں۔

اگر کمیٹیاں بحیثیت لوکل بورڈوں کے ویسی لائق اعتراض نہ تھیں جیسی کہ فی الواقع قابل اعتراض ہیں تو بھی اُن اوصاف سے جکے باعث وہ نیوسپل یا ضلع کے فرائض کو انجام دینے کے قابل ہو گئی ہیں یہ نہیں لازم آتا ہے کہ وہ کوئی خاص قابلیت پارلیمنٹ کے ممبری کے امیدواروں کی نسبت لیاقتوں کا اندازہ کرنے کی رکھتی ہیں اس کا کہ وہ غالباً اُس سے بہتر انجام دینگے جیسا دبان کے باشندے بلا واسطہ ووٹ دیکر اُس کو انجام دیتے ہیں۔ پھر اسکے برخلاف اگر اضلاعی یا قصبائی کمیٹیوں کے ممبرین انتخاب میں پارلیمنٹ کے ممبرین کو منتخب کرنے کی لیاقت ملحوظ رکھی جائے تو بہت سے اشخاص جو اُس محدود کام کی لیاقت نامہ کہتے ہیں خواہ مخواہ اُس سے محروم رہینگے اگرچہ انکی محدودی کا سبب صرف یہ ہو کہ اُن اشخاص کو منتخب کرنے کی ضرورت ہو جسکے خیالات عموماً پولیٹیکل معاملات میں اُن ووٹ دینے والوں کے خیالات متفق ہوں جنھوں نے اُن کو منتخب کیا ہے قصبائی کمیٹیوں کو ضمنی پولیٹیکل اقتدار حاصل ہے اسکے باعث سے نیوسپل انتخاب اپنے مقاصد میں سے بہت منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ انہیں فریقی مخالفت کو دخل ہو گیا ہے۔ اگر کسی شخص کے داروغہ کتب خانہ یا خانسا مان کے فرض مضی کا ایک حصہ یہ ہوتا کہ اُسکے لیے ایک طبیب کو منتخب کرے تو یہ طبیب غالباً اُس طبیب سے بہتر نہوتا جسکو وہ وہ شخص مقرر کرتا حالانکہ وہ شخص داروغہ کتب خانہ یا خانسا مان اُسی آدمی کو مقرر کرتا جسکے پرچہ دوسری خدمت بھی ہو سکتی بغیر اسکے کہ اُس شخص کو اپنی صحت میں فور پڑنے کا خوف ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ ہر ایک فائدہ جو انتخاب بلا واسطہ سے حاصل ہو سکتا ہے انتخاب بلا واسطہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جو فی الحقیقت انتخاب بلا واسطہ سے نہیں حاصل



ہو سکتے ہیں انتخاب بالواسطہ سے بھی نہیں حاصل ہو سکتے ہیں اور آخر الذکر انتخاب سے  
 بڑے بڑے نقصانات مقصود ہیں جو اس سے مختص ہیں صرف یہی اعتراض نکالنا ہے  
 کہ انتخاب بالواسطہ انتخاب کی کل میں ایک فضول پیہہ ہے اور محض بیکار ہے۔ یہ تو سابقین  
 تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ اس قسم کا انتخاب فائدہ عام کی خواہش پیدا کرنے اور پولیٹیکل  
 معاملات میں شعور حاصل کرنے کا محض ایک دلی ذریعہ ہے اور اگر یہ عملاً بھی مؤثر  
 ہوتا یعنی اگر ابتدائی انتخاب کنندے اپنے پارلیمنٹ کے قائم مقاموں کو منتخب کرنا  
 کسی قدر بھی اُن لوگوں کی رے پر موقوف رکھتے جنکو انھوں نے نامزد کیا ہے تو  
 ووٹ دینے والا اس شخص سے یکدلی اور کجبتی نہ پیدا کر سکتا جو انکی طرف سے پارلیمنٹ کا  
 نمائندہ کیا گیا ہے اور یہ ممبر اپنے انتخاب کنندوں کا مؤاخذہ دار ہونے کا بہت کم خیال کرے گا  
 علاوہ ان سب امور کے جن لوگوں کے اختیار میں پارلیمنٹ کے ممبر کو منتخب نہ ہونا انکی  
 تعداد کی کمی سے بہت بڑی گنجائش مفسدہ پرداز سی کی اور ہر قسم کی رشوت ستانی کی جو  
 انتخاب کے مرتبہ اور حیثیت کے موافق ہوتی نکل آتی اور رشوت ستانی کی  
 آسانی کے لحاظ سے انتخاب کرنے والی کمیٹیوں کی وہ کیفیت ہو جاتی جو بفصل  
 چھوٹے چھوٹے قصبوں کی ہے اور چند آدمیوں کو اپنی طرف کر لینا نمائندہ ہونے کو  
 کافی ہوتا اگر یہ کہا جائے کہ انتخاب کنندے اُن لوگوں کے جواب دہ ہو جنھوں نے انکو  
 منتخب کیا تھا تو اسکا جواب ظاہر ہے کہ جب انتخاب کنندے عوام کی نظروں میں کوئی  
 عہدہ یا منصب نہیں رکھتے تو انکو رشوت لیکر ووٹ دینے سے کچھ خوف نہوتا ہوا ہے اس کے  
 کہ وہ دوبارہ انتخاب کنندے نہ مقرر کیے جائینگے اور اسکی وہ کچھ پروا نہ کرتے  
 تب رشوت ستانی کی سزا پر بھروسہ کرنا پڑتا اور چھوٹے چھوٹے حلقوں میں اس سزا کا

غیر متغی ہونا تمام دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ یہ خرابی اسی قدر ہوگی جس قدر انتخاب سخت شدہ انتخاب کنندوں کی رائے پر چھوڑ دیا جائیگا۔ غالباً ایک ہی صورت ایسی ہوگی جس میں وہ خوف کے مارے اپنے ووٹ کا استعمال اپنی غرض ذاتی سے کریں گے۔ وہ صورت یہ ہے کہ اُن سے ایک خاص عہدے لیا جائے اور وہ گویا محض بطور ڈیپلٹیشن کے فقط اس لیے مقرر کیے جائیں کہ جن لوگوں نے اُن کو منتخب کیا ہے اُن کے ووٹوں کو اس مقام پر لجاؤں جہاں انتخاب ہوتا ہے۔ دو درجے کے انتخاب کا نتیجہ ابتدا ہی سے خراب ہوگا۔ اور یہ قول انتخاب مالدار اسطے کے اصول پر چاہے وہ کسی طرح سے جاری کیا جائے صادق آتا ہے الا ان حالات میں جو ان حالات کے مشابہ ہوں جن میں مالک متحدہ امریکا کے سینیٹ کے ممبروں کا انتخاب ہوتا ہے۔

اس پولیٹیکل تدبیر کی تاہد میں سب سے عمدہ یہ دلیل بیان ہو سکتی ہے کہ بعض حالات میں متعدد ووٹوں کی بہ نسبت دوہرے ووٹ کا قاعدہ عملاً زیادہ تر مفید اس لیے ہوگا کہ ہر فرد قوم کو کسی قسم کا ووٹ لجاؤں گا بغیر اسکے کہ کوئی فرق صرف اپنی کثرت عددی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں غالب رہے مثلاً اگر اس ملک کے موجودہ انتخاب کنندوں کی تعداد مزدور پیشہ فرقوں کے اس حیدہ اور گنیر حصہ کے شریک ہو جانے کی وجہ سے جسکو انھیں کے ہم پیشہ آدمیوں نے منتخب کیا ہو زیادہ ہو جائے تو شاید ایسی کیفیت پیدا ہو جس سے یہ تجویز ایک آسان طریقہ سے عارضی مصلوہ کا ہو جائے لیکن اس سے کسی اصول کا عملدرآمد ایسی خوبی سے نہیں ہوتا ہے کہ یہ گمان ہو سکے کہ کوئی فرقہ متعین فن سیاست کا ایک ایک مستقل انتظام سمجھ کر پسند کرے بلکہ فقط

## دسوان باب

ووٹ دینے کے طریقے کے بیان میں

ووٹ دینے کے طریقوں کی نسبت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ آیا ووٹ اعلان سے یا اخلاص سے دیا جائے۔ اس مسئلہ کی تحقیق ذیل میں کی جاتی ہے اس مسئلہ میں جلد سازی یا بزدلی کی بحث کرنا بڑی غلطی ہے۔ اخلاص یعنی پوشیدہ یا عین صورتوں میں جائز اور بعض صورتوں میں واجب ہے اور جن خرابیوں کا اسناد ادا یا غازی سے ممکن ہو اُسے بچنے کی تدبیر کرنا بزدلی نہیں ہے اور یہ بحث بھی مقول نہیں ہے کہ ایسی صورتیں ذہن میں نہیں آتیں جنہیں پوشیدہ طور سے ووٹ دینا بالاعلان ووٹ دینے پر ترجیح رکھتا ہے۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ بالکل معاملات میں ایسی صورتیں شاذ و نادر وقوع میں آتی ہیں۔

جس امر کا ذکر ہو رہا ہے وہ منجملہ ان امور کے ہے جنہیں آئین سیاست کا منشاء یعنی وہ معنی جو ایک زاد رعیت اپنے دل میں سمجھتی ہے جو عظیم الشان تاثیر کا ہے ووٹ دینا یہ بالاعلان یا اخلاص سے ہے کہ یہ ووٹ خود انتخاب کنندہ کو خاص اسکے ذاتی استعمال اور فائدہ کے لیے دیا گیا ہے نہ کہ خاص عام کی طرف سے بطور انصاف کے اس لفظ بلیٹ کے معنی یہ ہے کہ ووٹ دینے میں متعلق ہوتا تھا۔ اور اسی معنی میں لکھنا طریقہ ووٹ دینے کا ہے کہ بڈریٹ کے ووٹ دیا جاتا ہے اور اس طریق کی مصلحت یہ ہے کہ ووٹ کی کارروائی میں ایک قسم کا اخلاص ہے مگر رشوت وغیرہ سے محفوظ رہے جیسا کہ مصنف نے اس کتاب میں مفصل اور مشروح بیان کیا ہے فقط مخرج

دیا گیا ہو۔ غالباً انتخاب کنندہ اپنے دل میں ہی منی اپنے ووٹ کے سمجھتا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا ووٹ فی الواقع ایک امانت ہے اور خاص و عام کا استحقاق نہیں ہے تو کیا وہ کہو جانے کے مستحق نہیں ہیں؟ اکثر لوگوں کے دل پر یہی غلط اور مضراثر ہو گا کہ وہ بھی اکثر کثیران لوگوں پر ہوتا ہے جو چند سال کے عرصے سے ووٹ بذریعہ ٹیلیٹ کے بڑے شور مچا رہے ہیں اور مؤید ہیں۔ اس مسئلہ کے معنی اس کے ابتدائی تاہد کرنے والے نہیں سمجھتے تھے۔ مگر کسی مسئلہ کا اثر جو انسان کے دل پر ہوتا ہے اُن لوگوں سے بخوبی نہیں ظاہر ہوتا ہے جو اس کی پیروی کرتے ہیں براہیٹ صاحب اور وہ حامیان سلطنت جمہوری جو اُن کے ہم شرب ہیں اپنے تئیں مکلف اس بات کے کہنے کا سمجھتے ہیں کہ ووٹ ایک حق ہے امانت نہیں ہے۔ جب ایسا مضمون عوام کے ذہن میں رائج ہو جاتا ہے تو ایسا اخلاقی ضرر اُس سے پیدا ہوتا ہے کہ ٹیلیٹ سے چلبے کیسا ہی نفع عظیم تصور کیا جائے تو بھی وہ نقصان اُس فائدہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ لفظ حق کی جو کچھ تعریف کی جائے یا جو کچھ معنی سمجھے جائیں کوئی شخص حق نہیں رکھتا ہے والا خلاص قانونی معنی سے کہ اور دن پر اختیار حاصل کرے بلکہ ہر ایک ایسا اختیار جو اُس کو دیا گیا ہے اخلاقاً امانت یعنی جہتی ہے۔ مگر کسی پولیٹیکل کام کو ہمیشہ ایک انتخاب کنندہ یا ایک قائم مقام کے انجام دینا اور دن پر اختیار رکھنا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ووٹ امانت نہیں ہے بلکہ حق ہے اُن شایع کو نہ قبول کریں گے جو ان کے اُس قول سے نکلتے ہیں اگر ووٹ ایک حق ہے اور ووٹ دینے والے کے ملک میں داخل ہے تو اگر وہ اُس کو فروخت کر ڈالے یا جس شخص کو خوش کرنے میں اُس کو اپنا نفع ذاتی متصور ہے اُس کو راضی کرنے کے لیے اپنے ووٹ کا استعمال کرے

تو کن وجہ سے وہ مورد الزام ہوگا؟ کسی شخص سے یہ توقع نہیں ہو سکتی ہے کہ اپنے مکان کو یا کسی تجارت میں اپنے تین روپیہ سیکڑے کے سود کو یا اور کسی شے کو جو عین وہ کوئی واقعی حق رکھتا ہے محض فائدہ عام کی نظر سے استعمال کرے گا۔ چند وجہ سے اسکو ووٹ ملنا واجب ہے انہیں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ووٹ خود انکی حفاظت کا ذریعہ ہوگا مگر حفاظت اُس بدسلوکی سے جس سے وہ اتناک جانتا ہے اُسکے ووٹ پر موقوف ہے اپنے ہر ایک ہو وطن کو بچانا اسکو ویسا ہی فرض ہے جیسا اپنے نفس کی حفاظت کرنا اُسکا ووٹ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکے کرنے نہ کرنے کا اسکو اختیار ہو ووٹ انکی ذاتی خواہشوں سے اُس سے زیادہ تعلق نہیں ہے جو جوری کے آدمی کے لئے کہے بلکہ ووٹ ایک فرض ووٹ دینے والے کا ہے اور اسکو واجب ہے کہ یہ فیئنی و بین اللہ جس امر میں عام فائدہ سمجھے اُسپر اپنا ووٹ دے جو کئی شخص ووٹ کے معنی اور کچھ سمجھا ہے وہ اُسکی لیاقت نہیں رکھتا ہے۔ اور ووٹ کے اثر سے اُسکی نیت درست نہیں ہوتی بلکہ خراب ہو جاتی ہے۔ اور بعض اسکے کہ اُسکے دل میں حب الوطن اور فرض عام کا خیال پیدا ہو اُسکے مزاج کی یہ خاصیت ہو جاتی ہے کہ ایک عام فائدہ کے کام کو اپنی غرض ذاتی یا غرضی یا ملون طبعی کے لیے انجام دیتا ہے۔ الغرض اُسکے خیالات اور مقاصد ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے ایک حاکم ظالم اور مطلق العنان کے ہوتے ہیں۔ ایک معمولی درجہ کی آواز اور عبت جب کسی مفید عام عہدہ پر ہو یا جب اسکو کوئی کام کرنا پڑے تو جتنے اُس عہدہ یا اُس کام کے جو فرائض اسکو ادا کرنے پر پیشگی ملے نسبت وہ ٹھیک ویسا ہی سمجھے اور خیال کرے گی جیسا جھکرا یا خیال کر کے قوم نے اُسکو

وہ عدد یا وہ کام دیا تھا۔ قوم کو جس امر کی توقع اُس سے ہے وہ ایک ایسی معیاس ہے جس سے وہ نترل کر سکتی ہے مگر ترقی شاذ و نادر کر گئی۔ پس پوشیدہ ووٹ دینے کے معنی وہ یہ قرار دیکھی کہ مجھے یہ فرض نہیں ہے کہ اپنا ووٹ دینے میں اُن لوگوں کا کچھ بھی خیال رکھوں جنکو یہ جانتے کی اجازت نہیں دیکھی ہے کہ میں کیوں کر ووٹ دوں گا اور جیسا اُسکا جی چاہیگا اُس طرح ووٹ دیکھی۔

یہی وجہ دہرے اس بات کی ہے کہ ووٹ بذریعہ پلیٹ کا استعمال جو کلبوں اور برابروں میں ہوتا ہے اُس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ پالیٹکس انتخابات میں بھی یہی طریقہ جاری کیا جائے۔ کلب کے ممبر کو یہ واجب نہیں ہے کہ اور شخص کی خواہشوں اور اغراض کا خیال رکھے لکن انتخاب کنندہ اگر ایسا خیال کرے تو بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ کلب کا ممبر اپنے ووٹ کے ذریعہ سے صرف اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ کسی خاص شخص سے محبت کم و بیش پوشیدہ طور سے رکھنا اُسکو منظور ہے یا نہیں ہے یہ ایک ایسا مقدمہ ہے جسکی نسبت ساری دنیا کہی کہ انکی مرضی یا خواہش کے موافق اسکا فیصلہ ہونا چاہیے۔ اور ہر شخص کے حق میں یہاں تک کہ جو شخص کلب سے خارج کیا گیا ہے اُسکے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ ممبر اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرے اور کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہونے پائے۔ ایسی صورتوں میں پلیٹ کے لائن استعمال نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُس سے یہ یقین لازم آتا ہے کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولا جائیگا۔ کیونکہ لوگ کلب کے ممبر ہوتے ہیں وہ ایک ہی طبقہ اور ایک ہی رتبہ کے ہوتے ہیں اور انہیں سے ایک شخص کو نازیبا ہے کہ دوسرے سے سوالات اس باب میں کرے کہ آپ نے کیوں کر ووٹ دیا تھا۔ مگر پالیٹکس کے انتخابات کی

اور یہی کیفیت ہے اور جب تک وہ تمدنی تعلقات باقی رہیں گے جبکہ باعث میل کی ضرورت ہوئی ہے اس وقت تک یہی کیفیت چلے گی یعنی جب تک ایک آدمی دوسرے کا بزرگ اپنے تئیں سمجھ کر دوسرے سے ٹھکرا کر کہتا ہے کہ اپنا ووٹ یوں دو اور جب یہ صورت ہوئی تو سکوت یا ٹلنے کا جواب یقیناً اس امر کا ثبوت سمجھا جائیگا کہ جو ووٹ دیا گیا ہے وہ نہیں ہے جسکی خواہش کی گئی تھی۔

ہر ایک پولیٹیکل انتخاب میں حتیٰ کہ جب ووٹ کا حق سب پر عام کر دیا جائے تب بھی اور جب یہ حق بعض پر محدود رکھا جائے اس صورت میں بھی ووٹ دینے والے پر فرض عین ہے کہ خاص و عام کے فائدہ کا خیال رکھے اپنے ذاتی فتنے کا خیال نہ کرے اور اپنے نزدیک بہت سچا دیکھ کر اپنا ووٹ اس طرح دے کہ گویا وہی کلیاں ووٹ دینے والا ہے اور انتخاب اُسی کے ووٹ پر موقوف ہے جب یہ تسلیم کر لیا گیا تو اس سے اقل مراتب بادی النظر میں تو ضروریہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ووٹ دینے کا فرض بھی مثل دیگر فرائض عامہ کے پبلک یعنی عام و عام کے روبرو ادا کیا جائے تاکہ سب لوگ اس پر یکجہتی کر سکیں کیونکہ اس فرض کے ادا ہونے میں ہر شخص صرف دلچسپی ہی نہیں رکھتا ہے بلکہ اتنا حق کامل اس امر کا رکھتا ہے کہ اگر یہ فرض ایما نذاری اور احتیاط کے ساتھ نہ ادا کیا جائے تو یہ سمجھے کہ میری بڑی حق تلفی ہوئی ہے۔ یہی شک نہیں ہے کہ پولیٹیکل اخلاق کا نہ یہ اصول اور نہ کوئی دوسرا اصول ایسا ہے جو کسی طرح منسوخ نہ ہو سکے بلکہ یہ اصول ان دلائل سے منسوخ ہو سکتا ہے جو اس سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ مگر یہ اتنی قوت رکھتا ہے کہ صرف نہایت مخصوص اور مستثنیٰ صورتوں میں اس سے عدول و انحراف جائز ہو سکتا ہے۔

بیشک امر واقعی ہے کہ اگر اعلان کے ذریعہ سے ووٹ دینے والا اپنے ووٹ کا جواب دہ پبلک یعنی خاص و عام سے کیا جائے تو عملاً وہ مواخذہ دار کسی ایسے ذی اقتدار آدمی کا ہو گا جسکی غرض قوم کی عام غرض سے اُس کے زیادہ جان ہوگی جتنی مخالف خود اُس ووٹ دینے والے کی غرض اُس صورت میں ہوتی کہ اگر پوشیدگی کے باعث وہ ذمہ داری سے بالکل بری ہو جائے جب اکثر ووٹ دینے والوں کی کیفیت ہے تو بلیٹ دو خرابیوں میں سے چھوٹی خرابی ہے۔ جب ووٹ دینے والے غلام ہوں تو ہر ایک بات جائز ہو سکتی ہے جس سے مطلق غلامی کو اپنی گردن سے اُتار سکیں۔ ووٹ بذریعہ بلیٹ کی ضرورت سب سے زیادہ اُس حالت میں ہے جبکہ چند آدمیوں کا مضار اختیار بہت سے آدمیوں پر زیادہ ہوتا جائے سلطنت روم قدیم کے زوال کے زمانہ میں جو ووٹ بذریعہ بلیٹ کے وجہ ایسے قومی موجود تھے جنکا انکار نہیں ہو سکتا کہ چند اشخاص جو صاحب حکومت تھے روز بروز متمول اور ظالم ہوتے جاتے تھے اور رعایا مظلوم ہوتی جاتی تھی لہذا پُر ضرورت تھا کہ رفتہ رفتہ قومی موانع اس امر کے مہیا کیے جائیں کہ ووٹ کا ایسا ناجائز استعمال نہ ہو سکے کہ بے ایمان و دہمند دن کے ہاتھ میں وہ ایک اور آئہ ظلم کا ہو جائے۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ جانیک ووٹ بذریعہ بلیٹ کا قاعدہ آئینہ سس کی سلطنت میں جاری تھا اُس ملک کے حق میں مفید ہوا۔ یونان قدیم کی جمہوری سلطنتوں میں جو سب سے کمزور اور غیر مستقل سلطنت تھی اُنہیں بھی یہ کیفیت تھی کہ اگر رعایا میں سے ایک شخص کا ووٹ بھی بے ایمانی سے حاصل کر لیا جاتا تھا تو رعایا کی آزادی زائل ہو جاتی تھی اور اگرچہ آئینہ سس کا باشندہ ووٹ دینے والا ہوتا



اسامی تو ہوتا تھا کہ کسی کے دبار سے عادتاً ووٹ دے دیتا لیکن پھنس میں مقبول اور مغز فوج افزوں کے جتنے بننے رہتے تھے پس یہ بات ممکن تھی کہ اُن بدعاشوں کے کسی جتنے کی دھکی میں اگر بارشوت لیکر ووٹ دینے والا اپنا ووٹ بے قیمتا۔ الغرض ایسی حالت میں بلیٹ ایک مفید ذریعہ بقائے انتظام کا تھا اور اس منصفانہ طرز سلطنت کا باعث ہوا جبکہ تاریخی نام یونومیاس ہے اور جسکی بدولت پھنس کی سلطنت اگلے زمانہ کی جمہوری سلطنتوں میں ممتاز رہی۔

مگر جدید یورپ کی ترقی یافتہ سلطنتوں میں اور علی الخصوص ہمارے ملک میں ووٹ دینے والوں پر دباؤ ڈالنے کی قوت زائل ہو گئی ہے اور زائل ہوتی جاتی ہے اور اب اس امر کا اندیشہ کہ ووٹ دینے والا جن لوگوں کے قابو میں ہے اُنکے دباؤ سے یا بدعتی سے ووٹ دے دیگا اس قدر نہیں ہے جس قدر اس بات کا خوف ہے کہ وہ خود اپنے یا اپنے ناجائز اغراض اور بیہودہ خیالات کو موافق و موافق دیگا۔ پس اگر وہ پہلی خرابی سے بچا یا جائے اور دوسری خرابی سے ہر ایک قید اٹھا لیا جائے تو یہ قیاحت لازم آتی ہے کہ ایک چھوٹی خرابی کے بدلے جو کم ہوتی جاتی ہے ایک بڑی خرابی جو زیادہ ہوتی جاتی ہے گوارا کرنی پڑے گی اس مادہ میں بلکہ عموماً اس مسئلہ میں جس حیثیت سے کہ یہ انگلیٹنڈ سے فی زمانہ متعلق ہو سکتا ہے ایک رسالہ میں جسکا موضوع بحث پارلیمنٹ کی اصلاح ہے میں نے اپنی رائے کو ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اُس سے بہتر مجھے ممکن نہیں ہے لہذا اُس عبارت کو بعینہ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

دو تین برس قبل میری یہ بات صحیح تھی کہ میران پارلیمنٹ کے انتخاب میں

بڑی خرابی وہ ہے جسکا انسداد بلیٹ کے ذریعہ سے ہو جائیگا۔ وہ خرابی یہ ہے کہ مالکان اراضی آسامیوں پر اور مزدوروں کے مالک مزدوروں پر اور گاہک دوکانداروں پر ووٹ کے باب میں چیر کرتے ہیں۔ میرے نزدیک اس سے بھی بڑی خرابی خود ووٹ دینے والے کی خود غرضی یا خود غرضانہ جنبہ داری ہے۔ محاکمات میں اس بات کا ہے کہ خراب اور مضروٹ ووٹ دینے والے کی غرض ذاتی کیسی فرقہ کی غرض سے یا خود اسکے کینہ پن سے پیشتر دیا جاتا ہے اور ان کے خوف سے کمتر دیا جاتا ہے۔ پس بلیٹ کے باعث ووٹ لینے والا ان سب امور کو گوارا کریگا اور اسکو ذرا بھی شرم نہ آئیگی اور نہ اپنی ذمہ داری کا خیال آئیگا۔

اسکو بھی بہت عرصہ نہیں گزرا ہے کہ اعلیٰ اور متحمل طبقوں کے لوگ بالکل گورنمنٹ پر قابض تھے اور ہر کہ وہ کو انکی حکومت کی شکایت رہتی تھی اور مالک یا مالک اراضی کے حکم سے ووٹ دینے کی عادت ایسی مضبوط ہو گئی تھی کہ اسکو کسی چیز سے لغزش نہیں ہو سکتی تھی الا اس جوش سے جو حرام میں کمتر پیدا ہوتا ہے الا امر حق میں۔ پس ان سبب کے مقابلہ میں جو ووٹ دیا جاتا تھا وہ عموماً یا باندازی اور عام فائدہ کے خیال سے دیا جاتا تھا لیکن بہر کیف اس ووٹ کا محرک چاہیے جو کچھ ہوتا ہو اس کے اچھے ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ووٹ ایک بہت بڑی خرابی کی سرود میں دیا جاتا تھا۔ وہ خرابی یہ ہے کہ حکومت چند آدمیوں کی ہوتی تھی جنکے لگے کسی کی دال نہ گھلتی تھی۔ اگر اس زمانہ میں ووٹ دینے والے کو اپنی جان کا خطرہ نہوتا اور اس حق کو آزادی سے عمل میں لاتا تو کیا نڈاری یا دانائی کے ساتھ عمل میں نہ لاتا تو بھی یہ امر بہت بڑے پوٹنشل صلاح کا باعث ہوتا

کیونکہ ایسے سبب سے اُس فرقہ کا زور ٹوٹ جاتا جو اس زمانہ میں اس ملک (انگلینڈ) میں حکومت کرتا تھا۔ یہ وہ فرقہ تھا کہ جتنی خورایان اس ملک کے آئین اور نظام میں تھیں وہ اسی فرقہ کی حکومت کے باعث سے تھیں۔ یہ فرقہ مالکان اور ارضی کا تھا۔

اُس زمانہ میں پلیٹ کا طریقہ نہیں جاری تھا مگر زمانہ کی ترقی نے اس مقدمہ میں پلیٹ کا کام کیا ہے اور کر رہی ہے۔ اب اس ملک کی پولیٹیکل حالت اور سوشل یعنی تمدنی حالت دونوں بدل گئی ہیں اور روز بدلتی جاتی ہیں اور اب اعلیٰ طبقوں کے لوگ مالک ملک نہیں ہیں۔ اُس شخص نے زمانہ کے رنگ کو نہیں پہچانا جو یہ خیال کرتا ہے کہ اوسط طبقوں کے لوگ اعلیٰ طبقوں کے لوگوں کے ایسے مطیع ہیں یا یہ کہ اہل حرفہ اعلیٰ اور اوسط طبقہ کے لوگوں کے ایسے ست گرجیں جیسے پچیس برس اوڑھتے تھے پچیس برس کے عرصہ میں جو واقعات گزرے ہیں ان سے ہر فرقہ کو اپنی قوت مجموعی کی کیفیت ہی نہیں معلوم ہو گئی ہے بلکہ ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے سابقہ کی نسبت اب بہت کم دیتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں انتخاب کنندوں کا ووٹ خواہ اُنکے مالکوں کی خواہش کے موافق ہو خواہ مخالف اب جبراً نہیں دیا جاتا ہے بلکہ اُنکے ذاتی یا پولیٹیکل جذبہ داریوں کا مظہر ہوتا ہے۔ موجودہ قاعدہ انتخاب کے عیوب بھی اس نوعی کا ثبوت ہے۔ رشوت ستانی کی شدت جسکی بڑی شکایت سنی جاتی ہے اور اس مرض متعدی کا اُن مقامات تک پہنچ جاتا جو سابق میں اس سے محفوظ تھے یہ دونوں باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محض المقام سیلاب غلبہ کلی نہیں

رکھتے ہیں اور انتخاب کنندہ خود اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے ووٹ بیچتے ہیں اور لوگوں کی خاطر سے نہیں دیتے ہیں اس میں شک نہیں ہے کہ بعض ضلع اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں مطیعانہ دست نگر کی کیفیت اب تک بہت کچھ باقی ہے مگر زمانہ کا رنگ اسکے خلاف ہے اور زمانہ کے انقلاب سے یہ کیفیت کم ہوتی جاتی ہے اب اچھا سامی یہ خیال کر سکتا ہے کہ مالک راضی کو میری ویسی ہی قدر کرنی چاہیے جیسی مجھ کو انکی کرنی چاہیے اور اسودہ مال دوکاندار کسی خاص گاہک کی پروا نہیں رکھتا ہے اور ہر ایک انتخاب بین ووٹ ووٹ دینے والوں کے ذاتی ہوتے جاتے ہیں اور اب انکی اوقات سے بہت زیادہ ضرورت انکے طبائع کو آزاد کرنے کی ہے۔ اب وہ اور لوگوں کی مرضی کے اظہار کے بجائے حرکت آلات نہیں ہیں کہ حکومت چند کامیون کو کپڑا دین اور خود مالک ہو جائیں بلکہ اب انتخاب کنندہ خود وہ حکومت حاصل کرتے جاتے ہیں جو سابق میں چند کامیون سے مخصوص رہتی تھی۔

جس قدر انتخاب کنندے کے ووٹ میں خود انکی مرضی کو خیال ہو اور دوسرے کی رائے کے تابع نہ ہو جو اسکا مالک ہے اسی قدر انکی حالت پارلیمنٹ کے ممبر کی جیسی ہے مثلاً ہے اور انکے ووٹ کا اعلان پُر ضرور ہے کیونکہ جب تک کوئی جسز قوم کا قائم مقامی سے محروم رہیگا اسوقت تک فرقہ چارٹسٹ کی دلیل اس مہلیٹ کی تردید میں جو ایک محدود ووٹ کے ساتھ ہو لاجواب رہیگی اور بالفعل جو انتخاب کنندے ہیں وہ اور انکے علاوہ جو انتخاب کنندے غالباً کسی فارم مل کے ذریعہ سے مقرر ہونگے وہ بھی اور وسط طبقہ کے لوگ ہیں اور ہونگے اور انکے ذریعہ اغراض میں ویسا ہی تفاوت ہے جیسا کہ مالکان اراضی یا بڑے بڑے

صناعوں کے اغراض میں ہے اور اگر ووٹ کا حق سب صناعوں اور کارگران  
 پر عام کر دیا جائے تو ان کے فرقی اغراض بھی فرد پر مشیہ لوگوں کے اغراض سے علیحدہ  
 ہونگے یا ہو سکتے ہیں۔ پس فرض کیجیے کہ یہ حق سب فرقوں کو علی العموم دے دیا جائے  
 اور یہ بھی فرض کر لیجیے کہ جس چیز کو سابق میں عام ووٹ کے غلط لفظ سے  
 تعبیر کرنے تھے اور جس کو اب بالفعول کے ووٹ کے طاقت آمیز لقب سے  
 لقب کیا ہے وہ وقت فانونی حاصل کرے تو بھی انتخاب کنندوں کے فرقی اغراض  
 عورتوں کے اغراض سے علیحدہ رہیں گے اور فرض کیجیے کہ واضعان قوانین کے  
 سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جو خاص کر عورتوں سے تعلق رکھتا ہو مثلاً  
 یہ مسئلہ کہ آیا عورتوں کو یونیورسٹیوں کی ڈگریاں حاصل کرنے کی اجازت دی جائے  
 یا نہیں اور آیا وہ خفیف سزائیں جو ان بد معاشوں کو دی جاتی ہیں جو اپنی  
 بیویوں کو مارنے مارنے بیدم کو دیتے ہیں زیادہ تر شدید تعزیرات سے  
 تبدیل کی جائیں یا نہیں۔ یا فرض کیجیے کہ کوئی شخص برٹش پارلیمنٹ میں وہ تجویز  
 پیش کرے جو مالک متحدہ امریکا میں صرف قانون ہی میں نہیں شامل کی گئی ہے  
 بلکہ ان میں سے ہر ایک ملک کے ترمیم شدہ آئین کی ایک شرط قرار دی گئی ہے  
 وہ تجویز یہ ہے کہ جن عورتوں کی شادی ہو گئی ہے انکی ذاتی جائیداد میں انکو ایک  
 حق ملنا چاہیے۔ پس کیا کسی کی بی بی یا بہنیں یہ امر دریافت کرنے کی سختی نہیں ہیں  
 کہ آیا اس شخص کا شوہر یا بھائی اس امیدوار کے موافق یا مخالف ووٹ دے گا  
 جو ان تجویزات کی تائید پارلیمنٹ میں کرے گا؟

یہ اعتراض ضرور کیا جائیگا کہ یہ سب دلائل اس وقت قوت رکھتے ہیں جبکہ

یہ فرض کر لیا جائے کہ ووٹ کی موجودہ حالت خلاف انصاف ہے۔ یہ بھی کہا جائیگا کہ جو لوگ انتخاب کنندے نہیں ہیں اگر انکی رائے سے انتخاب کنندے اپنے ووٹ زیادہ تر یا اندازی یا فائدہ کے ساتھ دینگے بہ نسبت اسکے کہ وہ خود اپنی رائے سے ووٹ دین تو جو لوگ انتخاب کنندے نہیں ہیں وہ انتخاب کنندوں سے زیادہ مستحق اس بات کے ہیں کہ انتخاب کنندے مقرر کیے جائیں اور انکو ووٹ کا حق دیا جائے۔ اور جو کوئی شخص انتخاب کنندے پر حاوی ہو وہ خود اس لائق ہے کہ انتخاب کنندہ مقرر کیا جائے اور جن لوگوں کے جو ابدہ اور ملاحظہ ووٹ دینے والے ہیں خود انکو ووٹ کا حق دینا لازم ہے اور جب انکو حق دیا جائے تو انکی حفاظت پلیٹ کے ذریعہ سے کی جائے تاکہ وہ ذی اقتدار اشخاص یا فرقے جنکا مواخذہ دار انکو نہونا چاہیے اُنپر داب ناجائز کو عمل میں نہ لاسکیں۔

یہ دلیل بادی النظر میں عمدہ معلوم ہوتی ہے اور ایک زمانہ میں میں اسکو قطعی سمجھتا تھا مگر اب مجھکو اس دلیل میں مغالطہ معلوم ہوتا ہے۔ انتخاب کنندوں پر حاوی ہونے سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ جسنے لوگ اپنے حاوی ہیں وہ خود انتخاب کنندے ہونے کی لیاقت رکھتے ہیں کیونکہ انتخاب کنندے غیر انتخاب کنندوں سے زیادہ پولیٹکل اختیار رکھتے ہیں اور جن لوگوں کو اس درجہ کا پولیٹکل اختیار بغیر کسی شے نہیں مل سکتا ہے وہ اس درجہ کے پولیٹکل اختیار کی لیاقت رکھتے ہیں اور سب سے زیادہ مفلس اور جاہل فرقہ کے مزدور پیشہ لوگوں کی رائیں اور خود مشینیں اس اعتبار سے بہت مفید تصور ہو سکتی ہیں کہ مجھو دیگر امور کے انکا اثر بھی ووٹ دینے والوں اور برلن پارلیمنٹ دونوں کے طبائع پر ہوتا ہے تاہم یہ امر ثابت مضر ہوگا کہ انکی

موجودہ اخلاقی اور عقلی حالت میں پورا حق ووٹ کا انکو دینا چاہیے جس سے انکو غلبہ کامل حاصل ہو جائے۔ جو لوگ ووٹ کا اختیار نہیں رکھتے ہیں انکا ایک ضمنی دباؤ ان لوگوں پر رہتا ہے جو یہ اختیار رکھتے ہیں اور جن جن یہ دباؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے ووٹ کے اختیار کی تعلیم میں آسانی ہوتی جاتی ہے یہاں تک جب اسکی تعلیم کا وقت آجاتا ہے تو بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے ووٹ کی توسیع کجاتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ باریک وہ مضمون ہے جس سے قطع نظر پوچھل سائل کی تحقیق میں ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ یہ قول فی نفسہ باطل اور بے بنیاد ہے کہ اعلان اور پبلک یعنی خاص و عام کا ذمہ دار ہونے کا خیال یہ دونوں باتیں بیکار ہیں تا وقتیکہ خود خاص و عام ایک صحیح رائے قائم کرنے کی لیاقت نہ رکھتے ہوں جس و عام کی رائے کو یہ سمجھنا کہ اس سے فائدہ اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب وہ ایسی زبردست ہو کہ اسکو خود اذخو اہ اور بلا دلیل تسلیم ہی کر لینا پڑے اسکے فائدہ مندی کی نسبت بالکل سہمی رائے قائم کرنا ہے۔ اور دن کے زیر نگاہ رہنا اور اپنے نفس کو اور دن کے حملے بچانا کسی کو اتنا لازم نہیں ہے جتنا ان لوگوں کو ہے جو اور دن کی رائے کے خلاف کارروائی کرتے ہیں کیونکہ اس کے انکو اپنی رائے کے وجہ قطعی پیدا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور کسی چیز کا اثر ایسا مضبوط کرنے والا نہیں ہوتا ہے جیسا دباؤ کے خلاف کارروائی کرنے کا اثر ہوتا ہے غضب آنیز گھبراہٹ ایک عارضی کیفیت ہے جب آدمی کی یہ کیفیت ہو تو اور بات ہے ورنہ وہ کام نہ کر گیا جس سے اپنے لازم ہونے کا اندیشہ اسکو ہو اور اگر ایسا کام کر گیا تو اسکی غایت و غرض پہلے ہی سوچ چکا اور مقرر کر چکا ہوگا۔

اور یہ ہمیشہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص جو کام کرتا ہے خوب سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور اُس کے مالہ اور اعلیٰ کو خوب دیکھ لیتا ہے اور خبیث آدمیوں کے سولے اور سب لوگوں میں یک کیفیت بالکل سچی اور نہایت مضبوط اعتقادات سے پیدا ہوتی ہے صرف اتنا ہی امر کہ ہر کوئی اپنے کردار کی جواب دہی کرنی پڑے گی ایک محرک قوی اس بات کا ہوتا ہے کہ آدمی اُس کردار کو اختیار کرتا ہے جس کی کچھ بھی جواب دہی کر سکے۔ جو کوئی شخص یہ خیال کرے کہ صرف وضع کی پابندی کا فرض ایک بہت بڑی روک حکومت کے استعمال نا جائز پر ہے اُسکو کبھی توجہ ان لوگوں کے افعال پر نہیں ہوئی ہے جو اُس قید یا روک کی پابندی کوئی امضوری نہیں سمجھتے ہیں۔ اعلان ایک نہایت مفید چیز اُس حالت میں بھی ہے جبکہ اُس سے اور کوئی فائدہ نہ ہو بجز اسکے کہ اُس خرابی کا مانع ہو جسکی تائید کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے یعنی اعلان لوگوں کو مباحثہ پر مجبور کر دیتا ہے اور ہر شخص کو کوئی کارروائی کرنے سے پیشتر یہ سوچ لینا پڑتا ہے کہ اگر اس کارروائی کی باز پرس کجائیگی تو وہ کیا جواب دیگا۔

لیکن خیر اب نہیں تو آئید جب سب لوگ ووٹ پانے کے قابل ہو جائیں گے اور جب سب عورتوں اور مردوں کو ووٹ کا اختیار مل جائے گی لیاقت کے دیا جائیگا تب ایسی قانون سازی کا خوف نہ باقی رہیگا جس سے کسی خاص فرقہ کا فائدہ ہو اور چونکہ ساری قوم انتخاب کنندہ ہوگی لہذا انکی کوئی ایسی غرض نہ ہوگی جو عام غرض سے علیحدہ ہو اور اگرچہ خاص خاص اشخاص تب بھی اپنے فوائد ذاتی یا اپنے فرقہ کی رعایت سے ووٹ دینگے تاہم



فریق کثیر کو تو ایسی کوئی ترغیب نہوگی اور چونکہ اسوقت غیر انتخاب کنندے نہو گئے جکا مواخذہ دار انتخاب کنندوں کو ہونا چاہیے لہذا میلیٹ کا نتیجہ سراسر مفید ہوگا اور اُسکے فائدہ سے سوائے شریعہ آدمیوں کے کوئی محروم نہ رہیگا۔

مگر میں اس سے بھی اتفاق رائے نہیں کرتا۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس ملک کے لوگ عام ووٹ کے لائق ہوں اور اُسکو حامل کر لیں تو بھی بلیٹ کا طریقہ مناسب نہیں ہے پہلی دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ ایسی حالت میں اسکی کچھ ضرورت ہی نہوگی۔ اب اس کیفیت کا تصور اپنے ذہن میں کیجیے جو فرض کی گئی ہے یعنی سب لوگ علی العموم تعلیم یافتہ ہوں اور ہر ایک بالغ آدمی ایک ووٹ رکھتا ہے باوجودیکہ آج کل صرف ایک جزو قلیل اس ملک کے باشندگان انتخاب کنندہ ہے اور جمہور کثیر تقریباً غیر تعلیم یافتہ ہے تاہم عام رائے سب سے اعلیٰ درجہ کا اختیار شاہی رکھتی ہے تب یہ فرض کر لینا کہ جس قوم میں سب کے سب تعلیم یافتہ ہوں اور سب کے سب ووٹ رکھتے ہوں اُس پر امکان نہ رہی اور اہل دول اُسکی مرضی کے خلاف ایسا حاکمانہ اختیار حاصل کر لینگے جس سے بیچا بھڑانا اُسکو مشکل ہو جائیگا محض ایک خیال خام ہے۔ اسوقت اگر جب حفاظت بذریعہ اخلا کے ضرورت نہ باقی رہیگی مگر تصرف بذریعہ اعلان کے ضرورت جب بھی ویسی ہی ہوگی جیسی اب ہے۔ ساری دنیا کے لوگوں کا مشاہدہ بالکل غلط ہے اگر صرف یہ امر کہ کوئی شخص صرف ایک فرد فرد قوم سے ہے اور اُسکے اغراض اور سب لوگوں کے اغراض سے مخالفت تاتمہ نہیں رکھتے ہیں کسی مفید عام کام کی انجام دہی کو کافی ہو جائے اور چونکہ غریب یا روک

ہمارے بنائے جنس کی رائے سے پیدا ہوتی ہے انکی ضرورت نہ باقی رہے۔ آدمی کا جو خاص ذاتی حصہ کسی فائدہ عام میں ہو اور اسکا کوئی فائدہ ذاتی ایسا نہ ہو جو اسکو اُس فائدہ عام کی مخالفت پر آمادہ کرے وہ بھی تو عموماً ایسے کافی نہیں ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے فرض کو نسبت عامہ خلائق کے بغیر کسی قسم کی خارجی ترغیب یا تحریک کے مدد کرے۔ اور یہ امر بھی نہیں تسلیم ہو سکتا کہ اگر ب لوگوں پاس ووٹ ہوتے تو وہ اپنے ووٹ اخذ اور اعلان دونوں طریقوں سے ایمان داری کے ساتھ دیتے۔ اگر غور کیجئے تو اس قضیہ کے کچھ معنی ہی نہیں ہیں کہ جب ساری قوم انتخاب کنندہ ہو جائیگی تو کوئی غرض انکی ایسی نہوگی جس سے وہ قوم کے فائدہ کے خلاف ووٹ دے گی کیونکہ اگرچہ قوم میں حیث المجموع غرض مجموعی کے سوائے کوئی غرض نہیں کہہ سکتی ہے تاہم کوئی یا ہر ایک فرد قوم ایسی غرض رکھ سکتا ہے۔ آدمی کی غرض یا فائدہ اُس چیز میں جہیں وہ پچھی رکھتا ہے۔ ہر شخص کے جتنے خیالات اور رغبتیں اور نفرتیں خود غرضانہ یا فیاضانہ ہوتی ہیں اتنے ہی اغراض ہوتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ ان کے کوئی چیز بالافراد انکی غرض ہے بلکہ اسکا اچھا یا بُرا آدمی ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ عمدہ یا خراب اغراض کو پسند کرتا ہے مثلاً جو شخص اپنے گھر میں ظلم کرتا ہے وہ باہر بھی ظلم کو پسند کرے گا نیز ظلم خود اس پر ظلم نہ کیا جائے۔ اور ظلم کی ممانعت کو تو ہرگز نہ پسند کریگا۔ حالانکہ دیارِ سیٹھاؤنیر کے برخلاف ووٹ ایسے دیگا کہ اسکا لقب تاریخ میں عادل ہے۔ خود غرض آدمی کو اگر ذاتی فائدہ ہو تو جو حصہ اسکا فائدہ میں ہے جو اس کے ملک کو کسی عمدہ قانون سے حاصل ہوگا اس پر اس نفع ذاتی کو ترجیح دیگا اور اسلئے اسکی طبیعت کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ جو فائدہ اسکی ذات سے مخصوص ہیں

انہیں پر متوجہ ہوتی ہے اور انہیں کا اندازہ بخوبی کر سکتی ہے۔ انتخاب کنندے بہتہ اکثر دو قسم کے فوائد کو پسند کریں گے۔ ایک قسم کے فوائد اغراض ذاتی پر اور دوسری قسم کے فوائد اغراض عامہ پر مبنی ہوں۔ مگر انتخاب کنندہ آخر الذکر اغراض کا اعلان کرنا پسند کریگا۔ آدمی کی حیثیت کا سب سے عمدہ پہلو وہ ہے جسکو وہ اپنی لوگوں کو بھی جو اس سے بہترین ہوں دکھانا پسند کرتا ہے۔ لوگ بہ طمع زیادت یا بغض یا رقابت سے بلکہ اپنے فریق یا فرقہ کے تعصبات یا اغراض سے بھی جھوٹا یا کمینہ و وٹ علانیہ دینے کے بہ نسبت پوشیدہ طور سے دینا پسند کرتے ہوں۔ اور ایسی صورتیں بھی ہیں شریک آدمیوں کے فووق کثیر کی بے ایمانی پر صرف اتنی روک ہوتی ہے کہ ایمان داروں کے فریق قلیل کی رائے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ چاروں اچار کرنا پڑتا ہے۔ امریکے شمالی کے بعض ممالک میں کیا بے ایمان و وٹ دینے والے ہر یہ روک نہیں ہے کہ ایمان دار آدمی کا منہ دیکھنے سے اُسکو شرم آتی ہے؟ چونکہ یہ سب فائدہ پلٹ کی وجہ سے اس حالت میں بھی جاتا دیکھا جاسمیں یہ طریقہ بخوبی چل سکتا ہے لہذا اسکی ضرورت جن دلائل سے ثابت کی گئی ہے اُن سے قومی تر دلائل کا محتاج یہ دعویٰ ہے کہ اس قاعدہ کو قبول کر لینا مناسب ہے۔ اور یہ دعویٰ روز بروز ضعیف ہوتا جاتا ہے۔

و وٹ دینے کے طریقہ سے متعلق جو امور بحث طلب ہیں اُنکے بیان میں طول دینا کچھ ضرور نہیں ہے شخصی قائم مقامی کا قاعدہ جو ہر صاحب نے مرتب کیا ہے اس سے و وٹ کی فہرستوں کی ضرورت بڑتی ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ ضرور ہے کہ انتخاب کنندہ کے دستخط اس فہرست پر کسی انتخاب خانہ عام میں یا اگر ایسے

کسی مقام تک لوگوں کی رسائی آسانی نوٹس کے کسی ایسے دفتر میں جبکہ ساری دنیا  
 دیکھ سکے اور ایک ذمہ دار افسر سرکاری کی موجودگی میں کرائے جائیں۔ میں  
 اس تجویز کو نہایت مضرب خیال کرتا ہوں کہ ووٹ دینے والے ووٹ کی فہرستوں کی  
 تیار نہ پڑی اپنے مکان پر کر دیا کریں۔ کیونکہ یہ فعل اس حالت میں ہوگا جب کہ کوئی  
 مفید سبب نہ موجود ہوگا بلکہ سبب مضر اسباب جمع ہونگے۔ مثلاً اس پوشیدگی کی  
 حالت میں رشوت دینے والا اپنے معاملہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے طے ہوتے دیکھتا  
 اور وہ مکانے والا اپنے حکم کی تعمیل اسی مقام پر زبردستی کرایا لگا کر اسکے برخلاف جو  
 مفید اثر ان لوگوں کی موجودگی سے ہوتا جو ووٹ دینے والے کے واقعی خیالات  
 اور رایوں سے خوب واقف ہیں اور اسکے فریق یا اسکی رائے کے لوگوں کی  
 ہمدردی سے جو تقویت اسکو ہوتی وہ نہوگی۔

جن مقامات پر ووٹ دیا جاتا ہے انکی اتنی کثرت ہونی چاہیے کہ ہر ایک  
 ووٹ دینے والا آسانی و ہان تک پہنچ سکے اور کسی حیلہ سے امیدوار انتخاب  
 سواری کا خرچ نہ دلا یا جائے اور کمزور آدمی جب ڈاکٹر کا سٹیفٹ پیش کریں تبھی  
 انکو ایک مناسب سواری پر آنے کا حق دیا جائے اور اسکا کرایہ سرکار سے  
 اور اس مقام خاص سے دلا یا جائے۔ انتخاب کے مقامات اور کلرک یعنی محرر  
 اور جتنی چیزیں انتخابات کے لیے ضروری ہوں وہ سب سرکاری خرچ سے مہیا  
 کی جائیں۔ امیدوار انتخاب سے انتخاب کا خرچ طلب کرنا تو درکنار اسکو کسی قسم کا خرچ دینے کی  
 اجازت بھی نہ دی جائے ہاں بہت قلیل خرچہ کامضائقہ نہیں ہے۔ ہر صاحب کفایت  
 کہ میرے نزدیک مناسب ہے کہ جو کوئی شخص فہرست امیدواران انتخاب میں اپنا نام لکھوائے

اُس سے پچاس پونڈ سے جائیں تاکہ جن لوگوں کی کامیابی کی امید نہیں ہے اور جو کامیابی حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے بیوہ بن سے اور ناموری کی تمنا سے امیدوار انتخاب بجا نہیں اور شاید چند ایسے ووٹرز ایجنٹ جو زیادہ سنجیدہ امیدواران انتخاب کے لیے درکار ہوں مگر ایک خرچ ایسا ہے جو خود امیدوار یا اُس کے طرفداروں کو گوارا کرنا لازم ہے اور یہی بنسبتِ پبلک یعنی خاص عام سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ جو امیدوار اُس کو طلب کرے اُس کو خزانہ سرکاری سے دلایا جائے اس سے وہ خرچہ مراد ہے جس سے امیدوار انتخاب کا استحقاق انتخاب کنندوں کو بذریعہ اشتہارات اور سرکارات کے معلوم ہو جائے۔ اس قسم کے مصیبتوں کے لیے پچاس پونڈ جو میر صاحب نے تجویز کیے ہیں (اور اگر ضرورت ہو تو خیر سو پونڈ تک) کافی ہونے چاہیں۔ اگر امیدوار انتخاب کے حجاب کمیٹیوں وغیرہ میں اپنے پاس سے خرچ کرنا گوارا کریں تو اُن کو مانعت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے لکن اگر ایسے مصارف کو امیدوار اپنی حیثیت سے نہ لیا جائے یا اور قسم کے مصارف جو پچاس (یا سو) پونڈ سے زیادہ ہوں ناجائز اور قابلِ مقررہ نہ ہوں۔ اگر اس گمان ہو کہ عام اے دروغگوئی جسے چشم پوشی نہ کر سکی تو ہر ایک ممبر سے جب وہ اپنے عہدہ کی کرسی پر بیٹھے حلف یا عزت کی قسم اس مضمون کی لیا جائے کہ اُس نے پچاس پونڈ سے زیادہ یا پچاس پونڈ کی مالیت سے زیادہ اپنے انتخاب کے مقاصد کے لیے خرچ کیا یا ضمت نہ صرف کیا ہے نہ کر لیا۔ اور اگر یہ قول اُس کا غلط ثابت کر دیا جائے یا یہ ثابت ہو جائے کہ اُس نے عہدگی کی ہے تو دروغ حلفی کی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے۔ غالباً اس سزا لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ واضعاً قانون نے خوب صریح پکار کر مقرر کی ہے۔

اور عام رلے اسی طرف رجوع کر گئی اور اس جرم عظیم کو خفیت و سمجھگی جب تک مرتبہ یہ اثر پیدا ہو جائیگا تو پھر اسمین شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اقرار حلفی یا عزت کی قسم کی پابندی واجب سمجھی جائیگی۔ ”عام رلے جھوٹے انکار کو صرف اُس وقت جائز رکھتی ہے جب اُس چیز کو جس کا انکار کیا گیا ہے جائز رکھتی ہے“ یہ مقولہ انتخاب سے متعلق رشوت ستانی بخوبی صادق آتا ہے۔ ارباب سیاست نے کبھی کوشش باخ رشوت ستانی کے انسداد کی اسوجہ سے نہیں کی ہے کہ یہ خواہش کبھی نہیں کی گئی ہے کہ انتخابات بہت روپیہ نہ خرچ ہونے پائے۔ جو لوگ خرچ کثیر کے تحمل ہو سکتے ہیں اُنکو انتخابات میں زیادہ روپیہ صرف کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ اُنکے بہت سے قریب انتخابات سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور چاہے کوئی چیز کسی ہی خراب کیون نہوا گروہ پارلیمنٹ کی ممبری کو دو قلمندون پر محدود کر دیتی ہے تو اُنکی قدر اسلیے کم جاتی ہے کہ اس سے ایک کنسر ویو اثر پیدا ہوا ہے یہ خیال ہمارے ملک کے لبرل اور کنسر ویو دو وزن فریقوں کے واضعان قانون کے ذہن میں خوشایا ہوا ہے اور صرف اسی امر میں اُنکو بد نیت سمجھتا ہوں۔ جب تک اُنکو اس بات کا یقین رہتا ہے کہ ووٹ کسی کے موافق نہ دیا جائیگا سو اُسے اُن اشخاص کے جو خود اُنکے فرقہ کے ہیں اُس وقت تک اُنکو اسکی پروا نہیں ہوتی کہ کون ووٹ دے گا وہ جانتے ہیں کہ ہم اپنے فرقہ کے لوگوں کی ہمدردی پر بھروسہ کر سکتے ہیں اور ووٹ چاہے کیسا ہی عام کر دیا جائے جب تک عوام دوست اشخاص پارلیمنٹ کی ممبری سے منوع ہو سکیں اُس وقت تک دو قلمندون کے فریقی اغراض اور سر فنی خیالات کو صدمہ پہونچنے کا ہمیشہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خود انھیں صاحبون کی

نظر سے دیکھا جائے تو بھی ایک فائدہ کو دوسرے فائدہ کے ساتھ جمع کرنے کے لئے ایک نقصان کو دوسرے نقصان سے وزن کرنا ایک نہایت زشت حکمت عملی ہے۔ بلکہ یہ امر نہ نظر رکھنا چاہیے کہ فریقین میں جو سب سے عمدہ ممبر ہیں وہ ایسے ضابطہ کے پابند کر دیے جائیں کہ فریقی مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کی شرکت سے وہ راہ اختیار کریں جس میں فریقین کی بھلائی متصور ہو اور ایسا نہ کریں کہ عوام کے فریقی خیالات انتخاب کنندوں کی کمیٹیوں میں خوب آدھی کے ظاہر ہوں مگر ان کمیٹیوں کے پائون میں یہ بڑی بڑی ہو کہ انکو ان خاص کے ذریعہ سے کارروائی کرنی پڑے جبکہ دل میں خواص کے فریقی خیالات سیائے ہوئے ہیں۔

کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے پولیٹیکل آئین سے ایسی اخلاقی مضرت پیدا ہوتی ہے جیسے یہ ظاہر کرنے سے پیدا ہوتی ہے کہ پولیٹیکل عہدے کسی کو رعایت عطا کیے جائیں یعنی پولیٹیکل کام کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس شخص کو یہ کام دیا گیا ہے وہ اپنے فائدہ ذاتی کے لیے اسکی خواہش کو بلکہ اس کے واسطے اپنا روپیہ بھی خرچ کرے گویا یہ کام اسکو روپیہ کماتے کے لیے دیا گیا ہے۔ لوگ اسکی تمنا نہیں رکھتے ہیں کہ اپنا زر کثیر صرف کر کے کسی مشقت طلب کام کے کرنے کی اجازت حاصل کریں۔ افلاطون حکیم عمدہ گورنمنٹ کے معنی بہت صحیح سمجھا تھا جب اس نے یہ کہا تھا کہ پولیٹیکل اعتباراً لوگوں کو ڈھونڈ ٹھونڈ کر دینا چاہیے جو اس سے نفرت لگی رکھتے ہیں اور سب سے زیادہ لالچ آوی جو حکومت کی مشقوں اور جبا نکامیوں کو گوارا کرتے ہیں تو صرف اس خوف سے کہ مبادا ان کے ہزار آدمی

اوپر حکومت نہ کرنے لگیں۔ انتخاب کنندہ اس وقت کیا خیال کریگا جب یہ تماشا دیکھے گا کہ تین چار صاحبِ خُکو بیشتر کسی نے نیکاموں میں اپنا روپیہ دل کھو لکھ کر خرچ کرتے نہ دیکھا تھا ایک دوسرے کے مقابلہ میں زر کثیر فقط اس طمع میں صرف کر رہے ہیں کہ ایم پی (ممبر پارلیمنٹ) کا لفظ اُنکے نام کے بعد لکھا جائے۔ کیا وہ انتخاب کنندہ یہ سمجھیں گے کہ ان حضرات نے اتنا روپیہ میرے ہی خاطر صرف کیا ہے۔ اور اگر وہ ان صاحبوں کی شرکت سے اس معاملہ میں بدگمان ہو جائیگا تو اس میں اپنی شرکت کو کیسا اخلاقی فرض سمجھیں گے؟ اگر باب سیاست اس امر کو محض ایک خیال نام سمجھتے ہیں کہ انتخاب کنندہ دن کا گروہ کبھی رشوت ستانی سے باز رہے گا۔ یہ سچ ہے کہ جب تک خود ارباب سیاست کی یہ کیفیت رہے گی انتخاب کنندہ دن کی بھی یہی حالت رہے گی کیونکہ انتخاب کنندے ہمیشہ امیدواروں دن انتخاب کے اخلاق کی پیروی کرتے ہیں اور جب تک منتخب شدہ ممبر کسی طریقہ سے اپنا روپیہ خرچ کر کے پارلیمنٹ کی ممبری حاصل کریگا اس وقت تک کوئی کوشش اس باب میں کارگر نہ ہوگی کہ انتخاب کے کام میں خود غرضی کو دخل نہ دینے پائے اور جب تک خود امیدوار انتخاب اور دینا کا دستور پارلیمنٹ کے ممبر کے کام کو ایک ایسا فرض نہ سمجھیں گے جس کا ادا کرنا واجب ہے بلکہ اُسکو ایک ذاتی مروت اور رعایت کا کام تصور کر کے اُسکی التجا کو گناہ اس وقت تک کوئی کوشش اس باب میں مؤثر نہ ہوگی کہ ایک معمولی قسم کے انتخاب کنندے کے دل پر نقش ہو جائے کہ پارلیمنٹ کے ممبر کو منتخب کرنا بھی ایک فرض ہے اور وہ اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ لیاقت ذاتی کے سولے اور کسی امر کے خیال سے اپنا ووٹ دے۔



جس اصول سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص پارلیمنٹ کا منتخب کیا جائے اُس سے مقاصد انتخاب کے لیے روپیہ نہ لیا جائے اور نہ اُسکو ایسا روپیہ لینے کی اجازت دی جائے اُسی اصول سے ایک اور بھی نتیجہ نکلتا ہے جسکی تاثیر تو ظاہر اور ہے مگر دونوں کا مقصد واقعی واحد ہے۔ اس سے وہ تجویز باطل ہو جاتی ہے جسکو اکثر لوگوں نے ذریعہ اس بات کا قرار دیا ہے کہ پارلیمنٹ میں سب درجن اور حیثیت کے لوگ بھرتی ہو سکیں۔ وہ تجویز ہے کہ ممبران پارلیمنٹ کو تنخواہیں دی جائیں۔ اگر اس ملک میں بھی بعض ممالک ذوالباد کی طرح ایسے لائق اشخاص نہیں ہیں جو اتنی قدرت رکھتے ہوں کہ کسی کام کو بلا تنخواہ انجام دے سکیں تو انکو جو روپیہ دیا جائے انکے وقت یا روپیہ کے نقصان کے تاوان کے طور پر دیا جائے تنخواہ کے طور پر دیا جائے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ تنخواہ کی طرح سے ہرے لوگ پارلیمنٹ کی ممبری کے خواہاں ہو جائیں گے تو یہ محض خیال خام ہے کیونکہ چاہے اس عہدہ کا کیسا ہی معاوضہ یا اجرت کیون نہ مقرر کی جائے وہ لوگ اسپر گرگز رخت ہونگے جو کثیر النفع پیشوں میں مصروف رہتے ہیں اور انہیں کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔ لہذا پارلیمنٹ کے ممبر کا کام فی نفسہ ایک پیشہ ہو جائیگا اور اور پیشوں کی طرح اس پیشہ کو بھی لوگ آمدنی کی طرح سے کرینگے اور چونکہ پارلیمنٹ کی ممبری کیا ہے لہذا بہتوں کی نیت اُسکے لیے ڈاوان ڈول رہیگی۔ اور ادنیٰ طبقہ کے کمینے آدمی اُسکی ہوس کرینگے اور چھ سو اٹھاون ممبر ہوس آف مجلس میں ہمیشہ رہتے ہیں اور اُسکے وہ چند آدمی ہمیشہ اُسکی ممبری کے امیدوار رہتے ہیں یہ سب لوگ تنجائون کے ووٹوں کو اپنی طرٹ اس طرح کھینچینگے کہ اُنسے سب باتوں کا وعدہ کرینگے خواہ وہ ایمان داری کی باتیں ہوں خواہ بے ایمانی کی اور خواہ ممکن ہوں خواہ

نامکن اور عوام الناس میں جو سب سے زیادہ کہیںے میں آئے جاہلانہ تعصبات اور یہودہ خیالات کو ترقی دینے میں رقبانہ کوشش کریں گے۔ ایسا آئین انسان کی طبیعت کے معصیت پسند پہلو پر اس مرہم کا اثر پیدا کریگا جس سے بدن پر بھیجے ہوئے پڑ جاتے ہیں اور یہ نیرل اسکے ہو گا کہ چھ سو اٹھادون اعنات اُن لوگوں کو دیے جائیں جو قوم میں سب سے زیادہ خوشامدی اور مفیدہ پرواز میں کسی سلطنت مطلق العنان میں بھی بیسلسل اور مرتب طریقہ زراعت کا جس سے خوشامدیوں کی فہم اسرافطیس پیدا ہونہیں جاری ہوا ہے۔ جب کوئی شخص اعلیٰ درجہ کی لیاقتیں رکھتا ہو لیکن کوئی جاہلانہ رکھتا ہو نہ کوئی پیشہ یا حرفہ کرتا ہو جو اسکی آزادی اور استغنا کا باعث تو ایسے شخص کو پارلیمنٹ میں داخل کرنا اسلئے مناسب ہے کہ جو خدمات اُس سے ادا ہونگے اور کسی ممبر سے نہیں ادا ہو سکیں گے اور اسکی تدبیر ہوے کہ اسکی خاطر عام طور سے چندہ کیا جائے اور جب تک وہ پارلیمنٹ میں رہے جن لوگوں کی جانب سے وہ ممبر ہے وہ اسکی خبر گیری اور کنفل چندہ سے کرتے رہیں جیسا انڈیوارل کے مقدمہ میں ہو چکا ہے۔ یہ طریقہ ایسا ہے جسپر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسی عزت محض خوشامدی آدمیوں کی ہرگز نہ کیجا سکی کیونکہ عام کمیٹیاں سب خوشامدیوں کو برابر سمجھتی ہیں پس یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی خاص خوشامدی آدمی کو محض اسکی خوشامدی طمع سے اپنے پاس سے خرچ دے کر پارلیمنٹ میں رکھیں۔ ایسی امداد صرف ان صفات جلی یا فنی کے خیال سے دیجا سکی جو قومی قائم مقام کی لیاقت کا ثبوت قطعی تو نہیں ہے لیکن اس لیاقت پر ضناً تو ضرور دلالت کرتے ہیں بہر کیف ان امداد کے باعث اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ایک آزاد رائے اور بے لوث آدمی ہے

# گیا ہوان باب

پارلیمنٹ کے اجلاس کی مدت کے بیان میں

کتنی مدت کے بعد ممبران پارلیمنٹ کا انتخاب دوبارہ ہونا چاہیے۔ یہ مسئلہ جس اصول پر مبنی ہے وہ تو ظاہر ہے فقط اس اصول کے استعمال میں وقت ہے طول مدت کے خلاف تو یہ دلیل ہے کہ پارلیمنٹ کی ممبری اتنے عرصہ تک رہنی چاہیے کہ ممبر اپنی ذمہ داری کو بھول جائے اور اپنے فرائض کو آسان سمجھنے لگے اور انکو اپنی ذاتی فائدہ کے خیال سے انجام دے اور اپنے موکلون یا انتخاب کنندگان بالا اعلان صلاح و مشورہ کرنے میں غفلت کرے عام اس بات سے کہ وہ اُسے اتفاق یا اختلاف رے رکھتا ہو کیونکہ بچا پتی گورنمنٹ کے فائدہ میں سے بھی ایک بڑا فائدہ ہے۔ قصردت کے مخالف یہ دلیل ہے کہ ممبر کو اپنے عہدہ پر اتنی مدت قائم رہنے کی امید ہو کہ اسکی لیاقت وغیرہ کی کیفیت صرف اسکی ایک کارروائی سے نہیں بلکہ بہت سی کارروائیوں سے معلوم ہو سکے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ اسکی ذاتی رے اور اختیار کو اتنی وسعت و بچائے جو عوام کے اُس تصرف نگہرانی کے خلاف نہ ہو آزاد گورنمنٹ کو لازم ہے۔ اسلیے ضرور ہے کہ عوام کا تصرف اُس وقت عمل میں لایا جائے جبکہ اس ممبر کو کافی مہلت اس بات کی مل چکی ہو کہ وہ اپنی سیاستوں کو ظاہر کر چکا ہو اور یہ ثابت کر چکا ہو کہ مطیعانہ ووٹ دینے اور اپنے موکلون کی ایوانی تائید کرنے کے سوائے اور کوئی طریقہ بھی ایسا ہے جس سے وہ ایک مناسب موزون اور لائق تعریف قائم مقام اپنے ہوطنون کا پارلیمنٹ میں بن سکتا ہے۔

کسی قسم کے عام قاعدہ سے این اصولوں میں ایک حد واسطہ لگانا غیر ممکن ہے۔ جب آئین سیاست میں عوام کا اختیار ضعیف اور محمل ہو اور اسکی قوت کی ضرورت ہو اور جب عوام کا وکیل یا قائم مقام اپنے موکلوں سے رخصت ہونے کے ساتھ ہی بادشاہ یا امرا کے دربار میں داخل ہوگی صحبت کے اثر سے اسکی روش عوام کے طریقہ سے برخلاف ہو جائے اور عوام کے مفید جو خیالات پیشتر اس کے دل میں تھے انہیں خست ہو جائے اور جن لوگوں نے اسکو ممبر منتخب کیا تھا اسکی خواہشوں کو وہ بھول جائے اور اس کے اغراض کے حصول میں سرگرمی نہ کرے تو اس حالت میں ضرور ہے کہ وکیل مذکور اپنے موکلوں کے پاس اکثر واپس جا کر اپنی وکالت کی تجدید اُن سے کرے تاکہ اسکا مزاج اور کردار موافق مقصود باقی رہے۔ ایسی حالت میں تین سال کی مدت بھی بہت ہے اور اس سے زیادہ مبادئ کو کسی طرح منظور کرنے کے لائق نہیں ہے۔ لیکن جب اسکے برخلاف امور سیاست میں عوام کی قوت غالب ہو اور غالب ہوتی جاتی ہو اور اسکو معتدل کر دینے کی ضرورت ہو تاکہ وہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کر جائے اور جب نا محدود اعلان اور حاضر و ناظر اخبارات کی وجہ سے عوام کے قائم مقام کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ جن لوگوں نے اسکو ممبر منتخب کیا ہے وہ اس کے ہر ایک فعل کو فوراً معلوم کر کے اس پر بحث کریں گے اور اسکو جانچیں گے اور وہ ہمیشہ اسکی نظروں سے گزرتا جاتا ہے یا دھت حاصل کرتا جاتا ہے اور اعلان اور اخبارات کے ذریعہ سے عوام کے خیالات کی قوت اور تمام مفید عام قوانین ہمیشہ اس کے ذہن میں مرکوز اور مستحضر رہتی ہیں تو ایسی حالت میں پانچ سال سے کم مدت نہونی چاہیے تاکہ اس ممبر کو بزدلانہ اور خوشامدانہ روش نہ اختیار کرنی پڑے۔ ان سب کی

نسبت انگلستان کا آئین سیاست بدل گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ چالیس برس  
 اوپر تو نامور مصلحان ملک کا یہ مذہب تھا کہ ہر سال ایک نئی پارلیمنٹ قائم ہونے  
 لگے اب کوئی ایسی پروا نہیں رکھتا ہے بلکہ اسکا ذکر بھی نہیں کرتا ہے۔ یہ امر بھی  
 غور طلب ہے کہ پارلیمنٹ کی مدت خواہ قلیل ہو خواہ کثیر اس کے آخری سال میں  
 ممبروں کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جو اس صورت میں ہوتی کہ اگر اسکی  
 مدت سال ہی بھر کی ہوتی۔ پس اگر اسکی مبادی بہت کم ہوتی تو بھی اکثر  
 اوقات سالانہ پارلیمنٹ کی کیفیت حاصل رہتی۔ لیکن موجودہ حالت میں بات بر  
 کی مدت اگرچہ غیر ضروری ہے مگر اس میں کمی و بیشی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں  
 مقصود ہے علی الخصوص جب یہ خیال کیا جائے کہ جب ممبروں کو یہ معلوم  
 ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ پارلیمنٹ بہت جلد شکست کر دی جائے اور ایک نئی  
 پارلیمنٹ قائم ہو تو وہ خواہ مخواہ انتخاب کنندہ کمیٹیوں کو خوش رکھنے کی  
 تاک میں رہتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے قیام کی مدت چاہیے جو کچھ قرار دی جائے یہ امر قریب قریب  
 معلوم ہوتا ہے کہ جب ممبر کے انتخاب کی تاریخ سے وہ مدت ختم ہو جائے  
 تو وہ ممبر اپنے عہدہ سے ہٹا دیا جائے اور کل ہوس کی تجدید عموماً نہ کی جائے  
 یعنی سب ممبر از سر نو منتخب کیے جائیں۔ اگر اس قاعدہ سے کوئی علی فائدہ  
 مقصود ہوتا تو اسکی تائید میں بہت کچھ تقریر ہو سکتی تھی۔ مگر اسکی تائید کی نسبت اسکی  
 تردید میں بہت قوی وجوہ بیان ہو سکتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہی ہے کہ جو فریق کثیر  
 پارلیمنٹ میں ایسا دیر و اختیار کرے گا جو قوم کو ناگوار گذرے اسکو جلد دفع کرنے لگے گا۔

وزیر نے باقی رہیگا یہ امر تو یقینی ہے کہ ایک مہینہ معین کے بعد جو قریب الاختتام ہے انتخاب عام ہو گا اور یہ بات ممکن ہے کہ وزیر اعظم خود اپنی خاطر سے یا اس خیال سے کہ اس فعل کے باعث ملک میں سے راضی اور خوشنود رہیگا انتخاب عام کا خیال ہو اور ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے خیالات اور ملک کے خیالات میں وہ اختلاف نہیں ہونے پاتا جو اس صورت میں باقی رہتا اگر اکثر ممبروں کی ممبری کی مہینہ گزرنے میں چند سال ہمیشہ باقی رہتے یعنی اگر پارلیمنٹ میں نئے نئے ممبر ایک ایک کر کے داخل ہوں تو غالباً جس گروہ میں وہ شامل ہوتے ہیں اُسکے اوصاف اختیار کر لینگے نہ کہ اُن اوصاف کو متغیر کر دیں یا امر کہ ہوس کی رے عموماً قوم کی عام رے سے متفق ہو اسی قدر ضرور ہے جس قدر یہ بات ضرور ہے کہ مغز و مو قرا شخص اُن خیالات کو جو عموماً لوگوں کو سخت ناپسند ہیں آزادوی سے ظاہر کریں بغیر اسکے کہ ان کی ممبری تشریف لے جائے۔ اس سے بھی زیادہ ایک قومی اس بات کی کہ قائم مقامان قوم کی مجلس میں شرکاءے جدید رفتہ رفتہ اور ایک ایک کر کے کیوں نہ داخل کیے جائیں یہ ہے کہ یہ امر مفید ہے کہ ایک مہینہ معین کے بعد مخالف قوتوں کا جائزہ لیا جائے جس سے عموماً قوم کے خیالات کی کیفیت کا اندازہ ہو سکے اور یہ بات بخوبی تحقیق ہو جائے کہ مختلف فریق اور رائیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کتنی قوت رکھتے ہیں۔ یہ مقصد تجدید جذبی یعنی نئے ممبروں کو ایک ایک کر کے مہترقی کرنے سے اُس صورت میں بھی بخوبی نہیں حاصل ہو سکتا جس میں ممبران پارلیمنٹ کا ایک بڑا گروہ مثلاً ایک شخص یا ایک ٹلٹ فوراً برخاست ہو جاتا ہے جیسا فرانس کی پارلیمنٹ کا دستور ہے۔

حالات نہ صیفہ یعنی وزراء کو پارلیمنٹ کے توڑ دینے کا اختیار کیوں دیا جائے  
اسکے وجہ آئندہ ایک باب میں بیان کیے جائیں گے جس میں یہ تحقیق کیا جائیگا کہ پنجابی گورنمنٹ  
میں علامہ صیفہ کی کیا ترکیب اور کیا کیا کام ہوتا ہے۔

## بارھوان باب

اس بیان میں کہ ممبران پارلیمنٹ سے عہد نامہ لینی چاہیے یا نہیں  
کیا مجلس واضع قوانین یعنی پارلیمنٹ کے ممبر کو اپنے موکلوں یا مینیوون کی ہدایت  
پابند رہنا فرض ہے؟ کیا وہ انکے خیالات کے یا اپنے ذاتی خیالات کے لحاظ کا آزاد  
ہو اور انکا قاصد یا ملچی کانگریس یعنی پارلیمنٹ میں ہے یا انکا ایسا مختار ہے جو انکی طرف سے  
صرت کارروائی کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے کہ کیا  
کارروائی کرنی چاہیے؟ پنجابی گورنمنٹ میں واضعان قوانین کے فرائض کے  
باب میں یہ دو قول ہیں اور ان میں سے ہر ایک قول کے مؤیدین موجود ہیں اور  
بعض گورنمنٹوں میں یہ دو وزن قول مسلم اور معمول بہ ہیں چنانچہ ملک ہالینڈ کے  
پارلیمنٹ کے ممبر صرت ڈیپٹیوں یعنی مختاروں کی حیثیت رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر  
کوئی ایسا اہم مسئلہ پیش آتا تھا جسکی نسبت انکے موکلوں نے کچھ ہدایت نہیں کی تھی  
کہ انکو کیا کرنا چاہیے تو انکو اپنے موکلوں سے دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا ٹھیک اسی  
طور سے جیسے کوئی قاصد یا ملچی اس گورنمنٹ سے دریافت کرے جسکا وہ ملچی ہے  
مگر اس ملک میں ڈائیکٹریٹ اور بعض اور ملکوں میں بھی جان پنجابی گورنمنٹ کا طریقہ  
جاری ہے پارلیمنٹ کا ممبر قانوناً اور رواجاً اس امر کا مجاز ہے کہ چاہے اسکی  
راے میں اور انکے موکلوں کی راے میں کیسا ہی اختلاف ہو مگر جو امر اسکے

تزدیک حق ہو اسی کے موافق اپنا ووٹ دے لیکن اسکے خلاف بھی بعض لوگوں کا خیال ہے جبکہ عملی اثر ممبران پارلیمنٹ پر بھی بہت ہے اور جبکی باعث وہ ہرول عزیز ہونے یا دوبارہ منتخب ہونے کی پروا نہیں رکھتے ہیں بلکہ اپنا فرض ایجابی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جن امور کی نسبت انکے موکلوں کی ایک قطعی رائے قائم ہو چکی ہے انہیں انکی رائے کے موافق کارروائی کرتے ہیں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے ہیں۔ اگر قانون حقیقی اور کسی خاص قوم کے قدیم دستور سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو پارلیمنٹ کے ممبر کے فرض کی نسبت جو یہ دو قول ہیں انہیں سے کون قول سچا ہے۔

برخلافت ان مسائل کے جنگی تحقیق سابق میں ہو چکی ہے یہ مسئلہ وضع قوانین سے متعلق نہیں ہے بلکہ اخلاق سیاست یعنی چاقیتی گورنمنٹ کے اخلاق سے متعلق ہے اور یہ آئین سیاست سے چند ان تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ اس سے علاوہ رکھتا ہے کہ انتخاب کنندوں کو کس نیت سے اپنے فرائض ادا کرنے چاہیے اور انکے اخلاقی فرائض کی نسبت کیا خیالات مروج ہونے چاہئیں۔ کیونکہ قائم مقامی کا وعدہ چاہے چو کچھ ہو اگر انتخاب کنندے چاہیں تو اسکو صرف مختاری یا کارندہ گری بنا سکتے ہیں اور جب تک انکو ووٹ دینے دینے کا اختیار بیگا ہو تو کوئی مانع اسکا نہیں ہے کہ اپنے ووٹ کی چاہے جو شرط وہ قرار دے لیکن جب انکو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو شخص انکی تمام ایون کی پابندی کا وعدہ کرے اور کسی اہم امر چھپکا علم نہیں ہے نہ وہ اپنا ووٹ دینے سے قبل اسے ہتھوڑا کر لے اسکو اپنی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کریں تو وہ اپنے قائم مقام کو صرف اپنا منہ چڑھانے والا بنا سکتے ہیں



اور اگر وہ اس حیثیت سے اُنکا قائم مقام بننا منظور کرے تو اُسکو ممبری سے متعلق ہے اور مجبور کر سکتے ہیں اور جب وہ اس فعل کا اختیار رکھتے ہیں تو پانچاچی گورنمنٹ کا اصول اسی کا مقتضی ہے کہ یہ امر فرض کر لیا جائے کہ جس شخص کو پولیٹیکل اختیار دیا جائیگا وہ اپنے خاص مقاصد کے لیے اسکا ناجائز استعمال کرے گا۔ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ایسا ہونے کا احتمال قوی ہے اور اس احتمال کا انسداد کرنا آزاد آئین سیاست کا خاص کام ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک انتخاب کنندوں کا یہ فعل کہ اپنے قائم مقام کو صرف ایک ڈیلیٹ یا کارندہ بنا دیں کیسا ہی غلط اور حماقت آمیز ہو مگر چونکہ یہ امر خلاف قیاس نہیں ہے کہ انتخاب کنندے اپنے اختیار انتخاب کو بابتک بڑھادیئے لہذا اسکے انسداد کی ایسی تدبیریں کرنی چاہئیں کہ گویا یہ بات یقینی ہے کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ووٹ کے استعمال کے اس مضمون پر انتخاب کنندے عمل نہ کریں گے لکن لازم یہ ہے کہ پانچاچی گورنمنٹ کا قاعدہ ایسا بنایا جائے کہ اگر انتخاب کنندے ایسا کریں تو بھی وہ فعل نہ کر سکیں جسکے کرنے کا اختیار انسان کی کسی جماعت کو نہ ہونا چاہیے وہ فعل یہ ہے کہ خاص اپنے ہی فرقہ کے فائدہ کے لیے قوانین بنایا کریں۔

جب بتلایا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف اخلاق سیاست سے متعلق ہے تو اس سے اسکی عظمت میں فرق نہیں پڑتا ہے۔ کیونکہ اخلاق سیاست سے جو مسائل متعلق ہیں وہ علامتہ اہم ان مسائل سے نہیں ہیں جو نفس آئین سیاست سے متعلق ہیں بعض گورنمنٹوں کا نفس وجود اور بعض گورنمنٹوں کے لوازم وجود اخلاق سیاست کے مسائل کی عملی پابندی پر موقوف ہیں اور اخلاق سیاست سے مراد وہ قدیم خیالات

جو چند ارباب سیاست کے ذہن میں رہتے ہیں اور جنکی وجہ سے وہ اپنے اختیارات کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لایا کرتے ہیں غیر متعادل گورنمنٹوں میں یعنی خالص سلطنت شخصی یا خالص سلطنت امرایا خالص سلطنت عوام میں صرف ایسے ہی قزاعہ ایسی گورنمنٹ کو اس امر سے مانع ہوتے ہیں کہ جس جانب اسکا میلان فطری ہے اُس جانب بہت بے اعتدالیان نہیں کر سکتی سبب بقدر الاعتدال وہ گورنمنٹیں ہیں جنہیں کچھ کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ قوی ہے اُسکے زور کو روکنے کے لیے کچھ قانونی قیود مقرر کر دیے جائیں مگر وہ قوت ایسی عظیم ہوتی ہے کہ اُن حدود سے تجاوز کر جاتی ہے اور قتل و سرچند روز تک تو مؤاخذہ اور سزا سے محفوظ رہتی ہے۔ پس ایسے گورنمنٹوں میں اگر ان قیود اور حدود کا کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے تو اخلاق سیاست کے اُن مسائل کی وجہ سے رکھا جاتا ہے جنکو عام رائے نے تسلیم کر کے قائم رکھا ہے کامل الاعتدال وہ گورنمنٹیں ہیں جنہیں حکومت مطلقہ یا اختیار شاہی چند شرکاء میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر ایک شریک کو دیگر شرکاء کی دست دراز یوں سے بچنے کی ہی سہیل ہے کہ اُسکے پاس آلات حفاظت ایسے قوی رہتے ہیں جیسے اُسکے مخالفین کے پاس حملہ آوری کے حربے ہیں پس ایسی گورنمنٹوں میں گورنمنٹ کا کام صرف اسی طور سے چل سکتا ہے کہ سب شرکاء حکومت اُن شدید اختیارات کو نہایت اعتدال اور بر دباری کے ساتھ عمل میں لائیں الا اُس صورت میں جبکہ ایک شریک حکومت دوسرے شریک پر اس درجہ کا تشدد کرے کہ اُس شریک کو اپنے شدید اختیارات عمل میں لانے پڑیں۔ اور ایسی صورت میں یہ کہنا بالکل

صحیح ہے کہ اگر گورنمنٹ قائم رہ سکتی ہے تو صرف اسوجہ سے قائم رہ سکتی ہے کہ اخلاق سیاست کے مسائل کا لحاظ کامل کیا جاتا ہے۔ ممبران پارلیمنٹ سے عہد لینے کے مسئلہ کو بچا جاتی گورنمنٹوں کے وجود اور بقا سے چند ان تعلق نہیں ہے البتہ یہ مسئلہ انکے مفید اثر سے تعلق تمام رکھتا ہے۔ قانون انتخاب کنندہ کو وہ اصول نہیں بنا سکتا ہے جسکے موافق انکو انتخاب کرنا لازم ہے مگر علاوہ کچا جائے تو یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے نزدیک کن اصول کے موافق انتخاب کرنا واجب جانتے ہیں اور اس سارے مسئلہ کا مضمون اس سوال میں موجود ہے کہ آیا انتخاب کنندہ کو یہ شرط مقرر کر دینی چاہیے کہ ہمارا قائم مقام وہی شخص ہوگا جو ان لایوں کی پابندی کرے جسکو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔

اس رسالہ کے ناظرین کچھ شک اس باب میں نہیں کر سکتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کیا نتیجہ ان عام اصول سے نکلتا ہے جو سابق میں بیان کیے گئے تھے ہم نے ابتدا ہی میں یہ بیان کیا تھا اور ہمیشہ ہی ہماری مد نظر رہا ہے کہ گورنمنٹ کو دو باتیں بدرجہ مساوی لازم بلکہ لازم ہیں۔ ایک ان لوگوں کا ذمہ دار ہونا جنکے فائدہ کے لیے پوٹیل اختیار کرنا اور چاہیے اور ظاہر ہمیشہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ دوسرے گورنمنٹ کی عملی کارروائی کرنے کے لیے اعلیٰ درجہ کے ملائق آدمیوں کو جو اسی خاص کام میں ہمیشہ غور و خوض کرتے ہیں اور ان میں مشتاق ہون چھ ہو چکا ہے۔ اگر یہ آخر الذکر مقصد اس قابل ہے کہ حاصل کیا جائے تو اس میں جو کچھ صرف ہو وہ کوئی کاروائی چاہیے۔ ایسی عالی داعی اور باریک بینی کس کام کی کہ آدمی کبھی کبھی بھی ان تعلق سے نہ اختلاف کرے جو ان لوگوں نے نکالے ہیں جو نہ عالی داعی

نہ وسیع النظر اور اگر یہ بات منظور ہے کہ قائم مقام وہ انخاص مقرر کیے جائیں جو واسطہ درجہ کے انتخاب کنندوں سے زیادہ لیاقت علمی رکھتے ہیں تو یہ بھی مان لینا پڑیگا کہ جو قائم مقام ایسا ہوگا وہ بعض اوقات اپنے اکثر موکلوں سے ضرور اختلاف رکھے گیگا اور جب وہ اختلاف کریگا تو اسی کی رائے اکثر صحیح نکلے گی۔ پس اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انتخاب کنندوں کی نادانی ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کریں کہ پارلیمنٹ کے ممبر بننے کی شرط یہ ہے کہ ممبر ہماری رايوں کی متابعت کلی کرے۔

یہاں تک تو یہ اصول بدیہی ہے کہ اسکے ہمتال میں واقعی دقتیں ہیں جنکو ہم بہت قوت کے ساتھ بیان کریں گے۔ اگر یہ ضرور ہے کہ انتخاب کنندے ہر شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کریں جو خود اُن سے بہت زیادہ ذی علم ہو تو یہ بھی لازم ہے کہ یہ شخص جو اُن سے زیادہ عاقل ہے اُن کا ذمہ دار رہے یعنی انتخاب کنندے اس امر کا قیاس کر لیں کہ وہ اپنے فرض کو کس طریقہ سے ادا کرتا ہے اور اس کا قیاس وہ کیونکر کر سکتے ہیں بجز اسکے کہ اپنی خاص رايوں کو معیار قرار دیں۔ صرف کسی شخص کی ناشی لیاقت کو دیکھا اُسکو منتخب کرنا نہیں کافی ہوگا۔ وہ معیار جس سے ایک معمولی آدمی آدمی محض لیاقت کا اندازہ کر سکتا ہے بالکل ناقص ہے۔ اور اُس کا حصہ خوش بانی پر مبنی ہے مضمون بیان کیا گیا ہے اسکی عمدگی سے اُسکو کچھ تعلق نہیں ہے۔ مضمون کی عمدگی خوش بیانی سے نہیں ثابت ہو سکتی پس اگر انتخاب کنندے اپنی خاص رايوں کو دخل نہ دیں تو کیا دلیل اُن کے پاس ہے کہ یہ شخص عمدہ طور سے حکومت کرنے کی لیاقت رکھتا ہے۔ اور اگر وہ سب سے زیادہ لائق آدمی کو دریافت کرنے میں کسی خطا نہ کریں تو بھی اُنکو یہ نہیں چاہیے کہ بالکل اُسی کی طرح چھوڑ دیں

اور اپنی رائے کو کبھی دخل ہی نہ دین۔ جائز ہے کہ سب سے لائق جو امیدوار انتخاب ہے وہ کنسرویٹو ہو اور انتخاب کنندے لبرل ہوں یا اسکے بالعکس ہو اور یہی جائز ہے کہ اس وقت جو پولیٹیکل مسائل درپیش ہوں وہ کلیسا یعنی مذہب سے متعلق ہوں اور امیدوار انتخاب کا مذہب انتخاب کنندوں کے مسلک کے خلاف ہو۔ پس ایسی صورتوں میں ممکن ہے کہ امیدوار انتخاب صرف اپنی لیاقتوں کی وجہ سے زیادہ ترکدار و رکادش اور زیادہ تر مؤثر کارروائی اُن مومنین کے جسکو انتخاب کنندے اپنا نا غلط سمجھتے ہیں اور وہ اس امر کو کہ جو شخص ہمارا قائم مقام ہو وہ ان امور کی نسبت اُنہی رائے کا پابند رکھا جائے جو ہمارے نزدیک فرض معقوفی ہے زیادہ تر اپنا فرض ایسا فی سمجھیں سبب اسکے کہ اُنکا قائم مقام وہ شخص ہو جو اسطرح کی لیاقت سے زیادہ رکھتا ہے۔ انتخاب کنندوں کو صرف اسی امر پر غور کرنا لازم نہیں ہے کہ سب سے لائق کون شخص ہے جسکو وہ اپنا قائم مقام مقرر کریں بلکہ اُنکو اس میں بھی غور کرنا چاہیے کہ اُنکی خاص اخلاقی حیثیت اور اُنکا مافی الضمیر کیونکر ظاہر ہو۔ جب ایک خیال میں بہت سے لوگ شریک ہوں تو اسکا اثر دضعمان قوانین پر ضرور پڑنا چاہیے اور جب یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آئین سیاست میں یہ شرط موجد ہے کہ ہر قسم کے مخالف خیالات کے ظاہر کرنے والے ممبر پارلیمنٹ میں موجود رہیں تو ممکن ہے کہ کسی موقع خاص پر انتخاب کنندوں کو سب سے زیادہ توجہ اس امر پر کرنی پڑی کہ اُنکے خاص خیالات کو مناسب طور سے کون شخص ظاہر کریگا۔ اور بعض صورتوں میں یہی ممکن ہے کہ اس امر کی ضرورت انتخاب کنندوں کو ہو کہ اپنے قائم مقام کے اتر یا مذہب دین یعنی اسکو ایسا مقید کر دیں کہ اُنکے خاص خیالات

یہ کہ جسے کہ عام اغراض کی جس نسبت سے کہ وہ انکو سمجھے ہیں سچے دل سے تائید کیا کریں۔ اسکی ضرورت انتخاب کنندوں کو اس حالت میں ہوگی کہ جب کوئی ایسا پولٹیکل اتحاد جاری کیا جائے جس سے ایسا انداز اور غیر متعصب امیدواران انتخاب بکثرت ہم ہونچ سکیں لیکن انتظام موجودہ کے بموجب انتخاب کنندے مصارت انتخاب اور عام تمدنی حالت کی وجہ سے اس امر پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے قائم مقام ان لوگوں کے زمرہ سے منتخب کریں جو انکے ہمپا یہ نہیں ہیں اور جنکے فریقی اغراض انتخاب کنندوں کے اغراض سے مختلف ہیں پس ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ انتخاب کنندوں کو لازم ہے کہ اپنے قائم مقام کی رائے پر اپنے پولٹیکل امور کو چھوڑ دیں (بقول شاعر بیت سپروم بٹو مایہ خلیش راہ تو دانی حساب کم دبیش راہ) جو انتخاب کنندہ غریب آدمی ہو اور جسکو صرف تین چار تمول آدمیوں میں سے ایک کو اپنا قائم مقام منتخب کرنا پڑے کیا اس پر الزام عائد ہو سکتا ہے کہ جس امیدوار کے موافق اُسے ووٹ دیا ہے اُس سے اس بات کا عہد کیوں لے کہ انہیں تو این کی تائید کریگا جنکو وہ انتخاب کنندہ دولت مندوں کے فریقی اغراض سے گلو خلاصی کا میا تصور کرتا ہے۔ علاوہ اسکے انتخاب کنندوں کی جماعت کے بعض شرکار کو اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اسی شخص کو اپنا قائم مقام منتخب کرنا پڑتا ہے جسکو انکے فریق کے اکثر آدمیوں نے پسند کیا ہے۔ لیکن جس امیدوار کو وہ پسند کرتے ہیں اگرچہ اُسکے منتخب ہونے کا احتمال ہوتا ہم انکو اپنے ووٹ اس امیدوار کے انتخاب پر دینے پڑتے ہیں جسکو اور لوگ پسند کرتے ہیں۔ پس ایسے امیدوار کے بعد کے افعال کو اپنی مرضی کے تابع رکھنے کا ایک ہی ذریعہ اُسکے پاس ہو سکتا ہے

وہ یہ ہے کہ اسکی تائید کرنا اس امر پر موقوف رکھیں کہ وہ بعض شرائط کی پابندی کا عہد کرے۔

یہ دلائل تائیدی اور تردیدی باہم تعلق تام رکھتے ہیں لیکن ہر کیفیت پر ضرور ہے کہ انتخاب کنندے اُن لوگوں کو اپنا قائم مقام منتخب کریں جو خود اُن سے زیادہ فہمیدہ و سنجیدہ ہوں اور اُنکی فہم و فراست پر عمل کرنا منظور کریں گویا بھی غیر ممکن ہے کہ اگر انتخاب کنندے کوئی رائے رکھتے ہیں تو اس رائے کو اس امر کے تصفیہ میں دخل نہ دین کہ کون شخص ایسا فہم و فراست رکھتا ہے اور کمان تک اُسے اپنی مفروضہ نشہندی کو اپنے افعال سے ثابت کر دیا ہے۔ پس ان سب امور پر نظر کر کے کہا جاتا ہے کہ کوئی خاص قاعدہ مقرر کر کے انتخاب کنندوں کو اسکا پابند کر دینا غیر ممکن ہے۔ اور نتیجہ انتخاب کسی خاص قاعدہ یا دستور پر یا پولیٹیکل اخلاق کے کسی واجب العمل مسئلہ پر اس قدر موقوف نہ ہوگا جیسا اس امر پر موقوف ہوگا کہ گروہ انتخاب کنندہ اہل کمال اور عطا کا کتنا پاس دلحاظ کرتا ہے وہ اشخاص اور وہ قومیں جو اعلیٰ درجہ کے عقلا کے بڑے قدر شناس ہیں غالباً اُنکی قدردانی اور علامات سے کرینگے نہ اس علامت سے کہ ان دونوں کے خیالات میں مطابقت ملی ہے بلکہ باوجود اختلاف رائے کے بھی اُنکی قدردانی کریں گے اور جب وہ اُنکی لیاقت کو پہچان جانے میں تو یہی چاہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو اُنکو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور یہ نہیں چاہتے ہیں کہ اپنی ذاتی رائے کا پابند اُن اشخاص کو کر دیں جسکو وہ اپنی بہ نسبت زیادہ عقلمند سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے بعض اشخاص کی طبیعت کا یہ خاصہ ہوتا ہے

کو کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں اور کسی کی رائے کو اپنی رائے سے بہتر نہیں جانتے ہیں بلکہ اپنی رائے کو پاسو یا ہزار آدمی کی رائے کے برابر تصور کرتے ہیں جب انتخاب کنندہ کی طبیعت کی یہ خاصیت ہوتی ہے تو کسی کو نہیں منتخب کرتے الا اُس شخص کو جو اُن کے خاص خیالات کی تصویر ہے یا اُن کے مراتب ایسا ظاہر کرتا ہے اور اُس کو پارلیمنٹ کا ممبر اس وقت تک رکھتے ہیں جب تک کہ اُن خیالات کا عکس یا پرتو اُس کے افعال میں نظر آتا ہے اور جو لوگ پولیٹیکل عزتوں کے خواہاں ہیں وہ بقول افلاطون حکیم کے عوام الناس کی رفتار اختیار کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے اُن کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ مکمل سلطنت جمہوری میں استعداد کامل اس امر کی ہوتی ہے کہ انتخاب کنندہ کے خیالات کو اس سانچے میں ڈھال لیتی ہے۔ سلطنت جمہوری تنظیم و تکریم کی عادت کو نہیں پسند کرتی ہے۔ بلکہ اس پاس و لحاظ کو جو محض خاندانی اغراض پر مبنی ہو مٹا دیتی ہے اور اس کے اس اثر کو اچھا سمجھنا چاہیے بُرا نہ جانا چاہیے اگرچہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک انسانی تعلقات میں تنظیم و تکریم کا باعث خاندانی عزت ہوتی ہے اور وہ بالکل تشریف لجاتی ہے لیکن سلطنت جمہوری کی یہ بھی خاصیت ہے کہ اُن امور کی زیادہ تر مطالب ہوتی ہے جن میں سبک خیال بدرجہ مساوی رکھنا لازم ہے نسبت اُن امور کے جن میں ایک شخص کا لحاظ دوسرے سے زیادہ رکھنا پڑتا ہے یہاں تک کہ ذاتی تفضیل کا بھی لحاظ غالباً کم کیا جاتا ہے اسی وجہ سے میری دانست میں بڑھ رہا ہے کہ اس ملک کے آئین سیاست میں تعلیم یافتہ آدمیوں کی رائے کو کم علم آدمیوں کی رائے سے زیادہ وقعت اور اعتبار بخشا جائے اور میں اب بھی



یہی کہتا ہوں کہ جن لوگوں کی لیاقت علمی کی تصدیق ہو گئی ہے انکو متعدد دووٹ کا حق دیا جائے اگرچہ صرف اسلئے کہ عام خیال مضبوط ہو جائے عام اس بات سے کہ کوئی صریحی پوٹیکل نتائج پیدا ہوں یا نہوں۔

جب کسی انتخاب کنندہ گروہ کو دو شخصوں کی لیاقت میں غیر معمولی نسر ق کا ادراک صحیح ہو رہا ہے تو اسکو بہت سے علامات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے مقاصد کے لیے کون اشخاص سب سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں سب سے بڑی علامت یا دلیل لیاقت کی یہ ہے کہ یہ شخص کن کن ملکی خدمات کو بجالایا ہے اور کن عہدہ ہائے جلیلہ پر مقرر ہو کر کیا کیا کارہائے نمایاں اسنے کیے ہیں جنکے نتائج سے اسکی عقلمندی ثابت ہو گئی ہے اور کیا کیا تدبیریں اسنے اختراع کی ہیں جنکے نتائج سے اسکا خوش فکر ہونا ثابت ہو گیا ہے اور کیا کیا پیشین گوئیاں اسنے کی ہیں جنکی تصدیق اکثر واقعات سے ہو گئی ہے اور جنکی تکذیب کتر ملکہ کبھی نہیں ہوئی ہے یا اسنے کونسا ایسا مشورہ دیا ہے جسپر عمل کرنے سے عمدہ نتائج پیدا ہوئے ہیں اور جسپر عمل نہ کرنے سے خراب نتائج مترتب ہوئے ہیں۔ ہمیں شک نہیں ہے کہ عقلمندی کے یہ علامات کچھ یقینی نہیں ہیں مگر ہم ان علامات کی تحقیق کر رہے ہیں جنہر ایک اوسط درجہ کا فہمیدہ آدمی عمل کر سکتا ہے بہتر تو یہی ہے کہ کسی ایک علامت پر بھروسہ نہ کیا جائے تا وقتیکہ اسکی تائید دیگر علامات سے نہ ہوئی ہو۔ اور جب کسی عملی کوشش کی کامیابی یا عمدگی کا اندازہ کیا جائے تو ان لوگوں کی عام رائے کا لحاظ کامل رکھا جائے جو بالکل بے عرض اور بے لوث ہیں اور اس معنوں سے خوب واقف ہیں۔ یہی عیار جبکا ذکر ہو رہا ہے صرف آزمودہ اشخاص سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اور انہیں ان لوگوں کو بھی

داخل سمجھنا چاہیے جنگی آزمائشیں علماً تو نہیں ہوئی مگر علماً ہو چکی ہے اور جنہوں نے عام ایجوکیشن یا اخبارات وغیرہ میں پولیٹیکل معاملات پر ایسے طریقے سے بحث کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں غور کامل کر چکے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایسے اشخاص فن سیاست کے عامل نہیں تو عالم ہوں اور اسی قدر اعتبار کے مستحق ہوں جسکے مستحق وہ اشخاص ہیں جو علماً مدبران ملک ہیں یعنی انکی علمی لیاقت فن سیاست میں ثابت ہو چکی ہے۔ جب یہ ضرور ہو کہ وہ اشخاص منتخب کیے جائیں جنگی آزمائش بالکل نہیں ہوئی ہے تو اس صورت میں سب سے عمدہ شناخت یہ ہے کہ انکی لیاقت ان لوگوں میں مشہور ہو جائے ذاتی واقفیت رکھتے ہیں اور جن اشخاص سے امید ہے وہ انکا اعتبار اور انکی سفارش کریں جو انتخاب کنندے لیاقت علمی کی قدر شناسی کرتے ہیں اور انکی تلاش میں رہتے ہیں وہ اسی قسم کے علامات سے ان اشخاص کو پہچانتے ہیں جو اوسط درجے سے زیادہ لیاقت رکھتے ہیں اور اکثر ایسے لوگ انکو بجاتے ہیں جنہیں بھروسہ ہو سکتا ہے کہ معاملات سلطنت کا انتظام اپنی آزاد اور غیر مقید عقل کے موافق کرینگے اور ان سے یہ کہنا کہ جو لوگ اُن سے علم میں کم ہیں انکے حکم سے اپنی آزادی کو بالائے طاق رکھینگے انکو ذلیل و حقیر کرنا ہے اگر ایسے لوگ تلاش کیے سے نہ ملیں تب البتہ انتخاب کنندوں کو اور قسم کی تدبیریں کرنا جائز ہے کیونکہ اُن سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ اپنی رایوں کو ملتوی رکھینگے الا اس صورت میں کہ انکی قائم مقامی کرنے کے لیے کوئی ایسا شخص مل جائے جو اُن سے زیادہ ذی علم ہو بلکہ اس صورت میں بھی انکو یاد رہے کہ جبے کسی شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کر لیں اور وہ اپنے فرض منصبی کے بجا لانے میں مصروف رہے تو انکو اس فیصلہ کے

صحیح کرنے کا جو دراصل غلط ہے زیادہ تر موقع ملے گا بہ نسبت اکثر انتخاب کنندوں کے اس امر کا خیال کر کے انتخاب کنندوں کو لازم ہے کہ اپنے قائم مقام سے ہدایت کا حمد نہ لیا کریں کہ وہ اپنی رائے کو نہ بدلیگا یا اگر بدلیگا تو پارلیمنٹ کی ممبری سے استعفا دیگا الا اس صورت میں جبکہ انتخاب کنندے مجبوری اس شخص کو ممبر منتخب کریں جبکہ وہ اعتبار کامل نہیں کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی گننام شخص جسکی لیاقت کی تصدیق کسی بڑے مستند القول آدمی نے نہ کی ہو پہلی ہی دفعہ منتخب کیا جائے تو انتخاب کنندہ سے یہ امید نہیں ہو سکتی کہ اپنے خاص خیالات کی پابندی کو جو دراعظم انتخاب کا نہ قرار دیگا یہی غنیمت ہے کہ اگر بعد ازاں وہ خیالات بدل دیے جائیں اور انکے بدلنے کے وجہ صاف صاف بیان کر دیے جائیں تو اسکو انتخاب کنندہ اپنا اعتبار اٹھا لینے کی وجہ کافی نہ قرار دے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قائم مقام کی لیاقت بخوبی آزمودہ ہے اور اسکا کیکڑ دوضع مسلم الثبوت ہے تب بھی یہ لازم نہیں ہے کہ انتخاب کنندے اپنی ذاتی رائے کو بالکل معطل کر دیں کیونکہ لیاقت علمی کا پاس دلچاظا اتنا نہ کرنا چاہیے کہ اپنی ذاتی رائے کو آدمی کا عدم کرنے لگیں جب اختلاف رائے اصول اولیہ سیاست کی نسبت نہ تو اگرچہ انتخاب کنندہ کی ذاتی رائے کیسی ہی قطعی ہو تا ہم اسکو غور کرنا چاہیے کہ جب کوئی لائق آدمی اس سے اختلاف رائے کرے تو احتمال قوی یہی ہے کہ اسکے (انتخاب کنندہ کی) رائے غلط ہے اور اگر ایسا نہ ہو تب بھی اسکو لازم ہے کہ اپنی رائے ان امور کی نسبت جو بہت ضروری نہیں ہیں اسلئے دست بردار ہو جائے کہ اسکو یہ شرف حاصل ہے کہ اکثر مقدمات میں جنہیں وہ کوئی رائے قائم کرنے کی

لیاقت نہیں رکھتا ہے اسکی طرف سے کارروائی کرنے والا ایک لائق آدمی ہے۔  
 ایسی صورتوں میں انتخاب کنندہ چاہتا ہے کہ ہم خرمادو ہم ٹو ایک نقشہ ہو یعنی دونوں کی  
 بات رہ جائے اور اُس لائق آدمی کو ترغیب دینا ہے کہ اختلافی امور میں اپنی رائے  
 دست بردار ہو جائے۔ لیکن اگر وہ لائق آدمی اس مصالحہ کو قبول کرے تو اُس نے اپنے  
 خاص عہدہ سے دعا کی اور لیاقت عقلی کے خاص فرائض کو ترک کیا جنہیں سے ایک  
 فرض یہ ہے کہ جس معاملہ میں لوگ ناحق شور و غل مچائیں اُس سے دست بردار ہوں  
 اور اپنی خدمات سے اپنی اُن رایوں کو محروم نہ رکھے جو سب سے زیادہ اُن خدمات کی  
 محتاج ہیں۔ ایماندار اور لائق آدمی کو اس امر پر اصرار کرنا چاہیے کہ اسکو پوری آزادی  
 دیا جائے کہ وہ جو اپنی دانست میں جو کارروائی مناسب سمجھے اسکو کرے۔  
 سوائے اسکے اور کسی قسم کے شرائط پر اسکو کام کرنا نہ چاہیے۔ مگر انتخاب کنندے  
 یہ بات جاننے کے مستحق ہیں کہ اسکا ارادہ کیونکر کارروائی کرنے کا ہے اور  
 سبب امور کی نسبت جو اسکے فرض عام سے متعلق ہیں کن رایوں پر وہ چلنا  
 چاہتا ہے۔ اگر انہیں سے بعض کی رائیں انتخاب کنندوں کو ناپسند ہیں تو  
 اسکو لازم ہے کہ اُنکا اطمینان کرے کہ باوجود اسکے بھی وہ اُنکا قائم مقام ہونے کا  
 مستحق ہے اور اگر انتخاب کنندے عقلمند ہیں تو اُس شخص کی عام لیاقت پر نظر کر کے  
 اکثر اُن اختلافات سے چشم پوشی کریں گے جو اسکی اور خود اُنکی رایوں میں ہیں مگر بعض  
 اختلافات ایسے ہیں جنہیں انتخاب کنندے چشم پوشی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ جو کوئی  
 شخص اپنے ملک کی حکومت پر اسقدر توجہ کرتا ہے جب قدر ایک آزاد آدمی کو شایان  
 وہ قومی معاملات کی نسبت بعض ایسے اعتقادات رکھتا ہے جنکو اپنی جان کے برابر

عزیز رکھتا ہے۔ اور انکی سچائی کا ایسا یقین ملی رکھتا ہے کہ انکے باب میں ہرگز مصالحو نہیں کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے شخص کی رے کو چاہے وہ اُس سے کیسا ہی افضل ہو اپنی رے پر مقدم رکھ سکتا ہے۔ ایسے اعتقادات جب کسی قوم یا اسکے جزو معتد بہ کے دل میں موجو د ہوں تو صرف اُنکا موجو د ہونا ہی سہکا مقتضی ہے کہ اُنکا لحاظ کامل رکھا جائے خواہ اُنکی سچائی کا ظن غالب ہو خواہ نہ ہو۔ کسی قوم پر عمدہ طور سے حکومت نہیں ہو سکتی اگر وہ حکومت اُن ابتدائی خیالات کے مخالف ہے جو امر حق کی نسبت وہ قوم رکھتی ہے گو وہ خیالات بعض اعتبارات سے غلط ہوں۔ حاکم اور محکوم میں جو تعلق ہونا چاہیے اگر اسکا صحیح اندازہ کیا جائے تو اُس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ انتخاب کنندے اُس شخص کو اپنا قائم مقام بنانا منظور کریں جبکہ یہ ارادہ ہو کہ انکے اعتقادات ضروری کے خلاف اُنہیں حکمرانی کرے اگر انتخاب کنندے دیگر امور میں اُنکی لیاقتوں سے اُس ہنگام میں مستفید ہوں جبکہ وہ امور چکی نسبت اُنکی رائے اور اُنکی رائے میں اختلاف عظیم ہے معرض بحث میں نہوں تو انتخاب کنندہ دن کو جائز ہے کہ جب کوئی ایسی بحث پیش ہو جس میں وہ امور سبھی شامل ہوں اور جس بات کو وہ حق جانتے ہیں اُس پر بحث نہ کرے۔ ایسا یقین ملی ہو کہ اگر وہ شخص اختلاف رائے کرے تو کچھ نقصان نہوگا اسی وقت اُسکو موقوف کر دیں۔ اس مطلب کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے جو رائے میں شرکابِ ڈن اور مسٹر برایت کی اس باب میں یقین کہ انگلستان کو غنیمت کے محلہ سے بچانے کا سامان کیا جائے اُنسے چشم پوشی جنگ کریمیل کے زمانہ میں ہو سکتی تھی کہ اُسوقت قوم میں غلبہ آرا اس رائے کے خلاف تھا لکن اگر ایسی ہی

راے ان صاحبوں کی محارہ چین کے زمانہ میں ہوتی اور انتخاب کنندے انکو اپنا قائم مقام بنانا منظور کرتے تو کچھ ہیجانوتا کیونکہ چند مدت تک یہ امر غور طلب رہا کہ انھیں کی راے اس مقدمہ میں کیوں زمان لیجائے۔

تقریر مذکورہ بالا سے عام نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امیدواران انتخاب سے واقعی عدلیہا چاہیے الا اس صورت میں کہ تمدنی حالات کی ناموافقت یا ائین سیاست کے ناقص ہونے کی وجہ سے انتخاب کنندوں کا دائرہ انتخاب ایسا تنگ ہو کہ مجبوری انکو وہ شخص منتخب کرنا پڑے جس پر ان خیالات کا غلبہ ہو جو انکی اغراض کے منافی ہوں۔ اور انتخاب کنندے امیدوار انتخاب کے پولیٹیکل آرگراڈ خیالات جاننے کا استحقاق کامل رکھتے ہیں اور صرف استحقاق ہی نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اس امیدوار کو نہ منتخب کریں جو ان چند اعتقادات میں خبر اُنکے پولیٹیکل مہربانی بنا ہے اُنسے اختلاف راے رکھتا ہے۔ اور جب قدر کہ کسی امیدوار کی لیاقت علمی سے حُسن ظن رکھتے ہوں اسی قدر انکو لازم ہے کہ کچھ تعرض اس بات کا ذکر کریں کہ جو امور انکے اصول اعتقادات میں نہیں داخل ہیں انکی نسبت اُنسے ایسی رائیں ظاہر کریں یا ان راہوں پر چل کیا جو انکی راے کے مخالف ہیں اور انتخاب کنندوں کو یہ بھی لازم ہے کہ کمال تجسس اور تعمق کر کے ایسے لائق شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کریں جس پر بھروسہ ہو سکے کہ جس بات کا حکم خود اسکی عقل کر لگی اسی پر عمل کرے گا۔ اور یہ بھی انکو واجب ہے کہ اپنے ہموطنوں کا فرض اپنے نفس پر اس امر کو سمجھیں کہ جسے لامکان کو شش بلین کر کے اسی صفت کے لوگوں کو کونسل واضع قوانین یعنی پارلیمنٹ میں داخل کریں

اور یہ بھی سمجھے رہیں کہ ایسے شخص کو اپنا قائم مقام مقرر کرنا خود اُنکے حق میں اس سے بہتر ہے کہ اُس شخص کو اپنا قائم مقام بنائیں جو اُنکی اکثر رایوں سے اتفاق ظاہر کرے کیونکہ اُس شخص کی لیاقت کے فوائد تو یقینی ہیں مگر یہ فرض کر لینا کہ اختلافی امور میں اُسکی رائے غلط اور ہماری رائے صحیح ہے ایک نہایت مشکوک امر ہے۔

میں نے اس مسئلہ میں بحث اس تقدیر پر کی ہے کہ قاعدہ انتخاب جہاں تک آئین سیاست پر موقوف ہے اُن اصول کے موافق ہے جو ابواب سابقہ میں مقرر کیے گئے۔ اس تقدیر پر بھی قائم مقامی کو محض سفارت یا کارندہ گری قرار دینا میرے نزدیک غلط ہے اور اسکا عملی نتیجہ خراب پیدا ہوتا ہے اگرچہ اس صورت میں اسکا ضرر بعض حد و حد کے اندر محدود رہے گا۔ لیکن اگر اُن امور کو جن میں میں نے قائم مقامی کے اصول کا خاصہ یا محافظہ قرار دیا ہے آئین سیاست تسلیم کرے اور اگر قلیل فریقوں کی قائم مقامی کا کوئی قاعدہ نہ مقرر کیا جائے اور نہ ووٹ دینے والوں کی مقدار لیاقت کی ایک معیار کے موافق اُنکے ووٹوں کی تعدادی قیمت میں کچھ فرق رکھا جائے تو اس صورت میں قائم مقام کو غیر مقید اختیار دینے کا اصول جب قدر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا جائے وہ کم ہے کیونکہ جب ووٹ کا اختیار علی العموم سب کو دے دیا جائیگا تو صرف یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فریق کثیر کی رایوں کے علاوہ اور فریقوں کی رائیں بھی پارلیمنٹ میں مسموع ہو سکتی ہیں۔ اُس جھوٹی سلطنت جمہوری میں جس میں حکومت واقعی صرف اہل حرفہ کرتے ہیں اور اُنکے سوائے اور کسی فرقہ کی جانب سے نہ قائم مقامی ہوتی ہے کسی کی کچھ سماعت ہوتی ہے سب سے بدتر فریقینی قانون سازی اور پولیٹیکل جمالیٹ

بچے کی صورت ہی سہل ہے کہ غیر تعلیم یافتہ لوگ تعلیم یافتہ آدمیوں کو اپنا قائم مقام بنا یا کریں اور انکی راہوں کا پاس دلچسپی لیا کریں۔ اسکی توقع عوام سے ہو سکتی ہے اور ہر ایک امراسی پر موقوف ہے کہ اس خیال کو انکے طبائع میں جانتک ممکن ہو ترقی دیجائے۔ لکن اگر اہل حرفہ کو ایک مرتبہ اعلیٰ درجہ کے پولیٹیکل اختیارات مے دیے جائیں اور وہ اس طریقہ سے یا اور کسی طریقہ سے اپنی خود رانی اور خود مختاری کو بالکل مقید اور محدود کر دینا منظور کریں تو ان سے زیادہ عقلمند کوئی منسرفہ نہیں ہے جسکو نشہ حکومت رہا ہے یا رہیگا۔ فقط

## تیرھواں باب

دوسرے محکمہ (ہوس آف لارڈس) کی ضرورت کے بیان میں۔

پنجابی گورنمنٹ کے مسئلہ سے متعلق جتنے مضامین ہیں ان میں سے کسی مسئلہ پر ہانک یورپ میں اس سے زیادہ بحث نہیں ہوئی ہے جتنے دو محکموں کے مسئلہ پر ہوئی ہے تحقیق فن سیاست کو جتنی توجہ اس مسئلہ پر رہی ہے اس سے دس حصہ زیادہ اہم جو مسائل ہیں ان پر بھی نہیں رہی ہے۔ اور اسکو ایک قسم کی کسوٹی سمجھیں جس سے محدود اور نامحدود سلطنت جمہوری کے طرفداروں میں فرق معلوم ہو جائے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ کچھ حقیقت اس دک کی نہیں ہے جو دوسرے محکمہ اس سلطنت جمہوری پر حقدار کر سکتا ہے جب اور کوئی روک نہیں ہے۔ اور میری دہشت میں اگر اور امور متعلقہ ان میں سیاست کا صحیح فیصلہ کر دیا جائے تو یہ مسئلہ کچھ ایسا اہم نہیں ہے لگایا پلویٹ کے دو محکمہ سونے چاہئیں یا ایک ہی محکمہ کافی ہے۔

اگر دو محکمہ ہیں تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا ان دو نون کی ترکیب



ایک سی ہے یا ایک سی نہیں ہے۔ اگر ایک سی ہے تو دونوں پر ایک ہی  
 قسم کا اثر ہوگا اور جس امر پر کثرت ملے ایک محکمہ میں ہوگی غالباً اُسی پر کثرت ملے  
 دوسرے محکمہ میں بھی ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ کسی قانون کے پاس کون سے میں دونوں محکموں کی  
 منظوری کی ضرورت بعض اوقات ترقی کی مانع قوی ہوتی ہے کیونکہ فرض کیجیے  
 کہ دونوں محکمے قائم مقامی کی حیثیت رکھتے ہیں اور دونوں تعداد میں بھی برابر ہیں  
 تو بھی اگر کل ممبروں کی تعداد کے ایک درج سے کچھ بھی زیادہ ووٹ کسی بل یعنی  
 مسودہ قانون کے خلاف آئیں گے تو وہ پاس نہ ہوگا لیکن اگر ایک ہی ہوس یعنی  
 محکمہ ہو تو وہی تین ووٹوں کے زیادہ آنے سے وہ بل پاس ہو جائیگا  
 مگر یہ صورت جو فرض کی گئی ہے محض ذہنی ہے خارجی نہیں ہے یعنی عملی اعتبار میں  
 ایسا کم ہوتا ہے کہ جب دو محکموں کی ترکیب ایک سی ہو تو جتنا اتفاق ایک تین  
 آتا ہی اختلاف دوسرے میں ہو اور اگر ایک محکمہ میں کثرت ملے سے کوئی  
 قانون منظور ہو تو دوسرے محکمہ میں بھی ایک فریق کثیر اُسکے مخالف ہو جو  
 پس اگر اس سے کسی اصلاح میں حرج واقع ہوگا تو اُسی اصلاح میں واقع ہوگا  
 جس پر کل گروہ میں کثرت ملے بہت قلت کے ساتھ ہوگی اور بدتر سے بدتر  
 نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ اس بل کا پاس ہونا چند روز تک ملٹوسی رہیگا یا کہ یہ تھکے بندوں  
 کی طرف دوبارہ رجوع کرنی پڑیگی اور یہ دریافت کرنا پڑیگا کہ جس فریق کی تھوڑی سی  
 کثرت پارلیمنٹ میں ہے آیا ملک میں بھی اسی کی جانب کثرت ہے یا نہیں ہے  
 اور اس صورت میں تاخیر سے جتنا نقصان ہوگا تقریباً اتنا ہی فائدہ قوم کے  
 رجوع کرنے میں ہوگا۔

میرے نزدیک یہ دلیل کچھ وقعت نہیں رکھتی کہ دو ملکوں سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ بہت جلدی ہونے پائیگی اور ہر امر پر دوبارہ غور کرنا پڑیگا کیونکہ قائم مقامان قوم کی مجلس باطل ناقص جس میں کام کرنے کے معین طریقوں کے موافق دو مباحثوں سے زیادہ کی ضرورت نہ ہو۔ میرے نزدیک جب سے زیادہ دلیل قوی دو ملکوں کی تائید میں یہ ہے کہ صاحب حکومت خواہ ایک شخص ہو خواہ ایک گروہ ہو جب وہ سمجھتا ہے کہ ملک کو کئی دوسرے کے مشورہ پر عمل کرنا پڑیگا تو اس خیال کا خراب اثر اسکے دل پر ہوتا ہے لہذا پر ضرور ہے کہ بڑے بڑے اہم معاملات میں کسی خاص گروہ کے مکان میں یہ بات نہ رہے کہ وزیر کسی دوسرے شخص سے پہلے کچھ اپنی رائے سے جو چاہے کر گذرے۔ جب ایک مجلس میں فریق کثیر ایک الٹی حیثیت حاصل کر لیتا ہے اور جب اس فریق میں ایک ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو ہمیشہ ملکر کام کیا کرتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ہماری خاص مجلس میں ہماری فتح ہمیشہ ہوگی تو ایسا فریق کثیر دوسرا مطلق العنان اور مغرور ہو جاتا ہے کہ اسکو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ آیا کوئی اور ملک بھی ہماری کارروائیوں سے اتفاق کرے یا نہ کرے گا جس وجہ سے قدیم رومیوں کو دو کائسل یعنی مسبودار رکھنے پڑے اسی وجہ سے ہکو دو ملکوں کا رکھنا مناسب ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک غیر منقسم حکومت کے نشتر میں سال بجز ایک بھی شتر زرہ سکے سیاست کا عمل کے لازم ضروریات میں سے ایک مصلح پسندی ہے اور مصلح پسندی کے معنی ہیں کہ فائضین کی کسی بات کو تسلیم کر لینا اور عمدہ قوانین کو ایسے پر اپرہ میں لانا کہ مختلف الراس انتخاص کو بہت کم ناگوار گذرے۔ اس صفت کی ضرورت آؤ سلطنتوں میں چل کر ہے۔ اور اس نیک طاعت کا برناؤ کہ کچھ نرم دواؤ کچھ ہنسے لوہا پلیمینٹ کے دونوں ملکوں یعنی ہونٹ لارڈ

اور ہوس آف کامنس میں ہمیشہ رہتا ہے۔ اسکا فائدہ اب بھی محسوس ہوتا ہے اور جب پارلیمنٹ کی ترکیب میں عوام کو اب سے زیادہ دخل ہو جائیگا اسوقت اور زیادہ محسوس ہوگا۔

لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ دونوں محکمون کی ترکیب ایک سی ہو۔ بلکہ وہ اس غرض سے قائم کیے جائیں کہ ایک کی روک دوسرے پر رہے اور جب ایک محکمہ عوام فرض کیا گیا ہے تو دوسرے کی ترکیب اہم خواہ ایسی بھی جائیگی کہ محکمہ عوام پر کچھ روک رہے مگر دوسرے محکمہ کا موثر ہونا بالکل اہم پر موقوف ہے کہ پارلیمنٹ کے باہر قوم اسکی تائید کرے۔ وہ مجلس جسکی بنا، قومی طاقت پر نہ قائم ہو اس مجلس کے سامنے صبح ہے جو قومی قوت پر مبنی ہے امر کی مجلس یا کمیٹی و بان صاحب اقتدار ہوتی ہے جان خود امر دہی اقتدار ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں ہوس آف لارڈس ہمارے ملک میں سب سے زیادہ قوت رکھتا تھا اور ہوس آف کامنس صرف ایک روکنے والا محکمہ تھا۔ مگر یہ اسوقت تھا جبکہ پارلیمنٹ کے باہر یعنی ملک میں سیرن یعنی روساء سب سے زیادہ قوی اقتدار تھے۔ مین باور نہیں کر سکتا کہ جہان عام غلبہ ہو وہ بان ہوس آف لارڈس سے کچھ عملی فائدہ ہو سکتا ہے یا وہ عوام کی حکومت کو معتدل رکھ سکتا ہے۔ جب ایک جانب قوی اور دوسری ضعیف ہو تو جانب قوی کی قوت کے اظہار کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دونوں کو میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر کے نور آزمائی کی جائے کیونکہ ایسی حرکت سے جانب ضعیف کو شکست چھٹ ہو جائیگی۔ فریق ضعیف کی کارروائی اگر فائدہ ہو سکتا ہے تو یوں ہو سکتا ہے کہ وہ فریق قوی سے علیحدگی

نہ اختیار کرے اور شخص کو اس پر مجبور نہ کرے کہ اس کے ساتھ موافقت یا مخالفت ظاہر کرے اور عوام میں شامل ہو جائے نہ یہ کہ اُس نے مخالفت کرے اور ہر لوگ کسی امر پر اُس سے اتفاق کر سکیں اُن سب کو اپنی طرف کھینچ لائے اور اپنے تئیں دشمن کے پیرائے میں نہ ظاہر کرے کہ سب کے سب یکبارگی اُس پر ٹوٹ پڑیں بلکہ سب کے ساتھ مل جل کر کام کرے اور اپنا رنگ سب پر چھانچا اور اپنے زور کو شامل کر کے جزو ضعیف کو قوی بنا دے۔ سلطنت جمہوری کی مستدل رکھنے والی جو قوت ہے وہ ہو **س آف کامنس** کے اندر اور اُس کے ذریعہ سے فعل کرتی ہے۔

سابق میں بیان کر چکا ہوں کہ ہر ایک گورنمنٹ میں ایک مرکز قاتل یا متحد قاتل اس قوت کا جو سلطنت میں غلبہ رکھتی ہے ہونا ضرور ہے۔ اسکو میں ایک اصل اصول گورنمنٹ کا سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی قوم جہیں عوام کی قائم مقامی کا اصول جاری ہے اپنے واقعات تاریخی کی وجہ سے ایسے مرکز قاتل کو بصورت دوسرے حکمہ یا **س آف لارڈس** کے رکھنا چاہتی ہے تو یہی وجہ وجہ اس بات کی ہے کہ اُس قوم میں کئی صورت سے دوسرا حکمہ قائم کیا جائے۔ مگر میرے نزدیک یہ صورت سب سے عمدہ نہیں ہے اور نہ یہ جبکہ عمدہ تدبیر مقصد برآری کی ہے۔ اگر دو حکمے ہوں اور ان میں سے ایک عموماً قوم کا قائم مقام ہو اور دوسرا ایک خاص فرقہ کا قائم مقام ہو یا کسی کا بھی قائم مقام نہ تو میرے نزدیک جس ملک میں حکومت عوام کی ہے وہیں دوسرا حکمہ کو اتنی بھی لیاقت نہوگی کہ پہلے حکمہ کی غلطیوں کو روک سکے صرف عادت اور قدامت کے خیال سے یہ دوسرا حکمہ قائم رکھا جائے تو خیر ورنہ اُس سے پہلے

حکمہ پر کچھ مؤثر روک نہ ہوگی۔ اگر دوسرا حکمہ اپنی آزاد مرضی کو عمل میں لائے تو اسی عام فائدہ کی نظر سے اسکو اپنی مرضی عمل میں لانی پڑیگی جیسا کہ پہلا حکمہ کرتا ہے اور اسی طرح سے عوام پسند ہونا پڑیگا اور صرف اسپر اکٹفا کرنی پڑیگی کہ مجلس واضع قوانین (پارلیمنٹ) کے عام پسند شعبہ (ہوس آف کامنس) کی اتفاقی غلطیوں کو صحیح کیا کرے یا رفاہ عام کی تدبیرات میں اسکا مقابلہ کیا کرے۔

فرق کثیر کے غلبہ پر کسی قومی روک کا عمل پذیر ہونا اسپر موقوف ہے کہ حکمرانی کرنے والے گروہ کے عوام پسند شعبہ میں قوت برابر تقسیم کی جائے۔ سابقین میں اس طریقہ کو بیان کر چکا ہوں جس سے میری رائے ناقص میں قانون کی مساوات حکمہ عوام (ہوس آف کامنس) میں فائدہ کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔ یہ بھی میں ثابت کر چکا ہوں کہ اگر اس فریق کو جسکی تعداد ملک میں زیادہ ہے غلبہ کامل اسطور سے نہ جٹ جائے کہ پارلیمنٹ میں بھی اسی تعداد کا فریق کثیر قائم کیا جائے اور ساتھی اسکے قلیل فریقوں کو اجازت دیا جائے کہ سلطنت جمہوری کے اصول کے موافق جو حق اُنکو حاصل ہے اُس سے بدرجہ مساوی متمتع ہوں یعنی پارلیمنٹ میں اُنکے قائم مقاموں کی تعداد خود اُنکی تعداد کے موافق ہو تو اس تدبیر سے یہ فائدہ ہے کہ ہوس آف کامنس میں اعلیٰ درجہ کے بہت سے عقلا و ہمیشہ موجود رہینگے اور وہ اور ممبروں سے علیحدہ نہ رہینگے نہ کوئی خاص حق اُنکو دیا جائے جو اوروں کو ناگوار گدھے بلکہ اُنکو ایک ذاتی اعتبار اور وقار ایسا حاصل رہیگا جو اُنکی تعدادی قوت سے زیادہ ہوگا اور انہیں عقلا سے وہ اخلاقی مرکز قابل نیابتیگی جسکی ضرورت ہے پس معلوم ہوا کہ اس

مقصد کے لیے دوسرے محکمہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس سے یہ مقصد برائیگا بلکہ بعض وجوہ سے اسکے حصول کا مانع ہوگا۔ لیکن اگر اُن وجوہ سے جھکاؤ سابق میں کیا گیا ہے یہ قرار دے لیا جائے کہ دوسرا محکمہ ضرور ہونا چاہیے تو مناسب ہے کہ یہ محکمہ ایسے ارکان سے مرکب کیا جائے جن پر الزام نہ عائد ہو سکے کہ ایسے فریقی اغراض رکھتے ہیں جو فریقہ کی اغراض کے مخالف ہیں اور جو اس محکمہ کو فریقہ کی فریقی اغراض کی مخالفت پر آمادہ کریں اور اسکو اس قابل بنادیں کہ فریقہ کی اکثر کے اغلاط و عیوب کا اعلان کرے اور ضرور کھوکھلا کرے۔ ظاہر ہے شرائط اس مجلس میں نہیں پائے جاتے ہیں جسکے ارکان ایسے ہیں جیسے ہمارے ہوس آف لارڈس کے ہیں۔ جب اغراض قیام اور قبول ذاتی کا خوف ہمارے ملک کے عوام کو جاتا رہیگا ہوس آف لارڈس حقیر و ناجیز ہو جائیگا۔

منجملہ اُن سب اصول کے جبکہ موافق ایک دانشمند مجلس اُمرام عوام کے غلبہ کو معتدل اور مفید رکھے قائم مقام ہو سکتی ہے وہ اصول جیبر و دم قدیم کے سنٹیٹ مینی تھے سب سے عمدہ معلوم ہوتا ہے سنٹیٹ فی نفسہ ایک ایسی دوراندیش اور دانشمند مجلس تھی کہ شاید اس سے بہتر منظم امور سیاست کوئی کمپنی نہیں گذری ہے۔ جو عیوب اُس مجلس عام میں ہوں جو عوام کی قائم مقام ہے وہ خود عوام کے عیوب ہیں۔ اور وہ عیوب خاص لیاقت اور خاص واقفیت کا نہ ہونا ہے۔ پس اُن عیوب کا دفعہ یہ ہے کہ مجلس عام کے ساتھ ایک ایسی مجلس خاص شریک کر دی جائے جسکے ارکان لیاقت خاصہ اور واقفیت مخصوصہ رکھتے ہوں اور اگر ایک ہوس (محکم) عام خیالات کا منظر ہو تو دوسرا ہوس اُس لیاقت ذاتی کا

مرکز ہو چکی آزمائش اور تصدیق واقعی ملکی خدمات کی انجام دہی سے ہو چکی ہو اور  
 جسکی مضبوطی علی تجربہ سے ہو گئی ہو۔ اگر ایک قومی محکمہ ہو تو دوسرا ارکان سلطنت  
 اور ممبران ملک کا محکمہ ہو اور ایسی کونسل چھپین سب متفقان ملک جو بڑے بڑے  
 ملکی خدمات اور عہدوں پر مامور رہے ہیں شامل ہوں۔ ایسی کونسل کی لیاقت  
 صرف اتنی ہی ہوگی کہ محکمہ عوام کو اعتدال کی حالت میں رکھے بلکہ اس سے بہت زیادہ  
 لیاقت ہوگی۔ وہ فقط روکنے والی قوت نہ ہوگی بلکہ چلانے والی قوت بھی ہوگی اُسکے  
 ذریعہ سے عوام کو روکے رہنے کا اختیار اُن اشخاص کو دیا جائیگا جو سب سے زیادہ  
 لائق ہوں گے اور جو عوام کو ہر ایک راہ نیک میں آگے بڑھا لیا جانا چاہینگے۔ وہ کونسل  
 جس سے عوام کی غلطیوں کو صحیح کرنے کا کام متعلق کیا جائیگا اس فرقہ کی قائم مقام  
 ہوگی جسکی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ عام قاعدہ کی مخالفت ہے بلکہ اس میں وہ اشخاص ہوں گے  
 جو خود عوام کے رہبر ترقی کی راہ میں ہیں اس سے بہتر اور مؤثر تر کیا ترکیب  
 اُس کونسل کی ہوگی جسکا کام عوام کو معتدل رکھنا ہے جو مجلس اصلاحات کے میلان  
 سب پر پیش قدمی کرے اس پر الزام لگانا غیر ممکن ہوگا کہ یہ صرف ایک بھر بھنڈ  
 کرنے والی کمیٹی ہے گو اُس نے کیسی ہی خرابی کو روک دیا ہو۔

فرض کیجئے کہ اگر ایسی جگہ انگلستان میں خالی ہوتی تو اس میں ایسے لوگ بھرتی  
 ہو سکتے جیسے مثلاً وہ سب اشخاص جو اس قانونی کمیشن کے ممبر رہے ہوں  
 جسکا ذکر میں سابق میں کر چکا ہوں اور جسکا ایک خوش ترکیب سلطنت  
 جمہوری میں ہونا میرے نزدیک بضرور ہے۔ وہ سب اشخاص جو  
 چیف جسٹس یا عدالت عالیہ کے افسر رہے ہوں۔ وہ سب لوگ جو پانچ برس تک ایچ

پیونی جج کے عہدے پر رہتے ہوں وہ سب اشخاص جو دو برس تک کسی عہد وزارت پر رہے ہوں۔ مگر یہ لوگ ہوس آف کانٹیننٹ میں بھی بھرتی ہو سکتے ہیں اور اگر اسکے ممبر منتخب کیے جائیں تو انکا خطاب امارت یا جو عہدہ وہ سینٹ میں رکھتے ہیں اتنی ہی رکھا جائے۔ مبادی کی شرط ایسے ضرور ہے کہ لوگ وزرا صرف اس غرض سے یہ مقرر کر دیے جائیں کہ انکو سینٹ میں جگہ مل جائے اور دو برس کی مبادی اس واسطے لکھی گئی ہے کہ وہی مبادی جو انکونشن کا مستحق کر دیتی ہے سینٹ میں داخل ہونے کا بھی مستحق انکو کر دے۔ وہ سب اشخاص جو کمانڈران جینٹ یعنی سپر ایڈمرل کے عہدہ پر مامور رہے ہوں اور وہ سب لوگ جنھوں نے فوج بری یا بحری کی کمان کی ہو اور جنکے فتوحات بری یا بحری کا شکریہ پارلیمنٹ نے ادا کیا ہو۔ وہ سب اشخاص جو دس برس تک اول درجہ کے عہدہ ہائے سفارت پر رہے ہوں۔ وہ سب جو ہندوستان یا برٹش امریکا کے گورنر جنرل رہے ہوں اور وہ سب جو دس برس تک مالک نوآبادی کے گورنر رہے ہوں۔ ممبران سول سروس بھی ایسی کونسل کے ممبر کیے جائیں اور وہ سب آرمی بھرتی کیے جائیں جو دس برس تک انڈر سکرٹری خزانہ یا سکرٹری آف اسٹیٹ یا اور ایسی ہی اعلیٰ اور ذمہ داری کے عہدوں پر رہے ہوں یہ سب تو اہل علم ہیں اور انتظام امور سلطنت میں عملی تجربہ رکھتے ہیں اگر انکے ساتھ کچھ اہل علم بھی شریک کر دیے جائیں تو بہتر ہے اور غور طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ کالجوں وغیرہ میں جنرلنگ پروفیسری کے عہدے پر رہے ہوں آیا انکو ایسی کونسل میں شامل کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ محض علوم عقلیہ اور فن ادب میں کامل ہونا تو ایک محدود



اور قابل بحث چیز ہے۔ ایسا کمال حق انتخاب پر ولایت کرتا ہے مگر اور قسم کے کمالات اپنے نفس پر خود دال ہیں مثلاً اگر وہ تالیفات جگلے باعث سے شہرت حاصل ہوئی ہے فن سیاست سے کچھ تعلق نہیں رکھتے ہیں تو وہ مطلوبہ کمالات پایا نسنوں کی دلیل نہیں ہو سکتے اور اگر فن سیاست سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ فباحت متصور ہے کہ جو وزیر اوجہ وقت برسرِ کار ہو سگئے وہ پارلیمنٹ میں اپنے ہی فوق والوں کو داخل کرینگے۔

**انگلستان** کے حالات اضیہ پر نظر کرنے سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اگر موجودہ آئین سیاست میں کوئی ایسا انقلاب عظیم ہو جائے جس کا گمان نہیں ہے تو اور بات ہے ورنہ دوسرے حکم اس ملک میں اگر قائم ہو سکتا ہے تو اس بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے جس پر ہوس آف لارڈس قائم ہے۔ عملاً دیکھا جا تو خیال میں نہیں آسکتا کہ اس حکم کو موقوف کر کے اس کے مقام پر کوئی ایسی کونسل جسکی تعریف میں نے لکھی ہے یا اور کوئی کونسل قائم کیجائے۔ مگر جن فرقوں یا جموں کا ذکر ابھی ہو چکا ہے انکو بحیثیت امرے ذوالخطاب ہوس آف لارڈس میں داخل کرنے میں شاید ویسی دقت عظیم نہوگی جیسی اس کے موقوف کر دینے میں ہوگی۔ اس تقدیر پر شاید یہ تدبیر آخر الامر کرنی پڑگی کہ وہ امر اجمور دنی خطابات رکھتے ہیں بذریعہ اپنے قائم مقاموں کے نہ اپنی ذات خاص سے اس حکم میں حاضر ہو اور کہیں یہی قاعدہ اسکاٹ لینڈ اور آیر لینڈ کے امرے ذوالخطاب کے باب میں جاری ہو چکا ہے اور جب آئندہ ایسے امر کی بہت کثرت ہو جائیگی تو یہی قاعدہ غالباً جاری کرنا پڑیگا۔ اگر میر صاحب کی تجویز جاری کر دی جائے

تو وہ امرے ذوالخطاب جو قائم مقامی کی حیثیت رکھتے ہیں صرف انہی فرقہ کے قائم مقام نہ باقی بچینگے جسکی کثرت امرے ذوالخطاب کے فرقہ میں ہے۔ مثلاً اگر دس دس امرے ذوالخطاب کا ایک قائم مقام منظور کیا جائے تو اُنکے کردہ کے کوئی دس آدمی اپنا ایک قائم مقام منتخب کر سکتے ہیں اور اُنکو اختیار ہوگا کہ اس مقصد کے لیے حسب طرح چاہیں اپنی ٹولیاں باندھ لیں۔ انتخاب اس ترکیب سے عمل میں آسکتا ہے کہ وہ امرے ذوالخطاب جو اپنے فرقہ کی قائم مقامی کے امیدوار ہوں اپنے اس ارادہ کا اعلان کریں اور اپنے نام ایک فہرست میں لکھ دیں۔ ایک دن اور مقام معین پر وہ امر جو ووٹ دینا چاہتے ہیں اصالتاً یا وکالتاً جیسا پارلیمنٹ میں ہوتا ہے حاضر ہوں اور ووٹ دے جائیں اور ہر ایک امیر ذوالخطاب صرف ایک شخص کے لیے ووٹ دے اور جس امیدوار کو دس ووٹ تک ملجائیں وہ منتخب شدہ قرار دیا جائے۔ اگر کسی شخص کو دس سے زیادہ ووٹ ملیں تو سوائے دس آدمیوں کے اور سب لوگ اپنے ووٹوں کو واپس کر لیں یا انہیں سے دس آدمیوں کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کے کیا جائے ان دس آدمیوں کی کمیٹی اُسکو انتخاب کرے اور باقی لوگوں نے جو اُسکے انتخاب پر ووٹ دیا ہے اُنکو اختیار دیا جائے کہ اپنے ووٹوں کو کسی اور امیدوار کے لیے از سر نو دین۔ یہی کارروائی برابر کچھ اے یہاں تک کہ ہر ایک امیر ذوالخطاب جو وہاں اصالتاً یا نیابتاً موجود ہو اُسکا ایک قائم مقام مقرر ہو جائے جب سے کم آدمی باقی رہ جائیں تو اگر پانچ تک ہوں تب بھی اُنکو اجازت دیجائے کہ باہم اتفاق کر کے کسی کو اپنا قائم مقام بنالیں۔ اگر پانچ سے کم ہوں تو اُنکے ووٹ

بیکار سمجھے جائیں یا انکو اجازت دیجائے کہ اپنے ووٹ کسی اور شخص کے موافق دیں جبکہ انتخاب ہو چکا ہو۔ باستثنا ان فتنے حید کے ہر ایک امیر و الخطاب جو قائم مقامی کی حیثیت رکھتا ہے اپنے فرقے کے ان دس آدمیوں کا قائم مقام ہوگا جنہوں نے اُسکے موافق صرف ووٹ ہی نہیں دیا ہے بلکہ بہت سے امیدواروں میں سے اُسکو جھانٹ کر اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے۔ جو امر اے ذوالخطاب اپنے فرقے کے قائم مقام نہ منتخب کیے جائیں اُنسے اسکی مکافات یہ کی جائے کہ ہوس آف کائنات میں بھرتی کے قابل سمجھے جائیں۔ یہ ایک بیان انصافی امر ہے جس سے اسکاٹ لینڈ کے امر اے ذوالخطاب اور آئر لینڈ کے امر اے ذوالخطاب اپنے خاص ملک میں بغیر محروم رکھے گئے ہیں اسبطرہ یہ ہے کہ سوا اے اُس فریق کے جبکی کثرت امر اے ذوالخطاب کے فرقہ میں ہے اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ دونوں کے امر اے ~~سکاٹ لینڈ~~ لارڈس میں قائم مقامی کے حق سے محروم رکھے گئے ہیں۔

جو طریقہ ایسی سینٹ یعنی کونسل کو مرکب کرنے کا سابق میں بیان کیا گیا وہ صرف فی نفسہ سبک عمدہ نہیں ہے بلکہ اُنکی تائید میں تاریخی نظیر اور نمایان کامیابی بھی موجود ہے۔ مگر صرف ایک ہی عمل پذیر تجویز نہیں ہے بلکہ ایک اور طریقہ بھی دوسرے محکمہ کو قائم کرنے کا ممکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ دوسرے محکمہ کے ممبروں کو پہلے محکمہ کے ممبر منتخب کیا کریں مگر یہ شرط کر لی جائے کہ آخر الذکر ممبر اپنے زمرہ سے کسی کو دوسرے محکمہ کے لیے نامزد نہ کریں یہی کونسل کی نسبت جوامو کا کے سینیٹ کے مانند عوام پسند سے مقرر ہوگی یہ نہ تھا جائیگا کہ سلطنت جمہوری کے لوازم کے خلاف ہے۔

بلکہ غالباً جمہور میں اُسکو بڑا رسوخ حاصل ہو جائیگا۔ اور اُسکے ممبروں کو نامزد کرنے کا ایسا طریقہ رکھا گیا ہے کہ یہ گمان نہیں ہے کہ محکمہ عوام اُسپر رشک حسد کریگا یا اُسکی مخالفت پر آمادہ ہوگا علاوہ اسکے دوسرے محکمہ کی ترکیب بہت عمدہ ہوگی (بشرطیکہ فریق قلیل کی قائم مقامی کا قاعدہ مقرر کر دیا جائے) اور اُس میں اعلیٰ لیاقت کے اُس قسم کے لوگ شریک ہونگے جو سودا اتفاق سے یا محض ناپیشی ادھارت کے ہونے کی وجہ سے عوام کے ووٹ حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے یا انکو حاصل نہ کر سکے۔

دوسرے محکمہ کی سب سے زیادہ ترکیب یہ ہے جس میں سب سے زیادہ تعداد اُن ارکان کی ہو جو فریق کثیر کے فریقی اغراض اور تعصبات سے بری ہوں مگر خود اُن میں کوئی ایسی صفت نہ ہو جو عوام کو نا پسند ہو۔ لیکن میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ کسی قسم کے دوسرے محکمہ پر یہ بھروسہ نہیں ہو سکتا کہ فریق کثیر کے غلبہ کو معتدل رکھیں گے۔ بچا جی گورنمنٹ کی حیثیت محکمہ عوام کی ترکیب سے قائم ہوتی ہے اور اس مسئلہ کے مقابل میں اور سب مسائل متعلقہ اقسام گورنمنٹ ہیچ اور ناجیز ہیں۔ فقط

## چودھوان باب

بچا جی گورنمنٹ کے عاملانہ شعبہ کے بیان میں

اس سال میں اس مسئلہ پر بحث کرنا بے موقع ہے کہ گورنمنٹ کا عاملانہ کام کتنے صیغوں یا شعبوں میں تقسیم ہو سکتا ہے اس مقدمہ میں مختلف گورنمنٹوں کو مختلف ضرورتیں رہتی ہیں۔ اور اس بات کا بہت کم گمان ہے کہ گورنمنٹ کے کاموں کی تقسیم

بڑی غلطی ہوگی اگر لوگ کام دہان سے شروع کریں جہاں سے شروع کرنا چاہیے  
 اور ان اتفاقات کا پابند اپنے ٹیلن نہ سمجھیں جبکہ وجہ سے ایسی قدیم گونڈ میں  
 جیسی ہمارے ملک کی ہے سلطنت کے کاموں کی تقسیم موجودہ عمل میں  
 آئی ہے۔ اننا بیان کرنا کافی ہے کہ اہلکاروں کی تفسیق کام کے اقسام کے  
 موافق کچھ اور ایسے متعدد دینے نہ مقرر کیے جائیں جنہیں سے ایک دوسرے کا  
 محتاج نہ ہو اور جنگو مجموعہ واحد کے مختلف حصوں کی نگرانی کرنی پڑے جیسی  
 کیفیت ہماری فوج کے انتظام کی چند مدت اُدھر تک تھی اور اب بھی کچھ ویسی ہی  
 کیفیت ہے جب وہ مقصد حاصل کرنا منظور ہے واحد ہو جیسے مثلاً  
 ایک عمدہ اور کارگر فوج کا ہونا تو اس کے انتظام کے لیے بھی ایک ہی  
 حاکم کو مقرر کرنا چاہیے۔ ایک مقصد کے حصول کے جتنے ذریعے مہیا کیے جائیں  
 وہ سب میں جٹ المجموع ایک ہی شخص کے اختیار اور ذمہ داری میں ہوں  
 کیونکہ اگر وہ ذریعے چند دوسرے کام میں تقسیم کر دیے جائینگے تو ہر ایک حاکم اپنے  
 نزدیک انکو اغراض سمجھنے لگیگا وسائل نہ سمجھیکا اور سوائے اس شخص کے جو گونڈ کا  
 افسر اعلیٰ ہے اور جو غالباً ہر ایک صیغہ کا تجربہ کامل نہیں رکھتا ہے اور کسی کا یہ کام  
 نہیں ہے کہ غرض اہلی کا خیال رکھے کسی عام مضمون کی پابندی سے مختلف قسم کے  
 وسائل جمع نہیں کیے جلتے نہ انہیں باہمی مناسبت پیدا کی جاتی ہے اور  
 چونکہ ہر ایک صیغہ اپنی ہی خاص ضرورتوں کو پشش کرتا ہے اور مضمون کی  
 ضرورتوں کا خیال نہیں کرتا لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام تو خوب چلا جاتا ہے  
 مگر اس کام کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

عام اصول یہ ہے کہ ہر ایک علامہ کام کو خواہ وہ اعلیٰ درجہ کا ہو خواہ ادنیٰ قسم کا کسی خاص شخص سے بطور اُسکے فرض معین کے متعلق کر دینا چاہیے تاکہ ساسی مینا پراضع ہو جائے کہ کون شخص سب کام کرتا ہے اور کس کے قصور سے کوئی کام پڑا رہ گیا ہے۔ جب کوئی شخص یہ نہیں جانتا ہے کہ ذمہ دار کون ہے تو ذمہ داری کوئی چیز ہی نہیں رہتی ہے اور جب ذمہ داری واقعی ہوتی ہے تو تقسیم ہونے سے ضرور ضعیف ہو جاتی ہے۔ ذمہ داری کو اعلیٰ درجہ پر رکھنے کے لیے ضرور ہے کہ ایک ہی شخص ذمہ دار کیا جائے تاکہ اگر کام اچھی طرح سے ہو تو وہی ساری تعریف کا مستحق ہو اور اگر کام بُرے طور سے ہو تو بھی سارا الزام اُسی کے سر پہ تھاہم ذمہ داری کو تقسیم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقے سے تو ذمہ داری ضعیف ہو جاتی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ ایک ہی کام میں ایک سے زیادہ اہلکاروں کے اتفاق رائے کی ضرورت ہو جب متعدد اشخاص سے ذمہ داری منسلک کی جائے تو ان میں سے ہر ایک فی الواقع ذمہ دار رہتا ہے اور اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہ غلطی نہیں کی ہے کیونکہ وہ اس غلطی میں ویسا ہی شریک ہے جیسا کوئی آدمی کسی جرم میں شریک ہے اگر کوئی قانونی جرم اُسے سرزد ہو تو ان سب کو قانونی سزا مل سکتی ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو سزا انکو دیا جائے اُس سزا سے کم ہو جو صرف ایک ہی ذمہ دار آدمی کو دی جاتی مگر اُسے کی سزا اور جزا دونوں کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ یہ سزا اور جزا تقسیم ہونے سے ہمیشہ کم ہو جاتی ہے۔ جب کوئی محدود قانونی جرم نہ صادر ہوا ہو اور نہ ثبوت ستانی یا نظم کا گمان ہو بلکہ صرف خطا یا سو کے قبیل سے کوئی فعل ہو گیا ہو تو ہر ایک شریک اپنے نفس سے

اور دنیا سے یہ عزیز کرنا ہے کہ میرے ساتھ اور لوگ بھی تو اس میں شریک ہیں مگر کی چیز  
یہاں تک کہ امانت میں خیانت کرنی بھی ایسی چیز نہیں ہے جس سے لوگ اپنے تئیں  
محض بگناہ ٹھہرائیں اگر وہ اشخاص جنکا فرض اس فعل کو روکنا یا اسکی شکایت  
کرنا ہے نہ اسکو روکیں اور نہ اسکی شکایت کریں اور اگر وہ اسکو باضابطہ طور سے  
منظور کر لیں تو اور زیادہ غضب ہے۔

اس صورت میں اگرچہ ذمہ داری کمزور ہو جاتی ہے مگر بالکل فنانہ نہیں  
ہو جاتی کیونکہ ہر ایک شریک اپنی حیثیت شخصی سے اس فعل میں شریک رہا ہے  
اور اسکو منظور کر چکا ہے۔ خرابی اسوقت زیادہ ہوتی ہے جب خود وہ فعل صرف ایک  
فرد کی کثیر کا فعل ہو مثلاً کوئی پور ڈوکی بات پر دروازہ بند کر کے بحث کرے اور کسی  
شخص کو یہ معلوم ہو کہ آیا فلان ممبر نے فلان فعل کے موافق یا مخالف ووٹ دیا ہے  
اس صورت میں ذمہ داری فقط برائے نام ہے بمقام صاحب کیا خوب فرمایا ہے  
کہ پور ڈو مانڈ پر دو حق کے ہیں اور پور ڈو جو کام کرے وہ کسی کا کام نہیں ہے اور  
اسکا محاسب کسی سے نہیں لیا جاتا اور اگر بدنامی بھی ہوتی ہے تو من حیث المجموع  
سارے پور ڈو کی ہوتی ہے اسلئے ممبر فرداً فرداً اسکو اپنی بدنامی صرف اسی قدر  
سمجھتے ہیں جب قدر اپنے ساتھیوں کی بدنامی کو اپنی بدنامی جانتے ہیں یہ خیال  
اسوقت بہت قوی ہوتا ہے جبکہ پور ڈو ایک مستقل حیثیت رکھتا ہو اور جبکہ اسکا  
ہر ایک ممبر اسکی بھلائی بڑائی میں اپنے تئیں شریک سمجھے مگر فی زمانہ سراسر کاری  
محہودن میں تغیر و تبدل ایسا متواتر ہوا کرتا ہے کہ اتنی مہلت ہی نہیں ملتی ہے  
کہ ایسا خیال پیدا ہو سکے اور اگر یہ خیال ہے تو ماتحتوں میں جو گناہ ہوتے ہیں

لہذا پورٹو عالم نہ کام کے لائق نہیں ہیں اور اُنہی عالم نہ کام لینا صرف اُس صورت میں جائز ہے جبکہ ایک ہی وزیر کو پورا اختیار دے دیا اور سارا کام اسی کی ریلے پر چھوڑ دیا دیگر وجہ سے اس سے بھی بدتر ہو کہ وہ کام پورٹو کے سپرد کیا جائے۔

برخلاف اُنکے یہ بھی تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مشیران سلطنت کے زیادہ ہونے میں سرسری حرکت اور مصلحت ہے جب آدمی صرف اپنی ذاتی وقیفیت چل کر رہتا ہے یا ایک آدمی مشیر سے بھی مشورہ لیتا ہے تو اُنکی ریلے اُنکے ذاتی معاملات میں بھی کمتر صحیح نکلتی ہے چہ جائیکہ معاملات سلطنت میں۔ اس اصول اور دوسرے اصول میں کچھ منافات نہیں ہے۔ یہ امر آسان ہے کہ ایک شخص کو اختیار کامل اور پوری ذمہ داری دے دیجائے اور عندا ضرورت اُنکے لیے مشیر مقرر کر دے جائیں اور ہر ایک مشیر جو ریلے اُنکا ذمہ دار رہے۔

عموماً عالم نہ گورنٹ کے ہر ایک صنیعہ کا افسر اعلیٰ جو شخص ہوتا ہے وہ شخص سیاست دان ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اچھا سیاست دان اور لائق آدمی ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو گورنٹ خراب ہوتی ہے۔ مگر اُنکی عام لیاقت اور ملک کی عام اغراض سے جو واقفیت اُنکو ہونی چاہیے یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ اُنکے ساتھ ہی وہ کافی اور خاص علم اُس صنیعہ کا بھی رکھتا ہو جس کا افسر اعلیٰ وہ مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ وہ انخاص اُنکے مشیر قرار دیئے جائیں جو اُس صنیعہ کے حالات سے خاص واقفیت رکھتے ہوں۔ جب اور تجربہ اور لیاقت علمی کافی ہو اور جب صفتیں جو مشیر خاص میں ہونی چاہئیں ایک ہی چیدہ آدمی میں جمع ہوں جیسے مثلاً مشیر قانونی ہے تو اُس صورت میں ایک ہی ایسا شخص عام مصلحت کے لیے



اور چند کلارک ایسیہ کہ اسکو جزئیات سے واقف کرنے رہیں کافی ہیں۔ مگر اکثر  
 کافی نہیں ہوتا ہے کہ وزیر صرف ایک لائق آدمی سے مشورہ کر لیا کرے اور جب  
 نو کسی مضمون سے واقف نہ تو اس شخص کی رائے پر بلا عدل کرے اسکو یہ ضرورت  
 ہوتی ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات مختلف رایوں کو سُن لیا کرے اور شیروں  
 صلاح کاروں کی ایک کمیٹی میں بحث کر کے ہر امر سے واقفیت حاصل کرے۔  
 مثلاً اسکی ضرورت فوجی اور جہازی معاملات میں بہت ہوتی ہے۔ لہذا ضرور ہے  
 کہ فوج بری اور فوج بحری کے تنظیم و زیر دہ کے اور اور وزراء کے لیے بھی  
 ایک کونسل مقرر کیا جائے جسکے ممبر لائق اور تجربہ کار اور واقفکار ہوں اور یہ ممبران  
 کونسل مستقل طور سے مقرر کیے جائیں اور ہر ایک تبدیل شدہ وزارت میں عہدے  
 عہدہ آدمی اس مقصد کے لیے مل سکیں مستقل مقرر ہونے سے میری مراد یہ ہے  
 کہ ایسے یہ موقع نہ مل جائے کہ منتظمان فوج بحری کی طرح وہی اُن وزراء کے ساتھ  
 استغفار دے دینگے جنہوں نے اُنکو مقرر کیا ہے۔ مگر یہ قاعدہ عہدہ ہے کہ جو لوگ  
 بڑے بڑے عہدوں تک بذریعہ انتظامیہ پہنچ گئے ہوں معمولی ترقی کے ذریعے  
 سے پہنچے ہوں وہ اپنے عہدوں پر ایک مدت معینہ تک رہنے پائیں الا اس  
 صورت میں کہ اُنکا تقرر از سر نو عمل میں آئے۔ اس قاعدہ سے یہ فائدہ ہے  
 کہ عہدے فوری کارروائی سے کمتر ہاتھ آتے ہیں اور جن نالائقوں کو رکھنا  
 فضول ہے وہ نکال دیے جاتے ہیں اور اُنکا نکلنا کسی کو ناگوار بھی نہیں ہوتا اور انکی  
 جگہ پر بڑے بڑے لائق اور نوجوان آدمی مقرر ہوتے ہیں اور اگر یہ انتظار  
 کیا جائے کہ جب کوئی مر جائے یا استغفار دے تب وہ اُسکے خالی عہدہ پر مقرر

کیے جائیں تو ان بچاروں کے نفذ کی نوبت شاید کبھی نہ آئیگی۔

یہ کونسلین صرف مشورہ دیا کریں اور فیصلہ آخری خود وزیر کی رائے پر موقوف رہے اور کسی کی رائے کو انہیں دخل نہ ہو۔ مگر یہ کونسلین لاشی شخص بھی نہیں نہ وہ خود اپنے تئیں ایسا سمجھیں کہ جب وزیر کا جی چاہے ہکو لاشی محض کر سکتا ہے جو وزیر زبردست اور خود سر ہوا اسکے مشیر ایسے شرائط کے ساتھ مقرر کیے جائیں کہ مشیرون کو اپنی رائے کے انہماک سے باز رہنا غیر ممکن ہو اور وزیر کو انکی رائے کا نہ سننا اور انکی سفارشوں پر غور نہ کرنا عام اس بات سے کہ انکو قبول و منظور کرے یا نہ کرے ناممکن ہو اور اگر وزیر یا اسکے مشیر ایسا کریں تو دونوں کو اپنی بدنامی کا خوف ہو۔ جو تعلق افسر علی میں اور اس قسم کے مشیرون میں ہونا چاہیے وہ ہندوستان کے گورنر جنرل اور گورنروں کی کونسلوں کی ترکیب سے خوب ظاہر ہے۔ ان کونسلوں کے ممبر وہ اشخاص ہوتے ہیں جو ہندوستان کے مسائل کے ایک خاص واقفیت رکھتے ہیں مگر خود گورنر جنرل اور گورنر ایسی واقفیت نہیں رکھتے ہیں اور ایسی واقفکاری انکے لیے لازمی قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر ایک ممبر کونسل سے یہ توقع ہوتی ہے کہ ایک لے دیگا اور وہ رائے اکثر موافق ہی ہوتی ہے لکن اگر اختلاف رائے ہو تو ہر ایک ممبر کو اختیار ہے کہ اپنی رائے کے وجوہ علیحدہ تحریر کرے اور علحدہ آمد میں بھی ہمیشہ ہی ہوتا ہے اور گورنر جنرل یا گورنر بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ معمولی صورتوں میں فیصلہ اکثر رائے پر ہوتا ہے لہذا کونسل کی قرار واقعی شرکت گوڈنٹ میں رہتی ہے لکن گورنر جنرل یا گورنر کو اختیار ہے کہ اگر مناسب سمجھے تو ممبران کونسل کی متفق رائے کو

منسوخ کر کے اس منسوخی کی وجہ تحریر کرے نتیجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کا افسر علی گورنمنٹ کے ہر ایک فعل کا ذمہ دار بذات خود اور کامل طور سے ہے اور ممبران کونسل صرف مشورہ دینے کے ذمہ دار ہیں۔ مگر وہ کاغذات ہمیشہ پیش ہو سکتے ہیں اور جب پارلیمنٹ یا عام رائے طلب کرتی ہے اسی وقت پیش کر سکتے ہیں جسے ہمیشہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ممبر نے کیا مشورہ دیا ہے اور اپنی رائے کے کیا وجوہ بیان کیے ہیں اور اپنے منصب عالی کا خیال کر کے اور اسوجہ سے بھی کہ گورنمنٹ کی جملہ کارروائیوں میں ظاہر اشتراک رہتے ہیں ممبران کونسل گورنمنٹ کا کام ایسا دل لگا کے کرتے ہیں اور اُسکے ہر ایک جزو پر ایسا سمجھ بوجھ کر اُسے قائم اور ظاہر کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کی کل ذمہ داری اُنہیں سے متعلق ہے۔

اعلیٰ مد جس کے انتظامی کام کو انجام دینے کا یہ طریقہ ایک ایسی عمدہ مثال سائل اور اغراض کی مناسبت باہمی کی ہے کہ اس سے بہتر کوئی مثال اس لوٹیکل تاریخ میں نہیں پائی جاتی ہے جہن اس وقت تک ایسی صنعتیں اور اختراعات کثرت سے نہیں نظر آتے ہیں یہ ایک نعمت مغلذ ان نعمتوں کے ہے جو الیسٹ انڈیا کمپنی کی بدولت فرانس سیاست کو نصیب ہوئی ہیں اور اسی قسم کی اور علاقہ تدبیروں کی طرح جسے ہندوستان میں انگلستان کی حکومت قائم رہی ہے اور جسے اُس ملک پر ایسی خوبی اور خوش اسلوبی سے حکومت ہو رہی ہے جو وہاں کے حالات اور اسباب پر نظر کر کے فی الواقع حیرت انگیز ہے غالباً یہ تدبیر بھی اُس آگ میں جل کر خاک ہو جائیگی جو گورنمنٹ ہند کے روایات اور دستورات میں لگنے والی ہے کیونکہ ہندوستان کے انتظامات انگلستان کے جملہ اور مغرور ارباب سیاست کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ بالفعل غل مچا ہوا ہے کہ یہ کونسلین موقوف کردی جائیں کہ گورنمنٹ کے بیسوں پر یہ ایک فضول ردک ہے اور انہیں بیکار تیار و پیہ صرف ہوتا ہے اور مدت سے یہ بھی غل مچا ہوا ہے اور بڑے آدمی اسکی تائید کر رہے ہیں کہ وہ سول سروس موقوف کر دیجائے جسکے ممبران کونسلوں کے ارکان ہیں اور جسکے وجود پر انکی فائدہ مندی موقوف ہے۔

سلطنت جمہوری میں عہدہ گورنمنٹ کا ایک اصل اصول یہ بھی ہے کہ عمال اور نظام عام ووٹ کے ذریعہ سے نہ مقرر کیے جائیں یعنی نہ خود عطا کیا ووٹوں سے اور نہ انکے قائم مقاموں کے ووٹوں سے گورنمنٹ کا سارا کام ہنرمندی پر موقوف ہے اور اس کام کو کرنے کی لیاقتیں اس قسم خاص کی ہیں جنکا اندازہ صرف وہی اشخاص کر سکتے ہیں جنہیں خود وہ لیاقتیں پائی جاتی ہیں یا جو انکا کچھ علی تجربہ رکھتے ہیں۔ سرکاری عہدوں کیلئے سب سے لائق آدمیوں کو تلاش کرنا بڑا مشقت طلب کام ہے اور اس کام کیلئے بڑی نازک خیالی اور ایمان داری درکار ہے۔ اور اس سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ سب سے اچھا امیدوار جو ہو منتخب کر لیا جائے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ بہتر سے بہتر آدمی تلاش کیا جائے اور جو لائق اشخاص ملتے جائیں انکا خیال رکھا جائے تاکہ جب انکی ضرورت ہو فوراً مل سکیں۔ مگر کوئی سرکاری کام ایسا نہیں ہے جو عموماً ایسے خراب طریقہ سے انجام دیا جاتا ہے اور نہ کوئی سرکاری کام ایسا ہے جس میں جہان تک ممکن ہو ذاتی ذمہ داری لازم گردانی جائے اور سب بیٹوں کے انصران اعلیٰ پر یہ کام ایک خاص فرض منصبی قرار دیا جائے اور وہ

افسران ماتحت جو کسی عام امتحان مقابلہ کے ذریعہ سے نہیں مقرر کیے جاتے ہیں اس وزیر کی سرکاری ذمہ داری سے مقرر کیے جائیں جبکہ ماتحتی میں وہ کام کرتے ہیں وزیر اعظم کے سوا اے اور سب وزراء کو وزیر اعظم خواہ مخواہ منتخب کر سکتا اور وزیر اعظم کو اگرچہ پارلیمنٹ نامزد کرتی ہے مگر شاہی گورنمنٹ میں اسکا باضابطہ تقریر بادشاہ وقت کی جانب سے عمل میں آنا چاہیے جو عہدہ دار اپنے ماتحتوں کو مقرر کرے صرف اسی کو یہ اختیار دیا جائے کہ جو ماتحت برطانی کا مستوجب ہوا اسکو برطانت کرے اور اکثر ماتحتوں کو برطانت نہ کرنا چاہیے الابد اعلیٰ کی علت میں۔ کیونکہ یہ امید کرنا فضول ہے کہ وہ گروہ جس سے کل کاروبار سلطنت کی جزئیات کا انصرام متعلق ہے اور جسکی لیاقتوں کی ضرورت خاص و عام کو وزیر کی لیاقتوں سے زیادہ ہے اپنے پیشہ میں مصروف ہوگا اور وہ علم و ہنر حاصل کر سکتا جسپر خود وزیر کو اکثر پورا بھروسہ کرنا پڑتا ہے اگر وزیر کے امکان میں یہ بات ہو کہ اپنی طبیعت کو خوش کرنے کے لیے یا اپنا پوٹیکل و قاربڑھانے کے لیے اپنے جس ماتحت کو جسوقت چاہے بے قصور موقوف کر کے دوسرے شخص کو اس کے مقام پر مقرر کر دے۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ آیا سلطنت جمہوری میں علانہ شعبہ کے افسران یعنی وزیر اعظم کو اس اصول سے مستثنیٰ کرنا چاہیے جبکہ بموجب افسران انتظامی کو انتخاب عام کے ذریعہ سے مقرر کرنا معیوب اور ممنوع ہے؟ آیا یہ قاعدہ جو امریکا میں جاری ہے اچھا ہے کہ چار چار برس کے بعد پریسیڈنٹ کو اس ملک کے کل باشندے منتخب کرتے ہیں؟ یہ سوال وقت سے خالی نہیں ہے۔ امریکا جیسے ملک میں اس قاعدہ سے بیشک کچھ فائدہ ہے کیونکہ وہاں کچھ اندیشہ

اس بات کا نہیں ہے کہ وزیر اعظم آئین سیاست کی رو سے مجلس قانونی سے بے نیاز کر دیا جائے اور گورنمنٹ کے دونوں شعبے یعنی قانون ساز اور انتظامی درہل اور اپنی اپنی ذمہ داری کے لحاظ سے عوام کی مرضی پر موقوف رہیں اور پھر ایک شعبہ دوسرے پر ایک مؤثر روک ہے۔ یہ تدبیر اس لیے کی گئی ہے کہ اختیارات حکومت کا انبار کا انبار ایک ہی گروہ کے ہاتھ میں نہ آجائے اور یہ ایک خاص صفت اس طرز سلطنت کی ہے جو ممالک متحدہ امریکا میں جاری ہے۔ مگر اس صورت میں جتنا فائدہ سمجھا گیا ہے اتنا نفس الامر میں نہیں ہے۔ اس سے بترتویہ ہے کہ سلطنت جمہوریتیں حاکم اعلیٰ کو قائم مقامان قوم کی کمیٹی صریحاً مقرر کرے جس طرح سلطنت شخصی بقاعدہ میں اُسکو وہی کمیٹی ضمناً مقرر کرتی ہے۔ اول تو جو شخص اس طور سے پریسیڈنٹ مقرر کیا جائے وہ یقیناً زیادہ تر لائق آدمی ہوگا اور جس فریق کی کثرت پارلیمنٹ میں ہے اکثر اوقات وہ اپنے ہی پیشوا کو وزیر اعظم مقرر کرے گا اور جو شخص اس باب سیاست میں سب سے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اکثر وہی پیشوا ہوتا ہے۔ لیکن برخلاف اسکے جب سے بائیان سلطنت جمہوری ممالک متحدہ امریکا کا آخری یادگار نظرون سے غائب ہو گیا اُس وقت سے مالک مذکورہ کا پریسیڈنٹ یا تو کوئی گمنام آدمی ہوتا ہے یا وہ شخص ہوتا ہے جسے اگر شہرت حاصل کی ہے تو اور فنون میں حاصل کی ہے فن سیاست میں نہیں حاصل کی ہے۔ اور یہ کیفیت اتفاقی نہیں ہے بلکہ اُس ملک کی حالت کا مقتضی طبعی ہی ہے جب کوئی انتخاب عام سارے ملک پر حاوی ہو تو امیدواران انتخاب میں کئی قسم کے نامی و گرامی آدمی کمتر میراتے ہیں۔ کیونکہ سب سے مشہور آدمی لوگوں کو اپنا دشمن بنا دیتے ہیں یا کوئی ایسا فعل کرنے میں یا کوئی ایسی رائے ظاہر

کرتے ہیں جو کسی مقام خاص کے باشندوں کو یا قوم کے کسی بڑے حصہ کو ناگوار ہوتی ہے اور جب کامنٹ مضر اثر و وٹون کی تعداد پر ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص کے حالات ماضیہ کوئی بھی نہیں جانتا ہاں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ کسی فریق کا کلمہ گو ہے اُس فریق کے لوگ ہلکا اسکے موافق اپنے ووٹ دیتے ہیں۔ ممالک متحدہ کے پریسیڈنٹ کے انتخاب میں دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ دو انتخابوں کے مابین کوئی سکون کا زمانہ نہیں ہے۔ یعنی جب گورنمنٹ کے افسر اعلیٰ کا تقرر چار چار برس کے بعد عوام کے ووٹ سے ہوتا ہے تو یہ ساری چار برس کی مدت دو ادویشن میں گزر جاتی ہے اور خود پریسیڈنٹ اور وزراء اور پولیٹیکل فریقوں کے پیشوا اور اُن کے پیرو یہ سب سب انتخاب جدید کے لیے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں اور ساری قوم کی توجہ صرف جزئیات پر رہتی ہے اور ہر ایک پولیٹیکل مسئلہ کی روداد پر کتر بحث اور فیصلہ کیا جاتا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ پریسیڈنٹ کے انتخاب سے ہلکوبیا تعلق ہے اگر کوئی ایسا قاعدہ ایجاد کیا جاتا جس سے فریقی جنبہ آری جملہ معاملات سلطنت کی کارروائی کا اصل اصول ہو جاتا اور جس سے لوگوں کو اس بات کا شوق پیدا ہوتا کہ ہر ایک مسئلہ کو نہ صرف ایک فریقی مسئلہ نہادیت بلکہ نئے نئے مسائل اس غرض سے بنا لیتے کہ انکی بنیاد یہ پولیٹیکل فریق قائم کیے جائیں تو جو طریقہ امریکامین جاری ہے اُس سے بہتر کوئی ذریعہ اس مقصد کے حصول کا پیدا کرنا مشکل ہوتا۔

یہ تو میں نہیں کہتا کہ جملہ اوقات اور کل مقامات پر ہی مناسب گورنمنٹ کے عاملانہ شعبہ کا افسر اعلیٰ کیسی قائم مقامان قوم (پارلیمنٹ) کے ووٹوں کا ایسا محتاج ہو جیسا انگلستان کا وزیر اعظم ہے اور اس سے کوئی دقت یا خرابی نہیں ہے۔

لازم آتی ہے۔ اگر اس خرابی سے بچنا اولیٰ و انسب خیال کیا جائے تو اگرچہ وزیر عظم کو پارلیمنٹ نے معزول کیا ہوتا ہم ممکن ہے کہ ایک مدت معینہ تک وہ اپنے عہدہ پر پارلیمنٹ کے ووٹ کے بغیر قائم رہے اور یہی قاعدہ امریکا میں جاری ہے صرف فرق اتنا ہے کہ وہاں انتخاب عام سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک اور طریقہ بھی ایسا ہے جس سے گورنمنٹ کے افسر اعلیٰ کو مجلس قانونی (پارلیمنٹ) سے مستقر بے نیازی حاصل ہو سکتی ہے جو آزاد گورنمنٹ کے لوازم ضروریہ کے خلاف نہ ہو۔ انگلینڈ کے وزیر عظم کو عملیاً یہ اختیار حاصل ہے کہ پارلیمنٹ کو شکست کر کے قوم سے رجوع کرے۔ اگر یہی اختیار امریکا کے پریسیڈنٹ کو دے دیا جائے تو اسکو پارلیمنٹ کے ووٹ پر غیر واجب بھروسہ بھی نہ کرنا پڑے۔ یعنی اگر بعض اسکے مخالفت ووٹ کے ذریعہ سے وہ اپنے عہدہ سے معزول ہو جاتا ہے اسکو در صورت مخالفت ووٹ کی دو شکون میں سے ایک شق اختیار کرنی پڑے۔ یا تو وزارت سے استعفا لے یا پارلیمنٹ کو شکست کرے تو پارلیمنٹ کے ووٹ کا اتنا محتاج نہ رہے اور پارلیمنٹ کو شکست کرنے کا اختیار ایسا ہے جو میرے نزدیک وزیر عظم کو اس قاعدہ سے بھی حاصل رہنا چاہیے جس سے وہ خود اپنے عہدہ پر مدت معینہ تک رہتا ہے۔ لازم یہ ہے کہ اس امر کا امکان بھی نہ باقی رہے کہ پریسیڈنٹ اور مجلس قانونی کوئی جھگڑا ہوا اور چند سال تک انہیں سے کسی کو کوئی قانونی ذریعہ اپنے حریف کو نکال دینے کا نہ ملے اور اس جھگڑے سے کاروبار سلطنت میں اتہری اور حسد لابی واقع ہو۔ اس چند سال کی مدت کا گذر جانا بے اسکے کہ طرفین ایک دوسرے پر باد و نون کیسا رنگی حملہ کریں اس پر موقوف ہے کہ آزادی کی محبت کے



ساتھ نفس کشی کی عادت جمع ہو اور یہ یقین ہو وقت تک تو بہت کم قوموں میں پائی گئی ہیں۔ اور اگرچہ بھانٹاک تو بہت پہونچے تو بھی یہ امید کرنا کہ یہ دونوں حاکم ایک دوسرے کی کارروائی کو باطل اور بیکار نہ کر دینگے گویا یہ سمجھ لینا ہے کہ اس ملک کے ارباب سیاست میں باہم عفو و درگزر اور صلح پسندی کی خصلت ہمیشہ باقی رہیگی اور نہایت شدید فریبی جسگزوں سے بھی اُسین خلل نہ پڑے گا۔ ممکن ہے کہ ایسی خصلت موجود ہو مگر جہاں یہ موجود ہے وہاں بھی اس پر زیادہ زور ڈالنا خلاف عقل ہے۔

اور وجہ سے بھی مناسب ہے کہ کسی ذی اختیار حاکم کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ بذاتی پارلیمنٹ کو شکست کر کے نئی پارلیمنٹ قائم کرے۔ جب یہ امر شکوک ہو کہ دو مخالفت فریقوں میں سے کس فریق کی طرف لوگوں کی زیادہ کثرت ہے تو ضرور ہے کہ کوئی باقاعدہ ذرا یہ اس امر کو فوراً جانچ کر تصفیہ کرنے کا موجود رہے۔ جب تک یہ امر متعین نہ ہو جائے اس وقت تک یہ گمان نہیں ہے کہ اور کسی پولیٹیکل مضمون پر توجہ کی جائیگی اور یہ بے اعتنائی کا زمانہ قانونی اور انتظامی اصلاح کے لیے گویا طوائف الملوکی اور نبطی کا زمانہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی فریق بھی اپنی طاقت پر اتنا بھروسہ نہیں رکھتا ہے کہ اُن امور کی کوشش کرے جن میں اُن لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہو جو اُس جھگڑے میں ہو رہا ہے صریحاً یا ضمناً کچھ دخل رکھتے ہیں۔

میں نے اُس صورت کو نہیں بیان کیا ہے جہاں اُن اختیارات وسیع کے

باعث جو حاکم اعلیٰ یعنی وزیر اعظم کو دیے گئے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ عوام انسان

آزاد آئین سیاست سے بخوبی نا افسوس نہیں ہیں اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ حاکم مذکور سلطنت کو منقلب کر کے اختیارات شاہی کو غصب کر لیا۔ جب یہ خوف ہو تو ایسا کوئی حاکم اعلیٰ نہ منظور کیا جائے جسکو پارلیمنٹ ایک ہی ووٹ کے ذریعہ معزول کر کے خازن نشین نہ بنا سکے۔ جہاں یہ کیفیت ہو جس سے کسی کو اس خیانت مجرا پر جسارت پیدا ہو جو سب سے زیادہ بے حیائی اور شرارت پر دلالت کرتی ہے وہاں پارلیمنٹ کی مداخلت تاہم بھی ملک کی حفاظت کے لیے کافی نہیں ہے۔

تمام عہدہ داران گورنمنٹ میں سے حکام جو ڈیشل وہ لوگ ہیں جنکے تقرر میں عوام کے ووٹ کو دخل دینا نہایت مضر ہے۔ جب کسی قسم کے عہدہ داران گورنمنٹ ایسے نہیں ہیں جنکے خاص پیشہ کی لیاقتوں کا اندازہ کرنے کی لیاقت عوام اس سے کمتر رکھتے ہیں جتنے حکام جو ڈیشل کی قابلیت کا اندازہ کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں تو ایسے عہدہ داران گورنمنٹ بھی نہیں ہیں جسکو جنبہ داری سے بالکل بری ہوتا اور اہل سیاست یا اُنکے فریقوں سے کوئی تعلق مطلقاً نہ رکھنا ایسا لازم ہو جیسا جو ڈیشل حکام کو ہے بعض محققین کی (جنہیں سے ایک مہتمم صاحب ہیں) یہ رائے ہے کہ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ججوں کا تقرر بذریعہ عوام کے ووٹ کے عمل میں لایا جائے تاہم جن اضلاع کے وہ جج ہیں اُنکے باشندوں کو یہ اختیار دینا چاہیے کہ کافی تجربہ کے بعد اُنکو برخاست کریں۔ اسکا انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی سرکاری عہدہ دار کا جنکے سپرد بڑے بڑے امور کیے گئے ہیں قابل برطرفی نہ ہونا فی نفسہ ایک خراب بات ہے اور ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ایک خراب یا نالائق جج کو دفع کرنے کا کوئی ذریعہ نہوالا اس بد اعمالی کی علت میں جسکی جوابدہی اُسکو عدالت فوجداری میں

کرنی پڑے اور وہ عمدہ دارحیہ عدالت کا بہت سا کام موقوف ہے اپنے دل میں  
 سمجھے کہ سوائے عام رائے اور اپنے ایمان کے اور کسی کا ذمہ دار اور جوابدہ نہیں  
 اگر بحث طلب امر ہے کہ جب حج کی خاص حالت کا لحاظ کیا جائے اور یہ فرض کیا جائے  
 کہ جہاں تک ممکن تھا کمال احتیاط اس بات میں کی گئی ہے کہ اسکا تقرر یا نذاری سے  
 عمل میں آئے تو آیانج کا چال چلن اسوجہ سے کمتر خراب نہیں ہو جاتا ہے  
 کہ سوائے اپنے نفس اور عام رائے کے اور کسی کا مؤاخذہ دار نہیں ہے یہ نسبت اسکو  
 کردہ گورنمنٹ یا عام ووٹ کا ذمہ دار کیا جائے۔ مدت کے تجربہ سے اس امر کا فیصلہ  
 جہاں تک گورنمنٹ کا ذمہ دار ہونا متعلق ہے بصدقہ اثبات ہوا ہے اور یہی قول بقبلس صورت میں  
 بھی صادق آتا ہے کہ جب انتخاب کنندوں کے ووٹوں کے ذریعے سے ذمہ داری  
 نافذ کرائی جائے سلیم الطبع اور ضعف مزاج ہونا حج کی خاص صفتیں ہیں مگر انتخاب کنندوں  
 کے اوصاف میں صفتیں نہیں شمار کی گئی ہیں۔ امور ملت میں عوام کے ووٹوں کی  
 مداخلت آزادی کو لازم ہے مگر اس مداخلت کے لیے صفتیں نہیں درکار ہیں عدل  
 و صفت ہے جس کی ضرورت سب بنیادی امور میں ہے اور انتخاب کنندوں میں بھی یہ  
 صفت ہونی ضرور ہے مگر کسی انتخاب عام کا فیصلہ عدل پر نہیں موقوف ہے۔  
 پارلیمنٹ کا منتخب کرنے کے لیے عدل و انصاف کی ایسی کم ضرورت ہے جیسی  
 اور کسی بنیادی معاملہ میں ہو سکتی ہے۔ انتخاب کنندوں کو کوئی ایسی چیز نہیں دینی  
 پڑتی ہے جسکا کوئی امیدوار انتخاب حق رکھتا ہے نہ انکو امیدواران انتخاب کی  
 عام بیانت کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ انہیں سے  
 کس شخص پر وہ ذاتی اعتبار رکھتے ہیں یا کون شخص انکے پولیٹیکل اعتقادات کو

نہایت عمدہ طور سے ظاہر کر سکتا ہے۔ سچ کو فرض ہے کہ اپنے پولیٹیکل دوست یا  
 اور کسی آشنا سے بعینہ وہی برتاؤ کرے جیسا اور لوگوں سے کرتا ہے لیکن اگر کوئی  
 انتخاب کنندہ ایسا کرے تو اسکی حماقت ہے اور اسنے اپنے فرض کے خلاف کیا۔  
 اس مقدمہ میں یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی ہے کہ عام رائے کا اخلاقی اثر حجون پر  
 اور اور عمدہ دارون پر مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ جب سچ جو ڈیشیل کے عہدہ کے لائق  
 ہوتا ہے تو اسکی کارروائیوں پر جس پسند کافی الواقع مفید اثر ہوتا ہے وہ عموماً  
 قوم کی رائے نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں کی رائے ہے جو اسکے افسال اور  
 اوصاف کا داعی اندازہ کر سکتے ہیں اور وہ لوگ اسکی عدالت کے بائسٹر  
 وغیرہ ہیں اس سے کوئی صاحب میرا مطلب یہ سمجھیں کہ عدالت کے نظام میں  
 خاص و عام کا شریک ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ اُنکی شرکت اس کام میں بھی ضرور  
 مگر کیونکر اور کس طریقہ سے؟ اس طریقے سے کہ جو ڈیشیل کے کام کے ایک جز کو بحیثیت  
 اہل جوری کے کیا کریں۔ یہ سمجھ اُن چند صورتوں کے ایک صورت ہے  
 جنہیں لوگوں کا خود امالاً کام کرنا اس سے بہتر ہے کہ وکالت یا قائم مقاموں کے  
 ذریعہ سے کام کریں۔ الا تقرباً ہی ایک صورت ایسی ہے جس میں صاحب حکومت  
 آدمی کی غلطیوں کو برداشت کرنا اس سے بہتر ہے کہ اُن نتائج کا تحمل کیا جائے  
 جو اسکو اُن غلطیوں کا ذمہ دار قرار دینے سے پیدا ہوں۔ اگر عام ووٹ کے  
 ذریعہ سے سچ کو برطرف کر دینا ممکن ہو جائے تو جو کوئی شخص اُسکے نکال دینے پر  
 آمادہ ہو وہ اُسکے سب فیصلوں کی خوب ہی چیخاڑ کر بگاڑ جائے گا اُسکے  
 امکان میں ہو گا اُن سب فیصلوں کا ایک بمقاعدہ اپیل اُس عام رائے کے

اجلاس میں پیش کریگا جو اسکی سماعت کی بالکل بیاقت نہیں رکھتی ہے خواہ اسوجہ سے کہ کسٹنے اس مقدمہ کی کیفیت نہیں سنی ہے خواہ اس سبب کہ اسکی کیفیت ٹینیسیہ ہے مگر وہ احتیاط اور وہ انصاف پسندی اور ناجنہ داری نہیں ہے جو جوڈیشل کی کارروائی کے لیے ضرور ہے اور وہ شخص عوام الناس کے غصہ اور تعصب کو جہان موجود پانیکا فروختہ کریگا اور جہان موجودہ پانیکا کو شش کر کے ہکوبدلا کرے گا اور اگر وہ مقدمہ دلچسپ ہو اور وہ شخص خوب محنت کرے تو اسمین ضرور کامیاب ہوگا الا اس صورت میں کہ جج اور اسکے احباب خود اکھاڑے میں کو دبیں اور دوسری طرف سے بھی اسی قوت کے ساتھ پیل یا کر اس ایل دائر کریں۔ جج کا قلعہ عام ہو جائیگا جب یہ خیال کریں گے کہ جب کوئی ایسا مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہو جسمین عوام زیادہ دلچسپی ہے اسکے فیصلہ سے ہماری برطرفی کا اندیشہ ہے پس ہکونھان پر نظر رکھنی کچھ ضرور نہیں ہے بلکہ ہکویہ دیکھنا لازم ہے کہ کیسے فیصلہ کی تعریف خاص و عام سب کریں گے یا کیسے فیصلہ کی ہجو و مذمت لوگ بہت کم کریں گے۔ بعض مالک متحدہ امریکا میں یہ قاعدہ جاری ہوا ہے کہ ایک سیاد معین کے بعد جوڈیشل حکام کا دو بار انتخاب عام ووٹوں کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ خطرناک کوئی غلطی کسی سلطنت جمہوری میں نہیں ہوئی مگر مالک مذکورہ کے باشندے عقل سلیم سے بالکل خالی نہیں ہیں اور سنا جاتا ہے کہ انکو اس غلطی پر متنبہ ہوتا جاتا ہے اور عنقریب اسکو دفع کریں گے ورنہ اس غلطی کو یہ سمجھنا کہ سلطنت جمہوریہ نزل کی یہ پہلی تدبیر ہے کچھ عجیب نہیں ہے۔

اھم عظیم انسان گروہ کی نسبت جسپر سرکاری خدمات کی وائی قوت کا وار دہا ہے

یعنی وہ افسران گورنمنٹ جو کئی تغیرات سے متغیر نہیں ہوتے ہیں بلکہ اپنے اپنے عہدوں پر باقی رہتے ہیں اور ہر ایک وزیر کی امداد اپنے تجربہ اور دستورات سے کرتے ہیں اور اپنی کارگزاری سے اسکو مطلع کرتے ہیں اور اسکی زیرنگرانی سرکاری کام کرتے ہیں المختصر وہ پیشہ ور ملازمان سرکاری جو فوجوانی میں سرکاری نوکری کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جائیں گے۔ اہم نسبت یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ کو بھی نکال دیے جائیں اور اپنی خدمات سائبہ کے پورے فائدہ سے محروم کیے جائیں الا اس صورت میں کہ انکی سخت بد اعمالی ثابت کر دی جائے۔ اُس جرم کی علت میں بھی انکو نکال دینا نہیں جائز ہے جسکا مؤاخذہ اُنسے قانوناً ہو سکتا ہے بلکہ اپنے فرض منصبی میں عہد غفلت کرنا یا کوئی ایسا فعل کرنا جس سے انکی بے اعتباری ان امور میں جو انکو تفویض کیے گئے ہیں ثابت ہو باعث انکی برطرفی کا ہو سکتا ہے۔ الغرض۔ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تا وقتیکہ وہ لوگ قابل سزا نہ قرار دیے جائیں اُنسے جینٹلمن کے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے بجز اسکے کہ انکو پنشن دیکر خاص و عام پر اُسکا بار ڈالا جائے تو پُر ضرور ہے کہ ابتدا ہی میں اچھے اچھے آدمی سرکاری عہدوں پر مقرر کیے جائیں۔ پس یہ امر غور طلب ہے کہ تقرر کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے یہ مقصد بہت اچھی طرح سے برائے۔

ابتداء سے تقررات کو عمل میں لانے میں مقرر کرنے والوں کی بے ہنری اور لاعلمی سے تو چندان اندیشہ نہیں ہے البتہ انکی جنبہ داری اور ذوق یا پولٹیکل غرضندی سے بڑا خوف ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ سرکاری عہدوں پر لوگ اچھے و شباب

مقرر کیے جانے میں نہ اس لیے کہ وہ اپنے پیشہ کے کام کو سیکھ چکے ہیں بلکہ اس غرض سے کہ وہ اس کام کو اس کی جگہ پر پس وہ چیز جس سے سب سے زیادہ لائق امیدواروں کی شناخت ہو سکتی ہے یہ ہے کہ وہ آزاد تعلیم کے معمولی شعبوں میں مکمل کر چکے ہیں اور اس بات کو دریافت کرنا کچھ مشکل نہیں ہے بشرطیکہ وہ لوگ جو اس امر کو تحقیق کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں بخوبی محنت کریں اور جانب داری کو دخل نہ دیں۔ کسی وزیر سے ان باتوں کی امید نہیں ہو سکتی کیونکہ وزیر کو بالکل سفاک رشون پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور گواہ کی ذاتی خواہشیں کیسی ہی بے لوث ہوں تاہم وہ ان اشخاص کی منت و ساجت سے کبھی نہیں بچ سکتا ہے جو غور دیکھنے کے انتخاب پر افرڈانے کی قدرت رکھتے ہیں یا جنکی پوٹیکل مشارکت کی ضرورت ان وزراء کو دیکھنے کے لیے ضروری ہے وہ وزیر ہیں جنہیں وجہ سے یہ دستور قرار دیا گیا ہے کہ ابتدائی عہدوں کے امیدواروں کا امتحان لیا جاتا ہے اور انکا امتحان وہ لوگ لیتے ہیں جو امور سیاست سے کچھ سروکار نہیں رکھتے ہیں اور انسی سم اور اسی صفت کے آدمی ہوتے ہیں جیسے یونیورسٹیوں میں آنر سس کی ڈگری کے مستحق ہوتے ہیں۔ غالباً یہ تدبیر قسم کی گورنمنٹ میں سب سے عمدہ ہے اور ہمارے ملک کی پارلیمنٹی گورنمنٹ میں تو صرف ایک ہی تدبیر ایسی ہے جس سے ایذا دہاری سے تفرک کا ہونا تو مشکل ہے لکن خیر ایسے تقررات تو عمل میں نہیں آسکتے ہیں جو بالبدلت بے ایمانی اور دغا بازی پر محمول ہو سکیں۔

یہ بھی پُر ضرور ہے کہ امتحانات مقابلہ کے ہوں اور عہدے ان لوگوں کو دیے جائیں جنہوں نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہو کیونکہ صرف امتحان

کر لینے سے اور کچھ نہیں ہوتا بجز اسکے کہ جو انتخاب بالکل نالائق اور بیوقوف ہیں وہ خارج ہو جاتے ہیں۔ جب متحن کے دل میں دو باتوں کا خیال ہوتا ہے ایک یہ کہ مبادا کسی کی امیدیں خاک میں مل جائیں دوسرے یہ کہ ایسا نہ ہو کہ اُس شخص میں جو خاص عام کا اسکے ذمہ ہے غفلت ہو جائے حالانکہ اُسکو وہ کچھ ایسا ضرور نہیں سمجھتا کہ اور جب متحن کو یقین ہوتا ہے کہ امر اول کے کرنے سے مجھے پریشانی نصیب نہ ہوگی مگر اگر دوسم کی نسبت نہ تو کوئی یہ جانے لگا اور نہ اسکی پروا کرے گا کہ آیا میں نے اُسکو کیا ہے یا نہیں کیا ہے تو غالباً متحن کی طبیعت نیکی کرنے کی طرف مائل ہوگی ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کچھ عجیب و غریب قسم کا آدمی ہو۔ اگر ایک شخص سے نرمی کیجاتی ہے تو اور دن کا ایک حق قائم ہو جاتا ہے اور جتنی زیادہ رعایت کیجاتی ہے اتنا ہی اُسکے حق کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے اور جو دن جو دن لوگوں سے رعایت کیجاتی ہے اور دن کے لیے ایک نظیر قائم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ یاقوت علی کا درجہ گھٹتے گھٹتے بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ ڈگریوں کے لیے جو امتحانات اکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں میں ہوتے ہیں اُنکے شرائط ویسے ہی خفیف ہیں جیسے آئرس کے امتحانات کے شرائط سخت ہیں۔ جب سب سے کم تعداد بڑھنے کا کوئی محرک نہیں ہوتا ہے تو وہی تعداد سب سے بڑی تعداد ہو جاتی ہے اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں جو ہر ایک علم میں وہ کمال نہیں حاصل کر سکتے جو اُنکو مقصود ہوتا ہے لیکن بعض انخاص ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چاہے یاقوت کا درجہ کیسا ہی گھٹا دیا جائے اُس درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے ہیں لیکن برخلاف اسکے جب نوکریان بہت سے امید داروں میں سے ان



اشخاص کو دیجاتی ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ امتیاز حاصل کیا ہے اور جب کامیاب امیدواروں کی درجہ بندی انکی لیاقت کے موافق کیجاتی ہے تو ہر ایک امیدوار کو صرف یہی شوق نہیں پیدا ہوتا ہے کہ نئے الامکان خوب جی نوڈ کر کو کوشش کرے بلکہ اسکا اثر سارے ملک میں ان مقامات پر محسوس ہوتا ہے جہاں **لبسل** اجمو کلشن یعنی آزاد دیا جامع تعلیم کا درج ہے اور ہر ایک اسکول اسٹروکیہ جو صلہ پیدا ہوتا ہے کہ اُسکے اسکول سے ایسے طلبہ نکلیں جنہوں نے ان امتحانات میں سب سے بڑا درجہ حاصل کیا ہو اور اسکے سواے اور کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے سرکار اس ملک کی تعلیم گاہوں کو عمدہ بنانے کی کوشش کر سکتی ہے۔ اگرچہ امتحان مقابلہ کے اصول کو اس ملک میں جاری ہوئے ابھی بہت کم مدت گزری ہے اور اسکا عملدرآمد بھی ابھی بہت کم ہوا ہے اور صرف ہندوستان کی ملازمت سرکاری میں یہ اصول پورا پورا جاری ہوا ہے تاہم اوسط درجہ کی تعلیم گاہوں پر اسکا اثر خوب ہو چکا ہے باوجودیکہ اس ملک میں تعلیم کی حالت موجودہ ایسی خراب ہے کہ اس اصول کو جاری کرنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں اور آئین امتحانات کی بدولت تعلیم کی کمی اس ملک میں بخوبی ظاہر ہو گئی ہے جو امیدواران ملازمت سرکاری وزیر کے نامزد کرنے سے امیدواری کرنے کے مستحق ہو جاتے ہیں وہ ایسے کم استعداد ہوتے ہیں کہ انکے امتحان مقابلہ کا نتیجہ اُس سے بھی خراب ہوتا ہے جیسا اُس امتحان کا ہوتا ہے جن میں صرف پاس ہونا مقصود ہوتا ہے کیونکہ کوئی شخص یہ خیال نہ کر سکا کہ اس قسم کے امتحان کے شرائط ایسے ضعیف معرکے بنائے

کہ ایک نوجوان امیدوار اپنے ساتھی امیدواروں پر گورے سبقت لیجاے۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہر حال امیدواروں کی استعداد کم ہوتی جاتی ہے اور اسلئے کوشش کم کی جاتی ہے کہ سابق کے امتحانات کے نتائج سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اُس زمانہ میں اُس سے زیادہ کوشش کی گئی تھی جتنی کوشش سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا۔ پس کچھ تو کمی کوشش کی وجہ سے اور کچھ اس باعث سے بھی کہ جن امتحانات میں یہ ضرور نہیں ہے کہ امیدوار پیشتر سے نامزد کر دیے جائیں انہیں بھی امتحان دینے والوں کو چونکہ اپنی جہالت کا یقین ہوتا ہے لہذا اُنکی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے ایسا اتفاق ہوا ہے کہ اگرچہ چند آدمی امتحان میں بہت ذی استعداد اور لائق نکلے ہیں تاہم کامیاب امیدواروں میں سے وہ اشخاص جنکے نام فہرست کے اخیر میں لکھے ہیں بالکل مغل و جی کی لیاقت کے آدمی ہیں اور تعلیمی کمیشن کے ممبروں کا یہ بیان ہے کہ جو لوگ امتحان میں ناکام رہتے ہیں اُنکی ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ علم کے علیٰ شعبوں سے ناواقف ہیں بلکہ یہ سبب ہے کہ اُنکے ادنیٰ شعبوں سے یعنی اٹلا نو لسی اور حساب سے بھی نہیں واقف ہیں۔

مجھے فہوس ہے کہ بعض اخبارات میں جوان امتحانات کی شکایتیں کی جاتی ہیں وہ معترضین کی نیک نیتی اور دشمنندی دونوں کے خلاف ہیں اول تو وہ اُس قسم کی جہالت کو جو ان امتحانات میں ناکامی کا باعث ہوتی ہے غلط بیان کرتے ہیں اور سب سے زیادہ مشکل سوالات کو جو ان امتحانات میں کیے جاتے ہیں پیشکش کو کہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ گویا ان سب سوالات کے

جوابات کا بالکل صحیح ہونا کامیابی کی شرط قرار دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ کہتے کہتے ہماری زبان تنک گئی ہے کہ صاحب ایسے سوالات یہ سمجھ کر نہیں کیے جلتے ہیں کہ ہر شخص انکا پورا جواب دیکھا بلکہ اس غرض سے کیے جلتے ہیں کہ جو انکے جوابات دیکھتا ہے اسکو اپنے علم کے اس جز کو ثابت کرنے اور اس سے مستفید ہونے کا پورا ذریعہ حاصل ہو۔ اور یہ موقع ایسے نہیں دیا جاتا ہے کہ امتحان دینے والے پر اعتراض کرنے کی ایک جہ نکل آئے بلکہ اس واسطے دیا جاتا ہے کہ اسکو کامیابی کا ایک زائد ذریعہ مل جائے۔ پھر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سوالات سے جس قسم کا علم مفہوم ہوتا ہے اس سے امیدوار کو بعد اسکے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر لیا کیا فائدہ ہوگا۔ اس میں لوگوں کی رائے مختلف ہے کہ کس قسم کا علم سودمند ہے۔ چنانچہ بعض اشخاص ایسے موجود ہیں دفارن سکریٹری سابق بھی انھیں میں سے ہیں، جو انگریزی املا کو جانتا اس شخص کے لیے جو غیر ملطت میں ہمارا سفیر ہو یا اس کلرک کے لیے جو کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہو بے سود مند سمجھتے ہیں۔ البتہ معترضین کا اس باب میں اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ اور چاہے جس چیز کی ضرورت ہو مگر ان نوکریوں میں عام لیاقت علمی سے کچھ فائدہ نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ یا اور کسی قسم کی تعلیم مفید ہے تو اسکی آزمائش ایسی بسیار کے ذریعہ سے کرنی چاہیے جس کے غالباً یہ معلوم ہو جائے کہ آیا امیدوار وہ علم رکھتا ہے یا نہیں۔ یہ امر دریافت کرنے کے لیے کہ آیا اس نے علم تعلیم پائی ہے یہ ضرور ہے کہ اس سے ان چیزوں میں سوالات کیے جائیں جن سے اگر وہ علم تعلیم یافتہ آدمی ہے تو ضرور واقف ہوگا اگرچہ ان سوالات کی

اُس کام سے صریحی علاقہ نہوجس پر وہ مقرر ہونے والا ہے جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امید داروں سے قدیم زبانوں اور علم ریاضی کے سوالات کیوں کیے جاتے ہیں اُن سے پوچھا جائے کہ جس ملک میں صرف ریاضی اور قدیم زبانیں باقاعدہ طور سے سکھائی جاتی ہیں وہاں اگر انہیں سوالات نہ کیے جائیں تو پھر کس چیز میں کیے جائیں مگر مشکل یہ ہے کہ اگر امید داروں کا امتحان ان چیزوں میں لیا جائے تو بھی اعتراض ہے اور اگر ان کے سوائے اور چیزوں میں لیا جائے تو بھی اعتراض ہے اگر کثیران تعلیم یہ چاہتے ہیں کہ سرکاری ملازمت کا دروازہ ان لوگوں پر کھول دیا جائے جنہوں نے معمولی طور سے کسی اسکول میں نہیں پڑھا ہے یا اگر کسی اسکول میں پڑھا ہے تو بہت کم پڑھا ہے اور اس کم علمی کی مکافات اس سے بھی زیادہ علم حاصل کرنے سے کوئی ہے اور اس نظر سے اُس امید دار کو جو اور کسی علم میں استعداد کامل رکھتا ہے نمبر دے دیے ہیں تو بھی ان جیسا روں پر ملامت کی جاتی ہے۔ الغرض معترضین کو کسی بات سے متکین نہو گی بلکہ کہ سرکاری عہدوں میں محض جاہل مقرر کیے جائیں۔

سب سے لوگ بڑے نفوس کہتے ہیں کہ لارڈ کلاؤ اور ڈیوکلوف ونگٹن یہ دونوں نامی و گرامی جنرل اُس امتحان کو پاس نہ کر سکتے جو انجینیئری کے امیدواروں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے چونکہ اُس امتحان کو نہیں پاس کیا جبکہ پاس کرنے کی ضرورت اُنکو تھی لہذا اگر اسکے پاس کرنے کی ضرورت اُنکو ہوتی تب بھی نہ پاس کر سکتے۔ اگر معترض کا مطلب اس سے یہ ہے کہ بغیر ان چیزوں کے ایکٹ اجرنیل

ہو سکتا ہے جیسے لارڈ کلایو اور ڈیوگرافٹ ویلنگٹن بڑے جرئیل تھے۔  
 تو ہم کہتے ہیں کہ انہی کی موت ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنکے بغیر ایک  
 بڑا جرئیل ہو سکتا ہے حالانکہ وہ چیزیں بڑے بڑے جرئیون کو بہت مفید ہیں  
 مثلاً اسکند اعظم نے کبھی دین کے قواعد کو نہیں سنا تھا اور نہ جو لیس فیصد روم  
 نرہیسی زبان سے واقف تھا۔ یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ جو لوگ کتاب کے  
 کپڑے ہوتے ہیں انکے قتلے بدنی نہیں درست ہوتے ہیں نہ انکی عادات  
 بھلے مانسوں کی سی ہوتی ہیں اور کتاب کا کپڑہ یہ لوگ اس شخص کو کہتے ہیں  
 جسکو ذرا سا بھی کتابی علم ہوتا ہے۔ یہ اعتراض حقا کا ہے۔ لیکن موت آدمی  
 جو چاہیں سمجھیں بھلے مانسوں کی عادات اور قوت بدنی کا حصہ کچھ انہیں نہیں ہے  
 جہاں کہیں ان چیزوں کی ضرورت ہو انکی تحقیق کر کے انکے لیے ایک علیحدہ قاعدہ  
 مقرر کیا جائے اور اس سے لیاقت علمی خارج نہ کی جائے بلکہ اس پر اضافہ کیا جائے  
 میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ اس فوجی اسکول میں جو بمقام دوپہ لچ ہے  
 جو لوگ امتحان مقابلہ پاس کرتے ہیں ان امور میں اور امور میں بھی ان شخصوں  
 افضل ہیں جو پرانے قاعدہ کے موافق بھرتی کیے گئے ہیں یہاں تک کہ وہ  
 فوجی قواعد بھی جلد سیکھ لیتے ہیں اور کیونکر نہ کہ پڑھا لکھا آدمی ان پڑھ کی نسبت سب  
 چیزوں کو جلد سیکھ لیتا ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ ان نئے آدمیوں کی چال و حال  
 پُرانون کی بہ نسبت بہت اچھی ہے یہاں تک کہ اسکول مذکور کے منتظم جو لوگ ہیں  
 وہ خدا سے چاہتے ہیں کہ وہ دن جلد آئے کہ پرانے آدمی جو ذرا ذہور باقی  
 رہ گئے ہیں وہ بھی نہ دکھائی دیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے اور یہ دریافت

کرنا آسان ہے کہ آیا ایسا ہے یا نہیں ہے، تو امید ہے کہ اب اسکے بعد یہ کبھی نہیں  
 آئیگا کہ پیشہ سپاہ گری اور اورپیشوں کے لیے بھی جہل علم سے بہتر ہے اور کوئی عمدہ  
 صفت جو ظاہر جامع تعلیم سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی ہے اس تعلیم کے نہونے کی  
 وجہ سے ترقی پاسکتی ہے۔

اگرچہ سرکاری عہدوں پر پہلی مرتبہ مقرر ہونا امتحان مقابلہ پروف کھاچلے  
 لیکن اکثر صورتوں میں غیر ممکن ہے کہ مابعد کی ترقی بھی اسی امتحان کو پاس کرنے پر  
 موقوف رکھی جائے۔ بلکہ مناسب ہے کہ ترقی قدامت اور انتخاب دونوں کے  
 مجموعہ پر موقوف رکھی جائے جیسا کہ بفعل قاعدہ ہے۔ جن لوگوں کو معمولی قسم کا سرکاری  
 کام کرنا پڑتا ہے وہ قدامت کے لحاظ سے اس درجہ تک پہنچائے جائیں جہاں تک  
 وہ صرف اس قسم کے کام سے پہنچ سکتے ہیں مگر جن اشخاص کے سپرد ایسا کام کیا جائے  
 جہیں ایک خاص اختیار اور خاص قابلیت درکار ہے ایسی نسبت ہر حکمہ یا دفتر کے  
 افسر اعلیٰ کو اختیار دیا جائے کہ اپنے ماتحتوں میں سے ایک کو منتخب کرے  
 اس انتخاب کو افسر کو عموماً ایلا ماری سے عمل میں لائیگا بشرطیکہ اصل تقررات  
 بذریعہ امتحان مقابلہ عمل میں آئے ہوں۔ کیونکہ اس قاعدہ سے اسکے اہل علمین  
 عموماً وہ اشخاص ہونگے جنہے اگر سرکاری تعلق نہ ہو تو وہ افسر اعلیٰ محض ناواقف ہوتا۔  
 اگر اہل علم میں کوئی شخص ایسا ہو جسے اسکا افسر یا اسکے پوٹیکل دوست یا مددگار کچھ  
 توجہ رکھتے ہیں تو صرف کبھی کبھی اور اسوقت ایسا ہوگا جبکہ علاوہ اس سرکاری تعلق کے  
 لیاقت واقعی میں اقل مراتب ہاں تک جہاں تک کام بدلے جہاں سے دریافت ہو سکتی ہے  
 وہ شخص مساوات کا درجہ رکھتا ہو۔ اس صورت کا تو ذکر نہیں ہے جہیں کوئی محرک قوی

ان تقررات کی نسبت غیر واجب رعایت کرنے کا موجود ہو ورنہ ایسے عہدوں پر ہمیشہ وہی لوگ مقرر کیے جاتے ہیں جو سب سے زیادہ لائق ہوتے ہیں اور جو اپنے افسر کو نہایت سودمند دیتے ہیں اور اسکو بہت ہی تکلیف اور محنت سے بچاتے ہیں اور جنگی اعانت سے اسکو وہ نیکنامی حاصل ہوتی ہے جو خواہ مخواہ اس کے مزید اعتبار کا باعث بنتی ہے اگرچہ یہ نیکنامی اسکو اپنے ماتحتوں کے حُسنِ لیاقت و کارگزاری سے حاصل ہوتی ہے۔

## پندرہواں باب

مختص المقام قائم مقام کمیشنوں کے بیان میں  
ہر ملک میں سلطنت کے کام کے ایک نہایت جزو قلیل کو حکام صدر  
انجام دے سکتے ہیں یا انکی کوشش کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں بھی جہاں  
اور مالک یورپ کی نسبت حکام صدر بہت کم اختیارات رکھتے ہیں حکومت گذرہ  
گروہ کا قانونی شعبہ مختص المقام معاملات کے انتظام میں نسبتاً مصروف  
رہتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے اختیارات حکومت کو ان عہدوں کے کھولنے  
میں صرف کرتا ہے جہلے کھولنے کے لیے اس سے بہتر ذریعہ درکار ہے۔  
سب اہل خبرت اور ارباب بصیرت، کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ خرابی زیادہ ہوتی  
جاتی ہے کہ پارلیمنٹ کا وقت بہت سے بچ کے کام میں صرف ہوتا ہے اور  
اس کے خاص خاص ممبروں کے خیالات اسکو ان اشغال سے باز رکھتے ہیں  
جنہیں جاری قوم کی ایسی عظیم الشان کونسل کو مشغول ہونا مناسب ہے۔  
اس رسالہ میں اس وسیع مسئلہ پر بحث کرنا جو بنیادی گورنمنٹ سے کسی طرح مخصوص

نہیں ہے مناسب نہیں ہے سوہ مسئلہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کی کارروائی کے مناسب  
حدود کیا ہیں۔ میں نے دوسرے مقام پر اپنی رائے نسبت اُن امور کے لکھ دی  
جو اُن اصول کو لازم ہیں جنکے موافق گورنمنٹ کی کارروائی کی حد کو تجویز کرنا  
چاہیے۔ لیکن جس کام کو اکثر یورپ کی گورنمنٹیں انجام دیتی ہیں جب اُس میں سے  
وہ کام نکال دلا جائے جسکو انجام دینا افسران سرکاری کو لازم نہیں ہے۔ تو بھی  
مختلف قسم کا کام اس کثرت سے باقی رہ جاتا ہے کہ اگر اور نہیں تو تقسیم محنت کے  
اصول کے موافق بھی اُسکو حکام صدر اور حکام مختص المقام کے درمیان تقسیم کر دینا  
لازم ہے مختص المقام کام کے لیے صرف علیحدہ علیحدہ حکام انتظامی ہی درکار  
نہیں ہیں بلکہ اُن حکام پر عوام کی نگرانی اور نصرت صرف ایک جداگانہ آلہ سے  
فائدہ کے ساتھ عمل میں آسکتا ہے۔ اُنکو ابتداً مقرر کرنا اور اُنکے کام کی نگرانی کرنا  
اور اُنکی کارروائیوں کے لیے جس قدر روپیہ درکار ہے اُسکو مہیا کرنے کا فرض  
یا اُسکو نہ دینے کا اختیار یہ سب امور قومی پارلیمنٹ یا دور اسے نہیں متعلق ہونے  
چاہئیں بلکہ اُس مقام خاص کے باشندوں سے متعلق کر دینے چاہئیں۔ ملک میں نو انگلیوں کو  
بعض صوبوں میں اس کام کو وہاں کے باشندے کیٹی میں جمع ہو کر خود کرتے ہیں  
اور سنا جاتا ہے کہ جیسے نتائج کی امید ہو سکتی ہے اُس سے بہتر نتائج پیدا ہوتے ہیں  
وہاں کے باشندے اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں اور لوکل گورنمنٹ کے اس ابتدائی  
طریقہ سے ایسے مطمئن ہیں کہ اسکا مبادا اُس قائم مقامی کے قاعدہ سے نہیں

۱۷ یعنی اس رسالہ میں جسکا موضوع بحث آزادی ہے اور پولیٹیکل اکالومی کے آخری باب



کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ بخوبی واقف ہیں اور جبکہ یہ وجہ سبب قلیل فزقون کوٹ کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن اس انتظام کا عملدرآمد صرف نہایت مخصوص حالات میں ہو سکتا ہے اور عموماً مختص المقام معاملات کے انتظام کے لیے ٹکمی پارلیمنٹوں یا مقامی کمیٹیوں کو قائم کرنا لازم ہے۔ یہ کمیٹیاں انگلستان میں موجود ہیں مگر بالکل ناقص اور بے قاعدہ اور بے ترکیب ہیں بلکہ ہمارے ملک کی بہ نسبت بعض اور ملکوں میں جہاں عوام کو معاملات سلطنت میں کمتر دخل ہے ایسی کمیٹیوں کی ترکیب زیادہ تر معقول ہے۔ انگلینڈ میں آزادی تو ہمیشہ زیادہ رہی ہے مگر انتظام ہمیشہ خراب رہا ہے اور اور ملکوں میں انتظام اچھا ہے مگر آزادی کم ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ قومی پارلیمنٹ کے علاوہ مینونسپل اور صوبہ دار کمیٹیاں مقرر کی جائیں۔ پس اب جن دو مسئلوں کو حل کرنا باقی ہے وہ یہ ہیں کہ مختص المقام انتظامی کمیٹیوں کی کیا ترکیب قرار دی جائے اور ان کے کام کی کیا حد مقرر کی جائے۔

ان دونوں مسئلوں پر غور کرنے میں دو باتوں کا لحاظ بدرجہ مساوی رکھا جائے اول یہ کہ مختص المقام کام کے کرنے کا سب سے عمدہ کیا طریقہ ہے۔ دوم یہ کہ اس کام کے کرنے سے امور رفادہ عام کے انتظام کی عادت کیونکر لوگوں کو ہو سکتی ہے اور ان کے فہم و فراست میں اس کے ذریعہ سے کیونکر ترقی ہو سکتی ہے۔ سابق میں اپنی رائے کو اس باب میں بڑے زور و شور سے بیان کر چکا ہوں کہ آزاد رعایا کی تعلیم و تربیت آزاد گورنمنٹ کے کام کا جزو اعظم ہے۔ اور اس کام کے کرنے کا خاص ذریعہ مختص المقام انتظامی کمیٹیاں ہیں۔ عموماً رعایا کو بہت کم موقع اس بات کا ملتا ہے کہ اپنے ملک کے تمام معاملات کے انتظام میں بذات خود شریک ہو سکیں۔

بجز اسکے کہ کبھی کبھی بطور اہل جوہری کے عدالت کے کام کو انجام دیتے ہیں۔ دو پارلیمنٹوں کے انتخاب کے مابین جو مدت گزرتی ہے انہیں لوگ معاملات سلطنت کے انتظام میں صرف اس قدر شرکت کرتے ہیں کہ اخبارات کو پڑھا کرتے ہیں اور شاید انہیں مضامین بھی لکھتے ہیں اور عام کیمیاں کیا کرتے ہیں اور صنیعہ لٹیکل کے حکام کو مختلف قسم کی درخواستیں بھیجا کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ کارروائیاں آزادی کی محافظ اور عام تعلیم و تربیت کا ذریعہ بیشک ہیں اور اس حیثیت سے انکی ترقیت جتنا مبالغہ کیا جائے وہ کم ہے کہ انکے باعث سے عمل کی بہ نسبت علم زیادہ حاصل ہوتا ہے یعنی آدمی کو سوچنے کی قوت آتی ہے مگر عملی کارروائی کی ذمہ داریوں سے بچا رہتا ہے اور اسکا اثر اکثر لوگوں پر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے خیالات چیلنے سے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن مختص المقام کیمیوں سے یہ فائدہ ہے کہ انہیں لوگ صرف اور دن ہی کو نہیں منتخب کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی خود بھی منتخب ہوجاتے ہیں اور بہت سے آدمی خواہ بذریعہ انتخاب خواہ بالبابا دل اکثر مختص المقام انتظامی عہدوں پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ اور ان عہدوں پر انکو عام فائدہ کے لیے کام کرنا اور سوچنا اور ہولنا پڑتا ہے اور یہ سب بذریعہ عام مقام یا وکیل کے نہیں ہو سکتا ہے۔ علاوہ اسکے مختص المقام کام کے کرنے کی خواہش اعلیٰ طبقہ کے لوگ عموماً نہیں رکھتے ہیں اور اسکے ذریعہ سے پولیٹیکل تعلیم ادنیٰ طبقہ کو گونہ بک پہنچ جاتی ہے۔ اور چونکہ دماغ سوزی کی ضرورت مختص المقام معاملات کے انتظام میں عام معاملات سلطنت کی بہ نسبت زیادہ ہے اگرچہ مختص المقام امور کے انتظام کی خوبی پر ایسے اہم اغراض نہیں موقوف ہیں جیسے

۱۔ معاملات سلطنت کی خوش انتظامی پر موقوف ہیں لہذا پہلی قسم کے معاملات کو مقدم سمجھنا چاہیے اور ان کی خاطر دوسری قسم کے معاملات اکثر اوقات ملتوی ہو سکتے ہیں البتہ عام قوانین کے بنانے اور شاہی معاملات کے انتظام میں امر اول امر ثانی پر ترجیح رکھتا ہے۔

مختص المقام انتظامی کمیٹیوں کی ترکیب میں کچھ وقت نہیں ہے۔ جو اصول قومی کمیٹی یعنی پارلیمنٹ سے متعلق ہیں انہیں اور مختص المقام کمیٹیوں کے اصول میں کچھ فرق نہیں ہے پارلیمنٹ کی طرح ان کمیٹیوں کو بھی انتخاب عام پر موقوف رکھنا واجب ہے اور دونوں میں عوام کی مداخلت کے وجہ ایک ہی ہیں بلکہ انتظامی کمیٹیوں میں ان کی مداخلت تمامہ کے وجہ اور زیادہ قوی ہیں اور ایک میں دوسرے کی نسبت خطرے کم ہیں مگر عام تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے انتظامی کمیٹیوں کے فوائد بعض اعتبارات سے قومی کمیٹی یعنی پارلیمنٹ سے بھی زیادہ ہیں چونکہ مختص المقام کمیٹیوں کا خاص کام مقامی ٹیکسوں کو مقرر کرنا اور ان کے روپیہ کو خرچ کرنا ہے لہذا انتخاب کا حق ان سب کو دینا چاہیے جو مقامی ٹیکسوں میں شریک ہیں اور جو لوگ اس قسم کا ٹیکس نہیں دیتے ہیں ان کو اس حق سے محروم رکھنا چاہیے۔ یہ فرض کیا ہے کہ کوئی ضمنی ٹیکس نہیں لیا جاتا ہے اور نہ چکی کا محصول لیا جاتا ہے یا اگر یہ محصول لیے جاتے ہیں تو ان لوگوں سے لیے جاتے ہیں جن سے صریح ٹیکس بھی لیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کی طرح انتظامی کمیٹیوں میں بھی قلیل فریقوں کی قائم مقامی کا قاعدہ جاری کرنا لازم ہے اور ان کمیٹیوں میں متعدد ووٹوں کے حق کو الی لیاقت پر موقوف رکھنا اس قدر ممنوع ہے۔

نہیں ہے جب قدر پارلیمنٹ میں ہے کیونکہ پارلیمنٹ کی بہت انتظامی کمیٹیوں کا زیادہ تر یہ کام ہے کہ روپیہ کو ایما ندری اور کفایت سے خرچ کریں لہذا انصاف اور صحت و نون اسی کے مقتضی ہیں کہ جن لوگوں کو روپیہ کا جو کچھ زیادہ ہے انکو ایسی کمیٹیوں میں زیادہ دخل دیا جائے۔

ہمارے ملک میں جو مختص المقام انتظامی کمیٹیاں چند مدت سے قائم ہوئی ہیں انہیں سے بورڈ آف گارجنس میں ضلع کے جسٹس آف دی پیس غیر سرکاری جج کے منتخب شدہ ممبروں کے ساتھ اجلاس کرنے ہیں اور انکی تعداد قانوناً مکمل ممبروں کی تعداد کی ایک ثلث قرار دی گئی ہے بنگلستان کے مخصوص طرز معاشرت پر نظر کر کے مھلکو کچھ شک نہیں ہے کہ اس قاعدہ سے مفید اثر پیدا ہوگا کیونکہ انکی بدولت ان کمیٹیوں کو تعلیم یافتہ ممبر نصیب ہوتے ہیں جو شاید دوسرے طور سے نہیں آتے اور چونکہ سرکاری ممبروں کی تعداد کے محدود ہونے کی وجہ سے ایسے ممبروں کو وہ غلبہ نہیں حاصل ہو سکتا ہے جو کثرت تعداد سے حاصل ہوتا اور چونکہ وہ ایک دوسرے فرقہ کی قائم مقامی کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اغراض بعض اوقات باقی ماندہ ممبروں کے اغراض سے مختلف ہوتے ہیں لہذا وہ کسانوں یا چھوٹے چھوٹے دوکانداروں کی ذریعہ اغراض کو جو ایسی کمیٹیوں میں بکثرت آتے ہیں ایسی ہی تعریفان بوریڈن کی ترکیب کی نہیں ہو سکتی ہے جو ہمارے ملک کے ہر صوبہ میں ہیں اور جبکہ نام کو ارسٹیشنس ہے ان بورڈوں کے ممبر جسٹس آف دی پیس ہوتے ہیں جنکو علاوہ جوڈیشل کام کے بعض نہایت اہم انتظامی کام بھی کرنا پڑتا ہے ان بورڈوں کو قائم کرنے کا طریقہ بالکل بے قاعدہ ہے کیونکہ انکے ممبر نہ تو

منتخب کیے جاتے ہیں اور جسے نامزد کرتے ہیں اس معنی سے نامزد کیے جاتے ہیں بلکہ اگلے زمانہ کے امر کی طرح یہ اہم کام انکو حق زمینداری کے لحاظ سے دیا جاتا ہے اور انکو بادشاہ وقت مقرر کرتا ہے بلکہ عملاً دیکھا جائے تو انھیں میں کا ایک شخص یعنی لارڈ لٹنٹ انکو مقرر کرتا ہے اور انکا تقرر صرف اس بات کا ذریعہ گردانا جاتا ہے کہ جس شخص کی نسبت یہ گمان ہے کہ بورڈ کو بدنام کرے گا یا جو اس پوزیشنل فرینک کا طرفدار ہے جو باطل پر سمجھا جاتا ہے وہ بورڈ میں داخل ہونے پہلے ان بورڈوں سے زیادہ امارت کا اصول انگلستان کی کسی عام کمیٹی میں نہیں جاری ہے یہاں تک کہ ہوس آف لارڈس میں بھی اب امارت کا غلبہ لیسا نہیں رہا ہے جیسا ان بورڈوں میں ہے۔ کیونکہ یہ بورڈ کسی عام کمیٹی کی مشارکت سے عوام کا رویہ نہیں دیتے ہیں اور اہم معاملات عام کا انتظام نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کا رویہ و ایجنڈا کو اکیلے اور بلا شرکت غیر کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے امر کے فرسے ان بورڈوں سے ایسے چمٹے ہوئے ہیں کہ کسی طرح انکو نہیں چھوڑتے مگر ظاہر ہے کہ یہ بورڈ ان سب اصول کے خلاف ہیں جس پر نچانی گورنمنٹ کی بنا و قائم ہے۔ ضلع کے بورڈ میں چند سرکاری ممبروں کو منتخب شدہ ممبروں کے ساتھ شریک کرنے کی اتنی وجہ بھی نہیں ہے جتنی بورڈ آف آفیس کا جنس میں ہے کیونکہ ضلع کا کام کثرت سے ہوتا ہے اور ضلع کے شرفاء کو اس کا شوق اور انگلی جانب رغبت ہوتی ہے لہذا اپنے تئیں بورڈ کا ممبر منتخب کر لیتے ہیں انکو اس سے زیادہ دقت نہیں ہوتی ہے جتنی ضلع کی طرف سے اپنے تئیں پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کر لینے میں ہوتی ہے۔

مختص المقام انتظامی کمیٹیوں کے ممبروں کو جو تہناب کنندہ دن کے حلقے  
 منتخب کرتے ہیں اُنہیں صرف ایک ہی اصول یعنی مختص المقام اغراض  
 مشترکہ کا اصول متعلق ہو سکتا ہے اگرچہ پارلیمنٹ کے انتخاب سے اس اصول کو  
 بطور ایک خاص اور غیر متغیر قاعدہ کے متعلق کرنا مناسب ہے مختص المقام قائم مقامی  
 تو یہی مقصود ہے کہ جن لوگوں کے مقامی اغراض مشترک ہیں مگر عوامانہ کے  
 اغراض سے علیحدہ ہیں اُن مشترک اغراض یا معاملات کا انتظام خود کر سکیں۔  
 اور یہ مقصد اس وقت فوت ہو جائیگا کہ اگر مختص المقام قائم مقامی کی تقسیم اور کسی  
 قاعدہ سے کچھ بے مشترک معاملات کی تفریق کے قاعدہ سے نہ کی جائے ہر ایک  
 قصبہ کے کچھ خاص معاملات یا اغراض ہوتے ہیں خواہ وہ قصبہ بڑا ہو خواہ چھوٹا  
 اور وہ اغراض اُسکے سب باشندوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ لہذا ہر قصبہ میں  
 خواہ بڑا ہو خواہ چھوٹا ایک خاص مینوسپل کمیٹی ہونی چاہیے۔ ایک ہی قصبہ کے  
 مختلف محلوں کے اغراض میں کبھی تفادیت عظیم نہیں ہوتا ہے بلکہ سب محلوں کو  
 ایک ہی قسم کی چیزوں اور ایک ہی قسم کے مصارف کی ضرورت ہوتی ہے۔  
 اور سوائے گرجاؤں کے جنکے انتظام کو پارلیون پر چھوڑ دینا مناسب ہے ایک ہی  
 قسم کے انتظامات سب محلوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں مثلاً بچہ سرکین بنوانا اور  
 انپر روشنی کرنا اور پانی جمیا کرنا اور مہری نالے بنوانا اور بندرگاہوں اور بازاروں  
 کے لیے قواعد بنانا ان سب امور کا انتظام اگر ایک ہی قصبہ کے مختلف محلوں کے لیے  
 مختلف کیا جائے تو بہت سارے پیہ فضول صرف ہو اور بڑی دقت پڑے۔  
 شہر لندن چھ یا سات خود مختار ضلعوں میں منقسم ہے اور ہر ایک ضلع کے خاص کام کا

بند و بست علیحدہ کیا گیا ہے اور بعض ضلع کا خاص اندرونی انتظام بھی یکساں نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال بیان لازم آتی ہیں کہ مشترک مقاصد کے لیے مسلسل اور باقاعدہ کارروائی نہیں کی جاتی اور مقامی کام کو انجام دینے کے لیے کوئی یکساں اصول نہیں قرار پاتا ہے اور مشترک گورنمنٹ کو ان امور کا انتظام کرنا پڑتا ہے جنکو مختص المقام حکام پر چھوڑ دینا بہتر ہوتا اگر ایسے حکام ہوتے جنکی حکومت ساری اراسلطنت (الندن) پر محیط ہوتی۔ الغرض انتظام موجودہ سے اور کوئی فائدہ نہیں ہے بجز اسکے کہ وہ مضحکہ انگیز کمیٹی جسکا نام کارپوریشن آف دسچی سٹی آف لندن ہے اور جس میں اس زمانہ کا دخل فصل اور اگلے زمانہ کی بیہودہ آرائش و نمائش کوٹ کوٹ کے بھری ہے اب تک قائم اور برقرار ہے۔

ایک اور اصول ضروری یہ ہے کہ ہر ایک حاط یا حلقہ کے اندر ایک ہی منتخب شدہ کمیٹی سب قسم کے مقامی کام کے لیے رہنی چاہیے اور اس حلقہ کے مختلف حصوں کے لیے مختلف کمیٹیاں نہ ہونی چاہئیں تقسیم کام کے معنی نہیں ہیں کہ ہر ایک کام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے جائیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ جتنے کام ایک ہی قسم کے آدمیوں سے ہو سکتے ہیں وہ سب جمع کر لیے جائیں اور جتنے کام ایسے ہیں کہ مختلف اشخاص سے عمدہ طور سے ہو سکتے ہیں وہ علیحدہ علیحدہ کر لیے جائیں ہر مقام خاص کے علاوہ کام کو مختلف صیغوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ یہ کام مختلف قسم کا ہوتا ہے اور ہر قسم کے کام کے لیے ایک خاص علم و کار ہے اور جب وہ کارکن جو ایک خاص قسم کی لیاقت رکھتا ہے تمام تر توجہ اُسی کام پر کرے تب ہی وہ اچھی طرح سے انجام پا سکتا ہے۔ مگر تقسیم کام کے وہ وجوہ

جو معاملہ صفحہ پر صادق آئے ہیں نگرانی کنندہ صیفہ پر نہیں صادق آتے ہیں مثلاً کمیٹی (پارلیمنٹ) کا کام یہ نہیں ہے کہ خود کسی کام کو کرے بلکہ اس کا کام اس امر کی نگرانی کا کرنا ہے کہ ہر کام مناسب طور سے کیا جاتا ہے اور کوئی کار ضروری ناقص نہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کام کی تکمیل سب صیفوں کے لیے ایک ہی نگرانی کنندہ کو نسل کر سکتی ہے اور اس نگرانی کے لیے نظم و مجموعی اور وسیع بہ نسبت باریک بینی اور خبری کے بہتر ہے۔ یہ امر کہ ہر ایک فرد درجہ کے کام کی نگرانی ایک علیحدہ نگرانی کنندہ کیا کرے معاملات سلطنت میں بھی ویسا ہی مہل ہے جیسا ذاتی امور میں ہے۔ شاہی گورنمنٹ کے بہت سے صیفے باہر رشتے ہوئے ہیں اور ان کے انتظام کے لیے بہت سے وزرا ہیں لکن انہیں سے ہر ایک وزیر کے کام کی نگرانی کرنے کے لیے ایک ایک پارلیمنٹ علیحدہ نہیں ہے۔ قومی پارلیمنٹ کی طرح مختص المقام کمیٹی کا بھی خاص کام یہ ہے کہ اس مقام کے باشندوں کے معاملات میں جہت المجموع کا انتظام کرے اور اس مقام کے جتنے حصے ہیں وہ سب باہم مناسبت رکھتے ہوں اور ہر ایک حصہ کی عظمت کے موافق اس کے امور پر توجہ کجاے ہر مقام خاص کے سارے کام کو ایک ہی کمیٹی سے متعلق کر دینے کی ایک نیکل قوی یہی ہے کہ مختص المقام کمیٹیوں میں ایک بہت بڑا نقص یہ ہے اور یہی اکثر ان کی ناکامی کا باعث ہوتا ہے کہ ان کمیٹیوں کے ممبر اکثر کم لیاقت آدمی ہوتے ہیں اور ان کمیٹیوں کا فائدہ مند ہونا اس پر بھی موقوف ہے کہ ان کے مختلف قسم کے لوگ ہوں اور خاص کر اسی وجہ سے ایسی کمیٹی ایک قسم کا اسکول جیسے ہیں لوگوں کو نوٹیکل قابلیت اور عام لیاقت حاصل ہوتی ہے مگر اسکول میں مدرس



اور طالب العلم دونوں ہوتے ہیں اور تعلیم کی فائدہ مندی زیادہ تر اس امر پر چھوڑ دینا چاہیے کہ کم لیاقت آدمیوں کو اعلیٰ درجہ کی لیاقت والوں سے سابقہ رہتا ہے اور یہ سابقہ اور لوگوں کو بہت کم نصیب ہوتا ہے اور اسی کے نہونے کی وجہ سے عموماً لوگ جاہل رہ جاتے ہیں۔ علاوہ اسکے یہ اسکول محض بیکار ہے اور اس سے نفع کے بٹے نقصان ہے اگر واجب نگرانی نہونے کی وجہ سے اور اس باعث سے کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے لائق آدمی نہیں ہیں اس کی کارروائی ایسی ذلیل ہو جائے کہ اسکے ممبر صرف اپنے ذاتی فائدہ کی جستجو میں رہا کریں۔ اس بات کی توقع رکھنا محض فضول ہے کہ عالی خاندان یا عالی دماغ آدمی کسی منصب کی انتظامی کمیٹی کی ممبری قبول کر کے اسکے امور کے انتظام میں شرکت گوارا کرینگے یعنی مثلاً پختہ ٹرکین بنوانے والے پورٹو یا ممبروں کو صاف کروانے والی کمیشن کا ممبر بننا منظور کرینگے اور ترضیع اوقات اور دماغ شوزی اس کام میں کیوں کرینگے جسکو وہ جانتے ہیں کہ جسے کم لیاقت آدمی ہمارے ہی ذمہ داری کے پردہ میں بے ایمانی کرینگے۔ تعمیرات سرکاری کا منظم پورٹو یقین ہے کہ اس قسم کے آدمیوں سے مرکب ہوگا جیسے لندن کی اضلاعی کمیٹیوں میں ہوتے ہیں اور نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ ایسے اشخاص کی کثرت ان کمیٹیوں میں نہوں مگر مقامی کمیٹیاں خواہ اس مقصد سے قائم کی گئی ہیں کہ اپنے خاص کام کو دیانتداری اور رشخصبری سے انجام دین خواہ اس غرض سے مقرر کی گئی ہیں کہ قوم کی پولیسکل ڈسمنڈی یا مثل سیاست کو ترقی دین بہر کیف پر ضرور ہے کہ ایسی ہر کمیٹی میں چند آدمی ایسے ہوں جو اس مقام خاص کے باشندوں میں سب سے

زیادہ لائق ہوں اور اُن کو کم لیاقت آدمیوں سے ہمیشہ سابقہ رہے اور اُسے اُس مقام خاص کے کوائف و طالات کو دریافت کرتے رہیں اور اسکے عوض میں اپنے وسیع خیالات اور عالی اور عاقلانہ مقاصد کو اُن کے دلوں میں راسخ کرتے ہیں۔

دیہ یا گائون مینو شپل کمیٹی کا مستحق نہیں ہے۔ گائون سے میری مراد وہ مقام جسکے باشندے پیشہ یا تمدنی تعلقات کے لحاظ سے قرب و جوار کے دیہات کے باشندوں سے فرق میں نہ رکھتے ہوں اور جنکی خاص ضرورتوں کے لیے وہی انتظام کافی ہو جو قرب و نواح میں کیا گیا ہے۔ ایسے دیہات میں کمتر ایسے لوگ ہوتے ہیں جسے مینو شپل کمیٹی قائم ہو سکے اور اگر اُن کے باشندوں میں یہی لیاقت یا علم ہوتا ہے جو عام معاملات کے انتظام میں بکار آمد ہو تو غالباً ایسی لیاقت یا علم ایک ہی شخص میں جمع ہوتا ہے جو اسکی بدولت اُس گائون کا مالک بن جاتا ہے بہتر ہے کہ ایسے دیہات ایک بڑے علاقہ میں شامل کر لیے جائیں۔ برصغیر کی اضلاع کی قائم مقامی خواہ مخواہ حدود و جغرافیہ کے لحاظ سے قرار دی جائیں گی اور اُن ہمدردیوں کا بھی خیال رکھا جائیگا جنکی اعانت سے افراد شہر یا ہم ملکر کام کرنے میں در جو کسی قدر حدود تاریخی کے تابع ہیں جیسے اضلاع اور صوبجات کے حدود اور کسی قدر شراکت اغراض اور پیشہ کے تابع ہیں جیسے زراعتی۔ بحری صنعتی۔ یا معدنی اضلاع۔ مختلف قسم کے مقامی کاموں کے لیے مختلف رقبات قائم مقامی کی ضرورت ہے۔ مثلاً متحدہ اضلاع نہایت مناسب بنیاد خیر اچانہ کی کمیٹیوں کی قرار دی گئی ہے اور راجپوتوں یا جلیانوں یا پولیس کے انتظام کے لیے اوسط درجہ کے ضلع کا رقبہ مقدار کافی سے زیادہ نہیں ہے اور بڑے بڑے ضلعوں کے باب میں یہ کلیہ نرمیم

طلب ہے کہ جو منتخب شدہ کمیٹی کسی مقام خاص میں قائم ہوئی ہو اس کے اختیارات کا کل  
اُن معاملات پر جو اُس مقام سے متعلق ہوں حاوی ہونا چاہیے۔ اس کلیہ میں ترمیم  
ایک اور اصول سے کرنی چاہیے اور نیز اس خیال سے کہ مختص مقام کام کو انجام  
دینے کے لیے جانتی ممکن ہو اعلیٰ درجہ کے لائق آدمی دستیاب کیے جائیں  
مثلاً اگر قوانین متعلقہ خیرات کے مناسب انتظام کے لیے یہ ضرور ہے کہ خیراتی  
ٹیکس کا رقبہ اُس سے زیادہ نہ ہو جتنا اکثر ضلع متحدہ کا رقبہ اب ہے تو اس اصول سے  
یہ لازم آتا ہے کہ ہر ایک ضلع کے لیے ایک بورڈ آف گارجینس مقرر کیا جائے  
لیکن چونکہ ضلع کے بورڈ کے لیے ایسے انتظام دستیاب ہو سکتے ہیں جو بورڈ آف  
گارجینس کے ممبروں سے بہت زیادہ لیاقت رکھتے ہیں لہذا مناسب ہے کہ  
ضلع کے بورڈوں سے بعض وہ اعلیٰ قسم کا کام متعلق کیا جائے جس کا انتظام  
اضلاع متحدہ بجائے خود آسانی سے کر سکتے ہیں۔

علاوہ اُن گرائی گندہ کنسل بالوکل سب پارلیمنٹ کے مختص مقام کام  
کے لیے ایک خاص عاملانہ صیغہ بھی درکار ہے اور اُس صیغہ کی نسبت بھی وہی  
سوالات ہو سکتے ہیں جو کل سلطنت کے انتظامی حکام کی نسبت ہو سکتے ہیں اور  
اکثر ان سوالات کے وہی جوابات ہیں۔ کیونکہ خلق اللہ کی امانتوں سے جتنے اصول  
متعلق ہیں وہ سب ایک ہیں اول تو انتظامی افسر ایک ہی ہونا چاہیے اور جو کام اُس سے  
متعلق کیا گیا ہے اُس کا ذمہ دار اکیلا اور بلا شرکت غیر کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ  
نامزد کیا جائے منتخب نہ کیا جائے۔ یہ امر قابل مضحکہ ہے کہ افسر پائش یا منتظم

یا کمیٹیوں کا کلکٹر عام ووٹ کے ذریعے منتخب کیا جائے عوام کی تجویز کو نظر میں رکھ کر پیشواؤں پر موقوف ہوتی ہے مگر چونکہ وہ کسی تقرر کو عمل میں نہیں لاتے ہیں لہذا ان کے ذمہ دار نہیں ہیں یا ان کی تجویز اس امر پر موقوف ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسے یہ استفادہ کرے کہ میرے بارہ لڑکے ہیں اور میں برس سے اس ضلع کا ٹیکس باری اور کوتا چلا آیا ہوں پس میرے حال پر ترس کھائے۔ اگر ایسی صورتوں میں وہ انتخاب جو کسی مقام خاص کے باشندے کریں نرا ڈھکوسلہ ہے تو وہ تقرر بھی جبکہ وہ ان کی انتظامی کمیٹی عمل میں لائے تقریباً اسی قدر قابل اعتراض ہے۔ ایسی کمیٹیوں میں ہمیشہ یہ تعداد ہوتی ہے کہ اپنے ممبروں کے ذاتی فوائد کے لیے ایک قسم کی شرکتی کمیٹیاں بنجاتی ہیں۔ ہر مقامی کمیٹی کے چیرمین یعنی صدر نشین کی ذاتی ذمہ داری پر تقررات عمل میں لائے جائیں گی کیونکہ اس مقام خاص میں چیرمین وہی حیثیت رکھتا ہے جو منیت وزیر اعظم سلطنت میں رکھتا ہے اور اگر اس مقام کا انتظام عمدہ ہے تو وہ ان کے چیرمین کے کام کا جو عظیم عمدہ داروں کو مقرر کرنا اور ان کے کام کی نگرانی کرنا ہے۔ اور خود چیرمین کو وہ ان کی کمیٹی اپنے خاص ممبروں میں سے مقرر کرے اور یا تو ہر سال ان کا انتخاب از سر نو ہوا کرے یا کمیٹی کے ووٹ سے وہ برناست کیا جائے۔

**مختص المقتام انتظامی کمیٹیوں کی ترکیب کو تحقیق کرنے کے بعد ہونی کے**  
اوصاف کی تحقیق کرنا ہوں کہ یہ مضمون بھی اسی قدر ضروری اور مشکل ہے۔ اس مسئلہ کے دو جز ہیں ایک یہ کہ ان کمیٹیوں کے فرائض کس قسم کے ہونے چاہئیں دوسرے یہ کہ آیا ان فرائض کے دائرہ کے اندر ان کو اختیار کا مل لینا چاہیے یا یہ کہ

انکے کام میں بجانب حکام صدر کچھ اور کیا دست اندازی ہونی چاہیے۔

پر ظاہر ہے کہ خالص مقامی کام جو صرف ایک ہی مقام خاص سے متعلق ہو وہ ان کے حکام سے متعلق ہونا چاہیے۔ قصبہ کی سرکون کو پتہ بنوانا اور انہیں روشنی کرنا اور انگو صاف کرنا اور انکے مکانات کی حریوں کو بنوانا ان امور سے سوکھ اُس قصبہ کے باشندوں کے اور کسی کو کیا غرض ہے۔ عموماً قوم ان امور سے اتنا ہی تعلق رکھتی ہے جتنا اپنے تمام افراد کے ذاتی رنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ بخیر ان فرائض کے جو مختص المقام فرائض میں داخل ہیں یا جو مختص المقام کام انجام دیتے ہیں بہت سے فرائض ایسے ہیں جو قوم کی کٹنا بجا ہے اسلئے کہ وہ کام انتظام ملک کا وہ حصہ ہے جو اُس مقام خاص سے متعلق ہے اور جسکی عمرگی میں کل قوم کا فائدہ ہے۔ مثلاً جیلخانے میں جنکا انتظام اس ملک میں حکام ضلع سے متعلق ہے یا مقامی پولیس یا مقامی عدالتیں ہیں۔ خاص کر مینو اسپل قصابات میں اس قسم کا کام اکثر وہ عہدہ دار کرتے ہیں جو اُس مقام کے باشندوں نے منتخب کیا ہے اور جو وہاں کے سرمایہ سے تنخواہیں ملتی ہیں اور انہیں سے کوئی امر ایسا نہیں ہے جو مختص المقام معاملہ بقابلہ قومی معاملہ کے کہنا درست ہے۔ مثلاً اگر ملک کے کسی حصہ میں پولیس کی بد انتظامی سے راہزنوں کی کثرت یا بد اعمالی کی شدت ہو جائے یا اگر جیلخانہ کے قواعد کے خراب ہونے کی وجہ سے وہ مزاجو عدالتوں کو ان مجرموں کو دینی منظور تھی جو وہاں قید ہیں (ممکن ہے کہ یہ مجرم اور کسی ضلع سے آئے ہوں یا اور کسی ضلع میں مرکبے الم ہوئے ہوں) دو چند شکن ہو جائے یا بہت ہی خفیف کر دیا جائے تو باقی ماندہ ملک اس سے بے خبر اور بے پروا نہ رہیگا۔ علاوہ اسکے

ان چیزوں کے حسن انتظام میں جو امور داخل ہیں وہ ہرگز ایک ہی ہیں اور کوئی وجہ اسکی نہیں ہے کہ پولیس یا چیپٹن ذون یا عدالتون کا انتظام جو ملک کے ایک حصہ میں وہی دوسرے حصہ میں بھی کیوں نہ ہو۔ اور پھر اس بات کا بھی بڑا اندیشہ ہے کہ اسے اہم امور میں جکوا انجام دینے کے لیے ملک بھر میں جو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اشخاص ہیں وہ بھی کافی لیاقت سے زیادہ نہیں رکھتے ہیں کم لیاقت آدمی دیکھو کہ تصبات میں سرکاری کام کے لیے ایسے ہی لوگ مل سکتے ہیں، اسی فاحش غلطیوں کے مرکب ہوں جسے بڑا دھبہ ملک کے عام انتظام پر لگ جائے۔ جان و مال کی حفاظت اور دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا یہی ابتدائی تمدنی ضرورتیں ہیں اور یہی علت غائی گورنمنٹ کی ہے۔ پس اگر یہی امور ان اشخاص کی ذمہ داری پر چھوڑ دیے جائیں جو اعلیٰ درجہ کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو پھر بھڑک و جھل اور صلحناموں کے اور کیا رہ گیا جسکے لیے ایک عام گورنمنٹ کی ضرورت ہو۔ ان ابتدائی مقاصد کے حصول کے لیے جو کچھ انتظام کیا جائے انکی پابندی سب پر لازم کر دی جائے اور انکی تعمیل حکام صدر کے زیر نگرانی فراوی جائے۔ یہ امر اکثر مفید ہوتا ہے اور ہمارے ملک کے بیرونچاستہ میں چونکہ ایسے عمدہ دار کم ہوتے ہیں جو عام گورنمنٹ کے قائم مقام سمجھے جائیں لہذا یہاں یہ بات ضرور ہے کہ جن فرائض کو حکام صدر مقرر کریں انکی تعمیل ان عمدہ داروں سے متعلق کی جائے جکواس مقام کے باشندوں نے وہاں کے خاص مقاصد کے لیے مقرر کیا ہو۔ لیکن تجربہ سے خاص و عام کو انکی ضرورت ثابت ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کی جانب سے سپیکٹر مقرر کیے جائیں جو اس

امریکی نگرانی کرتے رہیں کہ مختص المقام حکام اپنے فرض کو ادا کرنے میں جیسے صنعت و حرفت کے کارخانوں کے ہیکلیرین جنکا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ ان کارخانوں کے باب میں جو قوانین پارلیمنٹ نے بنائے ہیں انکی پابندی کیجاتی ہے یا انکی پٹران مدارس میں جنکا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ جن شرائط سے سرکار نے تعلیم کی امداد میں روپیہ دیا ہے انکی تعمیل کیجاتی ہے۔

لیکن اگر عدالت اور پولیس اور جیل خانہ کا انتظام ایسی چیز ہے جو عملی العموم سب سے تعلق رکھتی ہے اور جو عام علم پر موقوف ہے اور مقامی خصوصیتوں کے ایسی مستغنی ہے کہ اسکا کیساں قاعدہ سارے ملک میں ہونا چاہیے اور اسکا نفاذ ان حکام کے ذریعہ سے ہونا چاہیے جو مختص المقام حکام سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہوں تو ایسا کام بھی جیسے مثلاً خیرات خانہ کے قوانین کا انتظام اور حفظان صحت کا انصرام اور امور جو فی الواقع سارے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ انکا انتظام مختص المقام مقاصد کے لحاظ سے اس مقام کے باشندوں کے سواے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ اس قسم کے کام کی نسبت یہ سوال ہے کہ مختص المقام حکام کو کہاں تک ایسا اختیار دینا چاہیے جو گورنمنٹ کی نگرانی یا تصرف سے بری ہو۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس امر پر غور کرنا لازم ہے کہ حکام صدر اور حکام مختص المقام کام کی قابلیت کے لحاظ سے اور غفلت یا ہمتیال ناجائز کے انداز کے اعتبار سے یا ہم کیا نسبت رکھتے ہیں اول تو مختص المقام انتظامی کمیٹیاں اور انکے مقرر کردہ حکام پارلیمنٹ اور قومی مجالس یعنی وزراء کی یہ نسبت عقل اور علم دونوں میں

یقیناً کم ہوتے ہیں۔ علاوہ کم لیاقت ہونے کے وہ عام رہے جو انکی نگران بنتی ہے اور جسکے وہ مواخذہ وار رہتے ہیں کم رتبہ اور کم ماوہ ہوتے ہیں اور وہ خاص مقام بخجکے پیش نگاہ وہ کام کرتے ہیں اور جو کئے کام پر نکتہ چینی کیا کرتے ہیں تعداد اور علم و فضل دونوں باتوں میں ان خاص و عام سے کم ہیں جو دار السلطنت میں حکام اعلیٰ یعنی وزراء کو گھیرے رہتے ہیں اور تنبیہ کیا کرتے ہیں۔ اور چونکہ مختص المقام اغراض قومی اغراض کی بہ نسبت خفیف ہوتے ہیں لہذا وہ کم رتبہ اور کم ماوہ خاص و عام بھی انپر حیدران توجہ والی مقامات نہیں کہتے۔ اور اخبارات اور عام بحث بھی مختص المقام معاملات میں بہت کم دست اندازی کرتے ہیں اور جو قدرے قلیل دست اندازی کرتے ہیں اسکا لحاظ مختص المقام حکام کی کارروائیوں میں نہایت حکام صدر کی کارروائیوں کے بہت کم کیا جاتا ہے۔ یہاں تک تو فائدہ اسی میں معلوم ہوتا ہے کہ مختص المقام امور کا انتظام بھی حکام صدر کیا کریں۔ لیکن غور کیا جائے تو ان ترجیح کے وجوہ کے مخالف جو وجوہ ہیں وہ بھی ایسے ہی قوی ہیں اگر مختص المقام حکام اور خاص و عام حکام صدر اور دار السلطنت کے باشندوں کی بہ نسبت انتظام کے اصول سے کم واقع ہیں تو اس عیب کی مکافات اس صفت سے ہو گئی ہے کہ انتظام کے نتیجے سے وہ صریح تعلق رکھتے ہیں ممکن ہے کہ آدمی کا ہمسایہ خود اس سے بہت زیادہ زمین ہو اور اسکی بہبود اور سرسبزی سے ایک تعلق ضمنی رکھتا ہو مگر باوجود ان سب باتوں کے وہ شخص اپنی اغراض جیسی توجہ خود کر گیا ویسی اسکا ہمسایہ نہیں کر گیا۔ قطع نظر اسکے اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ گورنر صدر اپنے خاص عمدہ داروں کے ذریعہ سے مختص المقام امور کا انتظام



کرتی ہے تو یہی وہ عمدہ دار مقام صدر میں تو کام نہیں کرتے ہیں بلکہ اس مقام خاص میں کام کرتے ہیں اور اگرچہ وہاں کے خاص و عام صدر کے باشندوں کی پسند کیسے ہی کم لیاقت ہوں تاہم اگر اپنے حکام کی نگرانی کرنے کا موقع ملتا ہے تو انھیں کو ملتا ہے اور انھیں کی عام رائے کا اثر یا تو ان کے افعال پر صراحت ہوتا ہے یا ان کی رائے کو رنٹ کو ان امور پر متوجہ کر دیتی ہے جنہیں حکام مذکورین کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ صرف نہایت شدید صورتوں میں ملک کی عام رائے کا اثر مختص المقام انتظام کے جزئیات پر پڑتا ہے اور اس سے کمتر عام رائے کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ مختص المقام عالم کو خوب سمجھ کر ان کا فیصلہ کرے۔ مگر مختص المقام عام رائے مختص المقام حکام پر خواہ مخواہ بہت زیادہ قوت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔ اکثر اوقات حکام مختص المقام اس مقام خاص کے مستقل باشندے ہوتے ہیں اور ان کو یہ موقع نہیں ہوتی ہے کہ جب حکومت اس مقام کی ہمارے پاس نہ ملے تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے اور یہ بھی فرض کر لیا گیا ہے کہ خود ان کی حکومت اس مقام خاص کے باشندوں کی مرضی پر موقوف ہے۔ اس باب میں طویل دینی کی کیا ضرورت ہے کہ حکام مختص المقام اشخاص اور شہیا کی تفصیل سے کم واقف ہوتے ہیں اور ان کی اوقات اور خیالات اور مورین اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ ان کو مختص المقام حالات کا اتنا اور ویسا علم بھی نہیں حاصل ہو سکتا ہے جو اس لیے ضرور ہے کہ شکایتوں کا فیصلہ کر سکیں اور حکام مختص المقام سے ان امور کو کر سکیں جن کے وہ ذمہ دار ہیں لہذا جزئیات کے انتظام میں عموماً مختص المقام کمیٹیاں ترجیح رکھتی ہیں مگر مختص المقام انتظام کے اصول کو سمجھنے میں گورنمنٹ صدر کو اوّلے و افضل ہونا چاہیے نہ صرف اس وجہ سے

کراش گورنمنٹ کے ارکان بڑے بڑے لائق و فائق لوگ ہیں اور صد ہا محققین اور مؤلفین جملہ اوقات میں مفید مضامین اُنکو سمجھا یا کرتے ہیں بلکہ اس سبب سے بھی کہ ہر ایک مختص المقام حاکم کا علم اور تجربہ ملک کے اُس حصہ پر جہاں کا وہ حاکم ہے اور اُسکے انتظام کے طریقوں پر محدود ہے مگر گورنمنٹ صد پاس ایسا ذریعہ موجود ہے جس سے وہ سارے ملک کے کوائف و حالات کو دریافت کر سکتی ہے بلکہ غیر ملکوں کے حالات کو بھی آسانی سے تحقیق کر سکتی ہے۔

ان مقدمات سے علی نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ جو حکام انتظام کے جزئیات سے خوب آگاہ ہیں وہ جزئیات کے منتظم رکھے جائیں۔ حکام صد کا خاں کام ہدایت کرنا ہے اور حکام مختص المقام کا کام اُس ہدایت کو جاری کرنا ہے حکومت خاص مقامات میں محدود ہو سکتی ہے مگر علم سے کامل فائدہ اُسوقت ہوتا ہے کہ جب وہ ایک ہی مقام پر جمع کر دیا جائے اور آفتاب علم کا مرکز کسی ایسے مقام پر ہو جہاں اصلی منفرد اور منتشر شاعین جمع ہو جائیں اور چار طرف سے مختلف اور رنگ برنگی کرین دہان پر جمع ہو کر صفات اور صفات ہو جائیں مختص المقام انتظام کے اُس شعبہ کو جو اعراض عامہ سے تعلق رکھتا ہو ایک منتظم صدر درکار ہے خواہ وہ وزیر ہو خواہ کوئی اور اہل کار و وزیر کی ماتحتی میں مقرر کیا جائے اگرچہ وہ اہلکار صرف اتنا ہی کام کرے کہ سب مقامات کا علم حاصل کرتا رہے اور ایک مقام پر جو کچھ تجربہ اُسکو حاصل ہوا ہو اُس سے دوسرے مقام پر جہاں اُسکی ضرورت ہو کام لے۔ لیکن حاکم صدر کو اسکے سواے اور کام بھی کرنا چاہیے۔ یعنی اُسکو لازم ہے کہ مختص المقام حکام سے ہمیشہ خط کتابت کا سلسلہ جاری رکھے

اور اُنکے تجربہ سے خود مستفید ہوا اور اپنے تجربہ سے اُنکو آگاہ کرے اور جب وہ اُس سے مشورہ طلب کریں تو آزادی سے مشورہ دے اور جب صلاح دینے کی ضرورت دیکھے تو خود اُنکو صلاح دیکھے اور اُنکی کارروائیوں کا اعلان اور اُنکو قلمبند کرے اور اُس نے اُس عام قانون کی اطاعت کرے جو کونسل و اضع قوانین نے مختص مقام انتظام کے باب میں بنایا ہو۔ اسکا انکار غالباً بہت کم لوگ کریں گے کہ ایسے قوانین مقرر کرنا لازم ہے۔ خاص مقامات اپنے خاص معاملات کا خراب انتظام کریں تو خیر حیدان مضائقہ نہیں ہے مگر اور مقامات کے انتظام کو خراب نہ کرنے پائین اور اُن اصول انصاف میں رخصہ اندازی کرنے پائین جس کو دو آدمیوں کے درمیان پرتنا چاہیے اور جنگی پابندی سختی سے لائی سرکار کو فرض ہے اگر مختص مقام فریق کثیر فریق قلیل کو دیا جاتا ہے یا ایک فرقہ دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا چاہے تو سرکار کو مداخلت کرنی لازم ہے مثلاً سب مختص مقام ٹیکسوں خاص کہ مقامی کمیٹی کا ووٹ لینا لازم ہے لکن اگرچہ اُس کمیٹی کو ٹیکس دینے والوں نے منتخب کیا ہے تاہم ممکن ہے کہ وہ اپنے علاقہ کے خراج کو بڑھانے کی غرض سے اس قسم کے ٹیکس باندھے یا ایسے طریقہ سے اُنکو تشخیص کرے کہ اُنکا باعشر بار یا امر یا اور کسی خاص فرقہ رعایا پر غیر واجب یا خلاص انصاف پڑے۔ لہذا کونسل و اضع قوانین پر فرض ہے کہ مختص مقام ٹیکسوں کی تعداد کو تو اُس مقام خاص کی کمیٹی کی رائے پر چھوڑ دے لکن ٹیکس باندھنے کے طریقوں کو اور مسکلی تشخیص کے قواعد کو عالمانہ طور سے مقرر کرے اور اُنکی پابندی کو مقامی کمیٹیوں پر لازم کر دے۔ پھر ملاحظہ کیجئے کہ خیرات کے مقدمہ میں کل مزدور مشیہ فرقوں کی محنت

اور اخلاق کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ خیرات چند اصول معینہ کے موافق دیجائے اگرچہ یہ امر قرار دینا کہ ان اصول کے موافق خیرات پانے کا سختی کون ہے اصل حکام مختص المقام کا کام ہے تاہم خود ان اصول کو مقرر کرنا قومی پارلیمنٹ کا کام ہے اور پارلیمنٹ اپنے فرض کے ایک جزو عظیم بن غفلت کر گئی اگر ایسے اہم قومی معاملین قطعی قواعد معین کر دی گئی اور ایسی تدبیر نہ کر دی گئی کہ ان قواعد سے عدول و اخراجات نہ سکے۔ اب رہا یہ امر کہ قوانین کو نافذ کرانے کی غرض سے دست اندازی کا کتنا اختیار منتظران مختص المقام کو دینا ضرور ہے سو یہ ایک جزئی مسئلہ ہے جس پر بحث کرنا فضول ہے۔ کیونکہ خود قوانین میں سزاؤں کی تعریف لکھ دی جائیگی اور ان کو نافذ کرانے کا طریقہ مقرر کر دیا جائیگا۔ بعض شدید صورتوں میں شاید اسکی ضرورت ہوگی کہ حاکم صدر کا اختیار تادیب سے بڑھ کر دیا جائے کہ مختص المقام انتظامی کمیٹی کو موقع یا مختص المقام حکام کو برطرف کر سکے مگر جدید تقررات کو عمل میں لانے یا مختص المقام دستورات کو معطل کر دینے کا اختیار حکام صدر کو نہ دیا جائے اور جہاں پارلیمنٹ نے دست اندازی نہیں کی ہے وہاں عالمانہ شعبہ کے کسی جز کو بھی دست اندازی نہ کرنی چاہیے مگر اس شعبہ کا یہ کام سب سے افضل ہے کہ مشیر اور مکتبہ چین اور قوانین کو نافذ کرنے والا ہے اور جن افعال کو قابل الزام سمجھتا ہے انکی شکایت پارلیمنٹ میں یا مختص المقام انتخاب کنندوں سے کرتا ہے۔

شاید بعض آدمی یہ خیال کریں کہ اصول انتظام کے علم میں حکام صدر حکام مختص المقام سے چاہے کیسے ہی افضل ہوں مگر عمل میں سے بہترین نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ آزاد رعایا کی صریح تعلیم ہی کا مسئلہ غور طلب نہیں ہے اور اگرچہ رعایا کی تعلیم

امور قدان اور امور سیاست میں ایک نہایت ضروری امر ہے مگر گورنمنٹ اور  
 انتظام کی غایت و غرض صرف یہی نہیں ہے۔ اس اعتراض سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ معترض کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھا ہے کہ آزاد رعایا کا انتظام امور سلطنت میں  
 داخل ہونا انکی پائیکل تعلیم کا ذریعہ کیونکر ہوتا ہے۔ وہ تعلیم خراب ہے جو ایک  
 جہالت کو دوسری جہالت کا شریک قرار دیکر دونوں کو اُنکے حال پر چھوڑ دے  
 کہ اگر لوگ علم کے جو بیان ہیں تو جہل کی تاریک راہ میں ٹوٹ ٹوٹ کر علم کے درد اذہ  
 خود ہی پہنچ جائینگے اور اگر اُنکے خواہاں نہیں ہیں تو خیر اُنکے بغیر ہی اپنا کام چلائیگی  
 ضرورت اس ذریعہ کی ہے جس سے جہلاء دینی جہالت سے واقف ہو کر علم سے  
 مستفید ہوں اور جو لوگ صرف معمولی کام سے واقف ہیں اُنکو اصول کے  
 موافق کام کرنے اور اصول کی قدر شناسی کرنے کی حادث پڑ جائے اور کام کے  
 مختلف طریقوں کا باہم مقابلہ کر کے اپنی عقل کے زور سے یہ دریافت کر لیں کہ  
 سب سے عمدہ طریقہ کام کرنے کا کیا ہے۔ جب ہم ایک عمدہ اسکول رکھنا چاہتے ہیں تو  
 مدرس کو اُس سے خارج نہیں کرتے ہیں مثیل مشہور ہے کہ جیسا اسٹرے دیسا ہی اسکول  
 بھی ہوگا مثیل ایچ آدیون کو سلطنت کا کام کھانے پر بھی اُسی طرح صادق آتی ہے  
 جس طرح نابالغ لڑکوں کو اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دینے پر صادق آتی ہے  
 وہ گورنمنٹ جو ہر ایک کو خود ہی کرنا چاہے بقول ایم چارلس دی ریویو ساٹھ  
 کے نمبر لڑا اُس مدرس کے ہے جو اپنے شاگردوں کا سب کام خود کرتا ہے اُسکے  
 شاگرد تو اُسکو بہت پسند کریں گے مگر اُسکی تعلیم سے اُنکو کچھ خاک بھی نہ آئیگا لکن خلاف  
 اسکے وہ گورنمنٹ جو اُس کام کو جسے اور کوئی کر سکتا ہے خود نہیں کرتی ہے

اور نہ کسی دوسرے شخص کو کوئی کام کرنا سکھاتی ہے مثل اُس اسکول کے ہے  
جس میں کوئی ماسٹر نہ ہو بلکہ بعض وہ طالب علم جنھوں نے خود کچھ نہیں سیکھا ہے  
(لوگوں کو پڑھاتے ہوں) (ع خستہ راختہ کے کند بیدار)۔

## سولھوان باب

اِس امر کے بیان میں کہ قومیت پختی گرنٹ سے کیا تعلق رکھتی ہے  
نوع انسان کی کوئی صنف قوم واحد کی مصداق اسوقت ہے جبکہ اُسکی  
افراد میں باہمی اتحاد اُن شرک ہمدردیوں کی وجہ سے ہو جو اُنکے اور غیر لوگوں کے  
درمیان نہیں پائی جاتی ہیں اور جبکہ باعث سے وہ یا ہم ملکر کام کرنے کی زیادہ  
خواہش رکھتے ہیں نسبت اُسکے کہ غیروں کے ساتھ شریک ہو کر کام کریں اور  
ایک ہی گرنٹ کا محکوم ہونا چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ گرنٹ خود  
انھیں کے ذریعہ سے یا اُنکے ایک جوئے کے ذریعہ سے ہو۔ قومیت کا یہ خیال  
مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ خیال قوم اور نسل کا ایک  
ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور زبان اور مذہب کا ایک ہونا بھی اس میں بڑا حصہ  
ہوتا ہے اور حدود و جغرافیہ کا ایک ہونا بھی اسکا ایک سبب ہے۔ مگر سب سے  
زیادہ سبب قومی پولیٹیکل حالات کا ایک ہونا ہے یعنی سب کی سرگذشت ایک ہو  
اور حالات ماضیہ سب کے ایک ہوں جگہ یا دکر کے افکار یا دلت اور مسرت یا سلق  
سب کو برابر ہو۔ مگر ان میں سے کوئی امر بھی قومیت کو ایسا لازم نہیں ہے کہ اُسکے بغیر  
قومیت کا تحقق ممکن نہ ہو۔ ان میں سے کوئی امر تو نفسہ قومیت کے وجود کو کافی ہے

مثلاً ملک سوئٹزر لینڈ کے باشندوں میں شدید حمیت قومی موجود ہے اگرچہ وہ مختلف قوموں کے ہیں اور انکی زبانیں اور مذاہب بھی مختلف ہیں سلی (جزیرہ صقلیہ) قومیت میں اپنے تین ٹیلیس سے ہمیشہ علیحدہ سمجھا گیا ہے حالانکہ دونوں کا مذہب و دونوں کی زبان بھی تقریباً ایک ہے اور دونوں کے تاریخی حالات بھی ایک ہی سے ہیں۔ ملک بلجیم کے دو صوبے یعنی فلیمش اور والون اگرچہ قوم اور زبانوں کے لحاظ سے مختلف ہیں تاہم ہم باہمی قومی یگانگت کا خیال اس سے قوی تر رکھتے ہیں جتنا سابق الذکر صوبہ ہالینڈ سے اور آخر الذکر صوبہ فرانس سے رکھتا ہے۔ تاہم جو اسباب حمیت قومی میں معین ہوتے ہیں انہیں سے کسی سبب نہ ہونے کی وجہ سے صفت ضعیف ہو جاتی ہے زبان اور لٹریچر (فن ادب) اور کسی قدر قوم اور حالات اضیہ کے ایک ہونے کی وجہ سے جرمنی کے حصوں میں قومیت کا خیال بہت قوی اور مضبوط رہا ہے حالانکہ وہاں کے باشندے کسی زمانہ میں ایک ہی گورنمنٹ کے محکوم نہیں تھے ہیں لیکن قومی یگانگت کا خیال اس حد تک کبھی نہیں پہنچا ہے کہ جرمنی کے مختلف صوبے اپنی خود سری اور مطلق العنانی سے دست بردار ہوتا چاہتے ہوں۔ اہل اطالیہ میں زبان اور فن ادب کے ایک ہونے کی وجہ سے یگانگت ہے گونا قص سہی مگر ساتھی اسکے ہنگام ملک (اطالیہ) اس مقام پر واقع ہوا ہے جو اور ملکوں سے بالکل علیحدہ ہے اور شاید ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ سارے ملک کا ایک ہی مشترک نام ہے جبکی وجہ سے وہاں کے باشندے خود مبادیات کرتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ہم نے علوم و فنون سپاہ گری

اور فن سیاست اور علم دین اور فن ادب میں کسی کسی ترقی بان کی عین اور کیا کیا کارناما یاں کیے تھے۔ پس ان امور کے تصور سے اطالیہ کے باشندوں میں استعداد قومی خیال یا حمیت قومی پیدا ہوئی ہے کہ گو وہ فی نفسہ ناقص سہی مگر اتنی تو ہے کہ اُس سے وہ واقعات عظیمہ و فروع میں آئے ہیں جو ہمارے سامنے گذر رہے ہیں حالانکہ اہل اطالیہ میں بہت سی قومیں مخلوط ہیں اور زمانہ گذشتہ پانچ سو سال میں وہ کبھی ایک ہی گورنمنٹ کی محکوم نہیں رہی تھیں الا اسوقت جبکہ وہ اطالیہ کی گورنمنٹ راج مسکون کے بہت بڑے حصہ پر محیط ہو گئی تھی یا ہوتی جاتی تھی۔

جہاں قومی یگانگت کا خیال کسی قدر قوت کے ساتھ موجود ہے وہاں بادی النظر میں یہ دعویٰ چل سکتا ہے کہ اُس قوم کے جملہ افراد باہم متفق ہو کر ایک ہی گورنمنٹ کے محکوم اور تابع ہو جائیں اور وہ گورنمنٹ خود انھیں کی ہو یہ قول بمنزلہ یہ کہنے کے ہے کہ گورنمنٹ کے مسئلہ کا فیصلہ خود محکومین کو کرنا لازم ہے اگرچہ انسان کے کسی صنف کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ انسان کی مختلف جماعتوں میں سے کس جماعت کا شریک ہو کر رہنا وہ پسند کرتے ہیں تو پھر اور کس چیز کو پسند کرنے کا اختیار انکو ہے۔ لیکن جب کوئی قوم آزاد گورنمنٹ کے لیے تیار ہو تب بھی ایک نہایت اہم امر غور طلب باقی رہتا ہے آزاد گورنمنٹ اُس ملک میں تقسیم یا غیر ممکن ہے جس میں مختلف قومیں رہتی ہوں۔ کیونکہ جب کسی ملک کے لوگوں میں قومی ہمدردی نہ ہو علی الخصوص جب انکی زبانیں بھی مختلف ہوں تو وہ متفق رہ سکتے ہیں۔

۱۵۔ اس سے روحہ اکبر علی کی سلطنت مراد ہے جو اگلے زمانہ میں سب سے بڑی سلطنت تھی ۱۳۔ مترجم



کیونکہ وہ اسباب جنسے راہنیں قائم ہوتی ہیں اور پولیٹیکل انفصال وقوع میں آتے ہیں اس ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کے باشندوں کے ایک جزو کو ایک قسم کے پیشواؤں کا اعتبار ہوتا ہے اور دوسرے جزو کو دوسرے قسم کے سرغنٹوں پر اعتماد ہوتا ہے۔ اور انکو ایک ہی قسم کی کتابیں اور اخبارات اور رسالے اور پمپین نہیں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور انکے ایک ٹکڑے کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ٹکڑے میں کیسی راہنیں یا کیسی خواہشیں دائر و سائر ہیں اور ایک ہی قسم کے حوادث اور ایک ہی قسم کے فعال اور ایک ہی طرز حکومت ان سب پر مختلف طریقوں سے اثر کرتا ہے۔ اور ہر ایک قوم کو دوسری قوم سے زیادہ تر ضرر پہنچنے کا خوف ہوتا ہے بہ نسبت اس گورنمنٹ کے جو ان دونوں پر حاکم ہے۔ اور جبکہ وہ ایک دوسرے سے حسد اور نفاق رکھتے ہیں اسقدر گورنمنٹ سے نہیں رکھتے ہیں اور جب ایک قوم بادشاہ وقت کی حکمت عملی کی شکایت کرتی ہے تو دوسری قوم اسکی تائید پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر سب قوموں کو حاکم وقت کے ظلم کی شکایت ہو تب بھی ایک دوسرے پر یہ بھروسہ نہیں کر سکتی ہے کہ حاکم وقت کے مقابلہ میں ہماری شرکت کوئی اور ایک قوم اتنی قوت نہیں رکھتی ہے کہ دوسری قوم کی اعانت کے بغیر حاکم وقت کا مقابلہ کر سکے اور ہر ایک قوم یہ خیال کرتی ہے کہ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ دوسری قوم کی مخالفت کریں تاکہ گورنمنٹ ہم سے رہی رہے اور ان سب باتوں سے بڑھکر یہ بات ہے کہ گورنمنٹ کی مطلق لغائی سے محفوظ رہنے کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ جو ہے وہ بھی اس صورت میں ہے۔

نہیں پایا جاتا ہے یعنی فوج رعایا کے ساتھ بھروسہ نہیں رکھتی ہے۔ ہر قوم کا فوجی حصہ وہ ہے جو سب سے زیادہ اپنے ہموطنوں میں اور غیروں میں فرق و امتیاز سمجھتا ہے۔ اور لوگوں کے نزدیک تو غیر ملک کے لوگ صرف جہنی ہوشیار مگر سپاہی کی نظر میں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جوقت سرکار کا حکم ہو اُسی وقت وہ انکی جان لینے اور اپنی جان دینے پر آمادہ ہو جائے۔ سپاہی کی نظر میں یہ فرق ایسا ہے جیسا دوست اور دشمن میں بلکہ یہ کہیے کہ جیسا ہمارے ملکی جانیوں اور جانوروں میں ہے کیونکہ دشمن کی نسبت سوائے نوار کے کوئی قانون نہیں ہے اور اس سے نرمی کرنے کا بھی وہی باعث ہے جو اور حیوانات سے ہے یعنی مردت اور خدا ترسی۔ وہ اہل فوج جنگی نظردن میں گورنمنٹ کی رعایا کا ایک نصف یا تین ربع غیر ملک ملے ہیں اس رعایا کو قتل و قمع کرنے میں اُس سے زیادہ دریغ نہ کریں گے نہ اُس سے زیادہ اس فعل کی وجہ دریافت کریں گے جتنا دشمنان قطعی کی نسبت کرتے۔ جس فوج میں مختلف قوموں کے لوگ ہوتے ہیں انہیں اور کوئی حساب الوطنی نہیں ہوتی ہے بجز اسکے کہ علم لشکر کے جان نثار ہوتے ہیں۔ زمانہ جدید کے کل تاریخی حالات اس پر شاہد ہیں کہ ایسی فوجیں آزادی کے حق میں جلاو رہتی ہیں۔ انہیں باہمی اتفاق کا باعث مرث اُنکے افسر ہیں اور وہ گورنمنٹ کا جبکہ وہ نوکر ہیں۔ اور اگر اُنکو کسی بات کا خیال رہتا ہے تو صرف اس بات کا کہ اپنے افسروں کا حکم مان لینا واجب ہے۔ جس گورنمنٹ کی پشتی پر اس قسم کی فوج ہو وہ انگیری کے جمیوں کو اٹلی میں اور اٹلی کے جمیوں کو ہسپانیہ میں اُتھانے کر کے دونوں ملکوں پر برابر حکومت کر سکتی ہے مگر صرف بڑے مشیر

جیسا غیر ملک کے پہننے والے فاتحون کا قاعدہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایسا فرق عظیم اس سلوک میں کرنا جو ہکوانے ہموطنوں کے کرنا لازم ہے اور اس برتاؤ میں جو ہکو اور بندگان خدا سے کرنا چاہیے جنہوں کو شایان ہے شائستہ لوگوں کو نہیں زیبا ہے اور اسکی تردید میں کوشش بلیغ کرنی واجب ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ مجھے زیادہ اس رائے کا کون مؤید ہے۔ مگر یہ مقصد جو ان سب مقاصد سے چمکے حصول کی کوشش انسان کر سکتا ہے اثر ہے تہذیب شائستگی کی موجودہ حالت میں اس طریقہ سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتا ہے کہ مختلف قومیں جو ایک ہی درجہ کی قوت نہیں کھتی ہیں ایک ہی گورنمنٹ کے تابع اور محکوم رکھے جائیں۔ تمدن کی وحشیانہ حالت میں کبھی کبھی اور یہی کیفیت پائی جاتی ہے یعنی اس صورت میں گورنمنٹ کو محکوم قوموں کی باہمی عداوتوں کو کم کرنے کی فکر ایسے رہتی ہے کہ ملک میں امن و امان رہے اور آسانی سے حکومت ہو سکے۔ لیکن جب چند قوموں میں ربط و تہاد قدرتی ہو جگہ تکلف اور تصنع پڑتی ہو اور انہیں آزاد گورنمنٹ ہو یا ایسی گورنمنٹ کی خواہش ہو تو گورنمنٹ کا فائدہ اس امیثن ہے جو اسکے باطل خلاف ہے یعنی اسکا فائدہ اس میں ہے کہ رعایا کی باہمی عداوتوں کو قائم رکھے بلکہ اور زیادہ کرتی رہے تاکہ وہ باہم اتفاق نہ کر سکیں اور رعایا کے ایک فرقہ کو گورنمنٹ دوسرے فرقہ کے غلام بنا لینے کا ذریعہ گردانے۔ چنانچہ آسٹریا کے بادشاہ نے مدت سے یہی دیرہ اختیار کیا ہے اور اسی کو اپنی حکومت کا بڑا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے انکی کیفیت و یامان کی بغاوت اور سنگری کی

لڑائی سے ساری دنیا کو معلوم ہو گئی ہے۔ الحمد للہ اب سلطنت اسٹریٹین ترقی کے  
ایسے آثار نمایاں ہیں کہ ایسی حکمت عملی میں کامیاب ہونا محال ہے۔  
برجنا و وجہ مذکورہ بالا آزاد گورنمنٹ کی ایک شرط ضروری یہ ہے گورنمنٹ کے  
حدود و محکوم قوموں کے حدود سے دراصل مطابق رہیں۔ لیکن عملی حالت میں بہت سے  
امور اس عام قاعدہ کے مخالف نظر آتے ہیں اول تو اس اصول کے نفاذ میں  
اکثر موانع جغرافیہ عارض ہیں۔ خود یورپ کے بھی بعض ایسے حصے ہیں جن میں مختلف قومیں باہم  
ایسی غلط ملط ہو گئی ہیں کہ مختلف گورنمنٹوں کے محکوم علاقہ نہیں رہ سکتے ہیں مثلاً صوبہ ہنگیری کی  
آبادی میں نگیار سلووک۔ کروئش۔ سربس۔ رومنس۔ اور بعض اضلاع میں  
جرمن۔ یہ سب قومیں باہم ایسی آمیختہ ہیں کہ انہیں جدائی ممکن نہیں ہے اور ان کو  
سوئے اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ضرورت پر نظر کر کے اور مساوی حقوق  
اور مساوی قوانین کی پابندی کو ارا کر کے یہ صلح و ہشتی بسر کریں۔ انکی غلامی کی حالت  
کی ابتداء صرف شکستہ ام سے ہے جبکہ ہنگیری کی آزادی اور خود سری مٹادی گئی اور چونکہ  
وہ سب ایک ہی بلا میں مبتلا ہیں لہذا اب ان کو اتفاق کی استعداد و آمادگی ہوتی جاتی ہے  
پرتشیا کے حصہ شرقی میں جو ایک نوآبادیستی اہل جرمن کی ہے وہ قدیم پولینڈ کے ایک  
حصہ کے حامل یعنی کی وجہ سے سلطنت جرمن سے الگ ہو گئی ہے اور چونکہ وہ بستی تہی  
قوت نہیں رکھتی ہے کہ اپنی ایک علیحدہ اور خود رائے گورنمنٹ مقرر کرے لہذا اگر حدود  
جغرافیہ کو قائم رہتا ہے تو یا تو وہ ایک غیر جرمن گورنمنٹ کی محکوم ہو جائیگی یا یہ کہ پولینڈ کا  
درمیانی ٹکڑا جرمنی کی عماری میں آجائیگا۔ ایک اور وسیع ملک جسکی آبادی میں  
اہل جرمنی کا غلبہ ہے اور جرمن صوبجات کو رلینڈ۔ استھونیا اور کونی

داخل ہیں ایسے مقام پر واقع ہے کہ جمہوری لیٹوؤنین سلطنت کا ایک جز ہو گیا ہے خود جرمنی کے مشرقی حصہ میں قوم لیٹوؤنین کی آبادی کثرت سے ہے یعنی صوبہ پومیریا میں اکثر اسی قوم کے لوگ ہیں اور صوبہ لیتھیا اور دیگر صوبیات میں کچھ اس قوم اور کچھ اور قوموں کے لوگ ہیں مالاٹینا سب سے زیادہ اتفاق ملک فرانس میں ہے مگر وہاں کے باشندے مجنس ہرگز نہیں کیونکہ علاوہ اُن غیر قوموں کے جو اس ملک کے سرحدوں پر آباد ہیں زبان اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس ملک کے دو حصے آبادی کے لحاظ سے ایک وہ حصہ ہے جسکے باشندے قدیم فرانسیسی اور رومی نسل سے ہیں اور دوسرا وہ حصہ ہے جس میں فرنگی اور برگنڈی اور اور قومیں کثرت سے رہتی ہیں۔ جب جغرافیہ کی ضرورتوں کا لحاظ کامل کر لیا گیا ہے تو اب ایک اخلاقی اور تمدنی امر کا خیال کرنا ضرور ہے۔ تجویز یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ممکن ہے کہ ایک قوم دوسری میں مل جل جائے اور اگر وہ قوم جو دوسری سے خلط ملط ہو گئی ہے پہلے ذلیل اور ناشائستہ قوم تھی تو اس اختلاط سے اُسکو بڑا فائدہ ہوا ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا ہے کہ ایک برٹن یا ایک بارساک کے حق میں یہ مفید نہیں ہے کہ ایک نہایت مذہب اور شائستہ قوم کے خیالات اور جذبات اُسکی طبیعت میں سما جائیں اور وہ فرانسیسی قوم کا ایک کن ہو کر فرانس کی آزاد رعیت کے جملہ حقوق بدرجہ مساوی حاصل کرے اور فرانسیسی گورنمنٹ کی حفاظت کے فوائد میں شریک ہے اور اُسکی شان و شوکت میں بھی اپنا حصہ پائے۔ یہ حالت اس سے تو لاکھ درجہ بہتر ہے کہ وہ لگے زمانہ کی وحشیانہ حالت میں گرفتار کسی پہاڑ کی کھو میں پڑا ہوا اپنے خیالی بادشاہ کا

کرے اور دنیا داریاں سے کچھ تعلق اور سروکار نہ رکھے یہی قول صوبہ ویس کے باشندوں اور اسکاٹ لینڈ کے کوہی آدمیوں پر بائین حیثیت کہ وہ قوم انگریز میں داخل ہو گئے ہیں صادق آتا ہے۔

جس کسی امر کے باعث سے مختلف قومیں باہم مخلوط ہو جائیں اور اُن کے اوصاف اور خصوصیات میں باہم خلط ملط ہو کر ایک اتحاد کی کیفیت پیدا ہو جائے وہ نوع انسان کے لیے مفید ہے۔ اور یہ کیفیت اس طرح سے نہیں پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ صورتیں بالکل متضاد ہی جائیں جیسے بہت سے نمونے یقیناً اپنی رہیں گے بلکہ اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ انکی شدت کم کر دی جائے اور افراد تو فرط کے درمیانی درجہ بھر دیے جائیں۔ دو غلے جانور دن کی طرح مخلوط قومیں بھی اپنے آباد اجداد کے مخصوص اوصاف اور خوبیاں وراثت پاتی ہیں اور انکی مخالفت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ حیوان کی برائیاں انہیں نہیں آنے پاتیں اور موروثی صفات کا اثر بہ نسبت حیوان کے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ انسان میں بدنی اور اخلاقی دونوں قوتیں ہیں اور حیوان میں بشر بدنی قوتیں ہیں ایسی مخالفت کا امکان چند مخصوص شرائط پر موقوف ہے اور مختلف اسباب کے جمع ہو جانے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

جو قومیں ایک ہی گورنمنٹ کی محکوم ہوں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو تعداد اور قوت میں برابر ہیں یا برابر نہیں ہیں۔ اگر تعداد اور قوت میں برابر نہیں ہیں تو جو قوم تعداد میں کم ہے تہذیب و شائستگی میں دوسری قوم سے اعلیٰ ہے یا دنیٰ فرض کیجیے کہ اعلیٰ ہے تو اس شرف و بزرگی کی وجہ سے دوسری قوم پر غالب آگئی ہے یا دوسری قوم نے محض اپنی طاقت بدنی سے اسکو مغلوب کر کے اپنا محکوم

بنایا ہے۔ یہ آخری شق انسان کے حق میں بہت مضر ہے اور سب مذہب قوموں کو لازم ہے کہ باہم متفق ہو کر اس بلا کو دفع کرنے کی کوشش کریں۔ خطہ یونان سلطنت مقدونیہ میں شامل ہو جانا دینا اور اہل دنیا کے لیے ایک مصیبت عظمیٰ تھی اور اگر یورپ کی کوئی بری سلطنت روس کی عداوت میں آجائے تو ایسی ہی قیامت کبریٰ برپا ہو جائے۔

اگر وہ قوم جو تعداد میں کم مگر مذہب و شائستگی میں زیادہ ہے اُس قوم پر جو تعداد میں زیادہ ہے غالب آجائے جیسا کہ اہل مقدونیہ نے یونان سے کمک لیکر بعض ممالک ایشیا کو مسخر کر لیا اور انگریزوں نے ہندوستان کو لے لیا تو مذہب و شائستگی کا بھلا ہوتا ہے لیکن اس صورت میں فتح اور مفتوح اکٹھا ہو کر ایک ہی آواز کو نمٹ کی محکوم نہیں رہ سکتی ہیں۔ اگر قوم فاتح اُس قوم کے ساتھ جو اُس سے کم ترقی یافتہ ہے آمیختہ ہو جائے تو خرابی ہو۔ بلکہ قوم فاتح کو لازم ہے کہ قوم مفتوح کو رعیت بنا کر اس پر حکومت کرے اور ایسی حکومت سے قوم مفتوح کا نفع یا نقصان اس پر متوقف ہے کہ آیا وہ قوم شائستگی کے اس درجہ پر پہنچ گئی ہے جہاں ایک آزاد گورنمنٹ کے محکوم ہونے سے نقصان ہے اور آیا قوم فاتح اپنی فضیلت کو اس طریقہ سے کام میں لاتی ہے جس سے یہ خیال ہو کہ قوم مفتوح کو ترقی کے اعلیٰ درجہ کے قابل بنا دیگی۔ اس امر خاص پر بحث باب آئندہ میں کی جائیگی۔

جب وہ قوم جسے دوسری قوم کو مغلوب کر لیا ہے تعداد اور ترقی دونوں میں اُس سے زیادہ ہے علی الخصوص جب قوم مفتوح تھوڑی سی ہے اور اپنی خود سری کو از سر نو قائم کرنے کی امید نہیں رکھتی ہے تو اس صورت میں اگر اس پر حکومت کسی قدر انصاف کے ساتھ کی جائے اور اگر قوم فاتح کے آدمیوں کو ایسے خاص حقوق دیے جائیں

کہ قوم مفتوح اُسے جلنے لگے تو جو قوم تھوڑی سی ہے وہ رفتہ رفتہ ایسی حالت سے بڑھ کر  
اُس قوم میں جبکی کثرت ہے آہستہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً گوئی باس برٹن پاشمین آہل  
دراہمی خواہش نہیں رکھتا ہے کہ فرانس سے علیحدہ ہو جائے اور اگر آئرلینڈ کے  
سب لوگوں کی یہی خواہش انگلینڈ کی نسبت نہیں ہے تو اسکی کوجہ کچھ تو یہ ہے کہ  
اہل آئرلینڈ خود اس کثرت سے ہین کہ اپنی ایک علیحدہ قوم بنا سکتے ہین مگر اسکی وجہ  
وجہ یہ ہے کہ چند سال اُدھر تک اپنا ایسے ظلم و تعدی کجائی تھی کہ انکے اچھے  
اور بڑے سب خیالات نے جمع ہو کر قوم سیکسن کی حکومت کا عدوے جان  
اُکھوتا دیا تھا۔ اسہین انگلینڈ کی بڑی ذلت و رسوائی تھی اور کل سلطنت انگریزی  
کے لیے ایک آفت تھی لکن الحمد للہ تقریباً ایک پشت گزری ہے جسے یہ کیفیت  
بالکل جاتی رہی ہے اور اب گوئی آئرلینڈ کا آدمی انگلینڈ کے لوگوں سے  
کم آزاد نہیں ہے اور ہر ایک فائدہ میں اُسکا ملک یا وہ خود اُس سے کم حصہ  
نہیں پاتا ہے جتنا اُس حالت میں پاتا کہ اگر سلطنت انگریزی کے اور کسی حصہ میں  
پیدا ہوا ہوتا اور اب آئرلینڈ والوں کو صرف اتنی شکایت باقی ہے کہ چرچ  
یعنی کلیسا کو سرکار سے کیوں تعلق ہے لکن یہ شکایت ایسی ہے جسین برٹن اعظم کی  
نصف خلقت انکی شریک ہے اور اب پہلی سرگزشت کو یاد کر کے باجوہ مذہب  
غالبہ انکے قناعت کا خیال کر کے آئرلینڈ والے انگلینڈ کی شکایت کربن تو خیر و زلیب  
اور کوئی کڑا یا سناہین ہے جو ان قوموں میں تفرقہ اندازی کر سکے جو شاید دنیا کی سب  
قوموں سے زیادہ اسکی لیاقت رکھتے ہین کہ ایک قوم دوسرے کے منہم یعنی تکمیل کرنے کی ہے  
اب آئرلینڈ کے لوگوں کو یہ خیال ہوتا جاتا ہے کہ جسے مساوی وجہ کا انصاف ہی نہیں کیا جاتا ہے



بلکہ مساوی درجہ کی رعایت بھی کیجاتی ہے اور اس باعث سے وہ خیالات اُنکے  
دل سے نکلتے جاتے ہیں جنکے سبب وہ اُن فوالمکا اور انکے کر سکتے تھے جو اُس قوم کو  
جو نقد اور دولت میں کم ہے اُس قوم سے حاصل ہوتے ہیں جو اُس سے کچھ غیریت  
نہیں رکھتی ہے اور اُنکے ہمسایہ میں رہتی ہے اور دنیا کی سب قوموں نے یادہ متول  
اور آزاد اور شائستہ اور زبردست ہے۔

بعض صورتوں میں مختلف قوموں کی آمیزش میں بڑے بڑے عملی مولف پیش آتے ہیں  
ایک صورت یہ ہے کہ وہ قوین جنہیں آمیزش ہوئی ہے تعداد میں اور دیگر لوازم حکومت میں  
تقریباً برابر ہوں اور ہر قوم اپنی طاقت پر بھروسہ کر کے اور اپنے تئیں اور قوموں کا مقابلہ  
کرنے کے قابل سمجھ کر انہیں پیختہ ہو جانا نہ گوارا کرے بلکہ دھوکا و دش سے اپنی مخصوص  
صفتوں کو ترقی دے اور قومی اختلافات کو بڑھانے کے لیے متروک رسوم کو جاری کرے  
اور مردہ زبانوں کو دوبار زندہ کرے اور ایک قوم کے حکام دوسری قوم پر حکمرانی  
کریں تو یہ محکوم قوم اسکو بظلم سمجھے اور جو کچھ ایک قوم کو دیا جائے اسکو اور قوین سمجھیں  
کہ جسے لیکر اسکو دیا گیا ہے اور جب وہ قوین جنہیں ایسے اختلافات موجود ہوں اُس مطلق لغت  
گویش کی محکوم ہوں جو سب کی غیر ہو یا جو انکی ہم قوم ہو مگر قومی ہمدردیوں سے  
زیادہ اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کر کے انہیں سے کسی قوم سے کچھ رعایت نہ کرے  
بلکہ اپنے اہلکاروں کو سب قوموں میں سے بلا امتیاز مقرر کرے تو چند ہشتون میں جمیش کے  
ایک ہونے کی وجہ سے اکثر اتفاق پیدا ہوتا ہے اور مختلف قوین ایک دوسرے کو اپنا  
ہوٹن سمجھنے لگتی ہیں علی الخصوص اسوقت جبکہ وہ سب ایک ہی ملک میں جا بجا  
سکونت پذیر ہوں لیکن اگر انکو گولڈسٹ کی آزد و کرنے کا زمانہ اس آمیزش کے نفع کے

میشتر آجائے تو اس آمیزش کا موقع جاتا رہیگا۔ اگر غیر غلطوہ تو مومن میں جدوجہد فارق ہوں علی الخصوص اگر انکی مقامی حیثیت ایسی ہو کہ ان سب کا ایک ہی گورنمنٹ کا محکمہ بننا مناسب یا آسان نہ ہو (جیسے مثلاً اطالیہ کا کوئی صوبہ جرمنی یا فرانس کی عملداری میں آجائے) تو اس صورت میں انکو باہم قطع تعلق کر لینا صرف مناسب ہی نہیں ہے بلکہ اگر آزادی یا اتفاق قائم رکھنا منظور ہے تو قطع تعلق کر لینا ضرور ہے۔ ایسی صورتیں بھی ممکن ہیں جنہیں چند صوبجات علیحدہ ہونے کے بعد باہمی اتفاق کی شکل پیدا کر لین جس سے سب کو فائدہ ہو لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر چند قومیں کامل خود مختاری سے دست بردار ہو ایک ہی سلطنت متفقہ کی ارکان ہونا چاہیں تو انہیں سے ہر ایک قوم کسی اور قوم سے جو مشترک ہمدردیاں رکھتی ہے گو مشترک اغراض نہ رکھتی ہو تعلق کر لینا پسند کرے گی۔

## سترھواں باب

متفقہ پنجابی گورنمنٹوں کے بیان میں

نوع انسان کے وہ حصے جو ایک ہی اندرونی گورنمنٹ کے محکمہ ہونے کی لیاقت یا مرضی نہیں رکھتے ہیں ان تعلقات کی نسبت جو وہ غیر قوموں سے رکھتے ہیں اکثر فائدہ کے ساتھ باہم اتفاق کر کے اپنی ایک گورنمنٹ بنا لیتے ہیں اور انکا مقصد اس اتفاق سے یہ ہوتا ہے کہ اسپین جنگ جبل نہونے پائے اور زبردست سلطنتوں کی دست درازی سے بخوبی محفوظ رہیں۔

ایسے اتفاق کا مناسب ناچند شرائط پر موقوف ہے پہلی شرط یہ ہے کہ ان

قوموں میں باہمی ہمدردی بمقدار کافی ہو۔ اس اتفاق سے اپنے فرض ہو جاتا ہے کہ ہمیشہ ایک ہی فریق کی طرف سے لڑیں اور اگر انکے خیالات ایک دوسرے کی نسبت ایسے ہیں یا اپنے قرب و جوار کی قوموں کی نسبت انکے خیالات ایسے مختلف ہیں کہ وہ عموماً فریق مخالفت کی طرف سے لڑنا پسند کرتے ہیں تو ایسی حالت میں رشتہ اتفاق عن البا مدت تک باقی رہیگا اور جب تک قائم رہیگا انکی پابندی اچھی طرح نہ کی جائیگی۔ اس نکتہ کے لیے جو ہمدردیان درکار ہیں وہ قوم اور زبان اور مذہب سے اور ان سے بھی زیادہ آئین سیاست سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ سب سے زیادہ آئین سیاست سے پولیٹیکل اغراض کے ایک ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ جب چند آزاد سلطنتوں کو جو علیحدہ علیحدہ اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتی ہیں وہ شانِ خجہ جو اپنے ہمسایہ کی آزادی کو بھی بڑا اور ذلیل سمجھتے ہیں چاہتے ہیں گھیر لیں تو ان سلطنتوں کو اپنی آزادی اور انکی نعمتوں کو بچانے کی اور کوئی تدبیر نہیں ہے بجز اسکے کہ باہم اتفاق کر لیں۔ اس سبب سے جو غرض مشترک پیدا ہوئی ہے وہ صد ہا برس کے عرصہ سے ملک سوئٹزر لینڈ میں رشتہ اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے کافی پائی گئی ہے باوجودیکہ اس ملک میں اختلافات مذہب اس زمانہ میں تھا جبکہ تمام ممالک یورپ میں یہ اختلافات لاعلاج پولیٹیکل عداوت کا سبب تھی تھا اور باوجودیکہ اس نفس اتفاق کی ترکیب میں بڑا نقص موجود تھا اور حالانکہ امریکا میں وہ سب شرائط خیر ایسے اتفاق کا قائم رہنا موقوف ہے بدرجہ اتم داخل موجود تھے مگر صرف ایک عیب تھا کہ بردہ فروشی کی نسبت وہاں کا آئین مختلف تھا پس یہی ایک اختلاف بڑھنے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ سلطنت متفقہ کے دونوں حصوں کی باہمی ہمدردیان زائل ہو گئی ہیں اور اس رشتہ اتحاد کا جو ان دونوں کے حق میں نہایت عظیمی ہے۔

قائم رہنا یا ٹوٹ جانا ایک شدید اندرونی لڑائی کے نتیجہ پر موقوف ہے۔  
 متفقہ گورنمنٹ کے قیام و استحکام کی دوسری شرط یہ ہے کہ مختلف صوبجات میں  
 شامل ہیں وہ علحدہ علحدہ اتنی قوت نہ رکھتے ہوں کہ غنیم کے حملہ سے اپنے تئیں بچانے کے لیے  
 اپنی ذاتی طاقت پر بھروسہ کر سکیں۔ کیونکہ اگر وہ اتنی طاقت رکھتے ہیں تو انکو غالباً  
 یہ خیال ہوگا کہ اور دن کے ساتھ اتفاق کرنے سے جتنا فائدہ ہوگا ہے اُس نے زیادہ  
 نقصان اپنی آزادی فعل کو ترک کر دینے سے ہے۔ لہذا جب کبھی سلطنت متفقہ کی حکمت عملی  
 اُن امور میں جبکہ تصفیہ اس سے مخصوص کر دیا گیا ہے اُس حکمت عملی سے مختلف ہوگی جو  
 اس سلطنت کا کوئی کرکن علحدہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو چونکہ اُس اتفاق کو قائم رکھنے کی  
 کسی کو کما حقہ فکر نہیں ہے لہذا اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ جرنی اختلافات یہاں تک  
 بڑھ جائیگا کہ آخر کو وہ سلطنت متفقہ زائل ہو جائیگی۔

تیسری شرط جبہلی دو شرطوں سے کم نہیں ہے یہ ہے کہ مختلف صوبے جو  
 باہم عہد و پیمان کرنا چاہیں انکی قوت میں تفادیت عظیم نہ ہو۔ یہ سچ ہے کہ اُن سب کی قوتیں  
 بعینہ ایک درجہ یا قسم کی نہیں ہو سکتی ہیں۔ بلکہ سب متفقہ سلطنتوں کے ارکان کی قوت  
 مختلف درجہ کی ہوگی یعنی انہیں سے بعض اور دن کی نسبت زیادہ آباد اور متمول اور  
 شائستہ ہونگی مثلاً صوبہ نیو یورک اور صوبہ رمہوڈ کے لینڈ یا صوبہ ہرن اور صوبہ  
 رگ میں آبادی اور متمول کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ ضرورت صرف اتنی بات کی ہے  
 کہ انہیں سے کوئی صوبہ ایسی قوت کثیر نہ رکھتا ہو کہ بہت سے صوبوں کی مجموعی طاقت کا  
 مقابلہ کر سکے۔ اگر ایسا ایک ہی صوبہ ہو تو وہ یہی چاہیگا کہ مشترک کونسل میں یہیں غالب  
 رہیں اور اگر ایسے دو صوبے ہوں گے تو جب وہ باہم اتفاق کر لینگے کوئی اُنکا مقابلہ

نہ کر سکیگا اور جب کبھی اُنہیں اختلاف ہوگا تو اُنہیں ہر امر پر جھگڑا ہوگا اور جو غالب رہے گا اُسی کی رائے کے موافق فیصلہ ہوگا۔ صرف ایک ہی سبب جسمیں بندہ کو کالعدم کرنے کے لیے کافی ہے قطع نظر اسکے کہ اُس صوبہ کا اندرونی انتظام بہت خراب ہے۔ اس سے سلطنت متفقہ کا کوئی مقصد ہی نہیں برآتا ہے۔ اور اس جرمنی کو کیسان قاعدہ محصول کا کبھی نہیں ملا ہے بلکہ کیسان سکھ بھی اُسکو نہیں نصیب ہوئے ہیں اور اس سے آسٹریا اور پرتگال کو ایک قانونی حق اس بات کا حاصل ہو گیا ہے کہ اپنی فوجوں کو اُس ملک میں ایسے آبا کرین کر اُنکی اعانت سے ان کے بادشاہ اپنی رعایا سے ایک مطلق العنان سلطنت کی اطاعت کرائیں اور بیرونی معاملات میں بندہ کی کیفیت ہے کہ اگر آسٹریا نہ ہوتا تو ساری جرمنی کو پرتگال کا ایک صوبہ بنا دیتا اور اگر پرتگال نہ ہوتا تو جرمنی کو آسٹریا کا ایک صوبہ بنا دیتا۔ باغفل اس صوبہ (بندہ) کے ہر ایک چھوٹے چھوٹے بادشاہ کو اور کچھ نہیں بن پڑتا ہے سو اس کے پرتگال یا آسٹریا کا طرفدار بنانا ہے یا دونوں کی ضرر رسانی کے لیے غیر سلطنتوں سے سازش کرنا ہے۔

سلطنت متفقہ کو قائم کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ایسی سلطنت کے ارکان فقط اُنکی گورنمنٹوں کے قائم مقام ہوں اور اُنکے افعال کی پابندی صرف گورنمنٹوں کو دو جب ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُنکو ایسے قوانین بنانے اور ایسے احکام صادر کرنے کا اختیار دیا جائے جنکی پابندی رعایا کو فرداً فرداً واجب ہو۔ پہلی صورت تو سلطنت متفقہ جسمیں کی ہے اور قبل عہدہ کے سوئٹزرلینڈ کی سلطنت کی تھی۔ اسکی آزمائش چند سال تک امریکا میں بعد میں ہونے لگی جسکے

ہوئی تھی جو شمالی اور جنوبی امریکا میں خود مختاری کی بابت ہوئی تھی۔ دوسرے اصول وہ ہے جس پر مالک متفقہ امریکا کی موجودہ سلطنت کا دار و مدار ہے اور دس بارہ برس سے سوئٹزرلینڈ کی سلطنت متفقہ نے بھی اس اصول کو اختیار کیا ہے۔ مالک متفقہ امریکا کا مشترک کانگریس ہر ایک ملک یا صوبہ کی گورنمنٹ کا ایک متقل جز ہے۔ اور اپنے اختیارات کے حدود کے اندر ان قوانین کو بنا تا ہے جس کی اطاعت عایا فروغ و ذکر کرنی اور ان قوانین کی تعمیل اپنے خاص افسرین کے ذریعہ سے کرتا ہے اور اپنی خاص عدلیوں کے ذریعہ سے انکو نافذ کرتا ہے۔ صرف ایک ہی ایسا اصول ہے جس کی بناء پر ایک عمدہ اور جید سلطنت متفقہ قائم ہوئی ہے یا ہو سکتی ہے۔ اگر صرف گورنمنٹوں میں اتفاق ہو جائے تو وہ اتفاق ناقص ہوگا اور وہ سب نقصانات اٹھیں ہونگے جسے اس قسم کا اتفاق قابل اعتبار نہیں رہتا۔ اگر پریسیڈنٹ یا کانگریس کی کارروائیوں کی پابندی صوبہ نیویورک صوبہ ورجینیا یا صوبہ ہسٹونیا کے فقط گورنمنٹوں کو واجب اور ان کارروائیوں کی تعمیل صرف ان احکام کے ذریعہ سے ہو سکے جو ان گورنمنٹوں نے اپنے مقرر کیے ہوئے ان حکام کے نام صادر کیے ہوں جو انھیں کی مقرر کردہ عدالتوں کے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں تو متفقہ گورنمنٹ کے ان احکام کی تعمیل کبھی نہ ہوگی جو کسی مقام خاص کے اکثر باشندوں کو ناگوار ہوں اور جو احکام کسی گورنمنٹ پر صادر کیے جائیں انکو منظور یا نہ کرانے کا کوئی ذریعہ سوچا جگ کے نہیں ہے۔ لہذا ایک فوج کو ہر وقت خاص اسلحہ تیار رہنا پڑے گا کہ متفقہ گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل ہر ایک سرکش صوبہ سے لڑائے اور ظن غالب اس بات کا ہے کہ اور صوبجات امن متمر و صوبہ کے ساتھ ہمدردی کریں گے اور شاید

امرتنازع فیہ میں اُس سے اتفاق رائے کریں اور اگر اپنی فوجوں کو اُن فرمانبردار  
صوبہ کی طرف سے لڑنے کو بھیجیں تو اُس سے لڑنے کو بھی نہ بھیجیں۔ ایسا اتفاق  
غالباً اندرونی لڑائیوں کا سبب ہوگا مانع نہ ہوگا اور اگر مشاعرہ کے دفعات سے  
بیشتر سوئزرلینڈ میں ایسے اتفاق کا یہ اثر نہیں ہوا تو صرف اسوجہ سے نہیں ہوا  
کہ اُس ملک کی متفقہ گورنمنٹ نے اپنے تئیں کمزور یا حکمرانی کرنے کی کوشش ہی نہیں کی  
امریکا میں بھی ایک متفقہ گورنمنٹ اسی اصول پر قائم کی گئی تھی مگر نہ چل سکی اور پہلے ہی جنرل  
کی مدت میں شکست ہو گئی خیریت یہ ہوئی کہ وہ اہل علم اور صاحبانِ اقتدار جنہوں نے  
سلطنت جمہوری کی خود سری کی بناء ذالی تھی اسوقت تک زندہ تھے اور انہیں کی  
ہدایت سے اُس ملک نے اس صعب مرحلہ کو طے کیا۔ چنانچہ فدرلسٹ  
اُس سال کا نام جسے وہ مضامین میں جہن جو انہیں میں سے تین نامی آدمیوں نے  
متفقہ گورنمنٹ کی توضیح اور تائید میں اسوقت لکھے تھے کہ مہنوز اسکو قوم نے منظور کیا تھا  
اس سال سے بہتر اور مفید ترجیح کل بھی کوئی کتاب متفقہ گورنمنٹ کے بیان میں نہیں ہے  
جرمنی کی سلطنت میں ایک ناقص قسم کا اتفاق ہے جسکو سب جانتے ہیں کہ شراکت  
مقصد بھی اُس سے کبھی نہیں برآیا ہے۔ اور وہ اتفاق ایسا ہے کہ یورپ کی کسی  
لڑائی میں متفقہ سلطنت کے کسی رکن کو اس امر سے مانع نہیں ہوا ہے کہ غیر سلطنتوں کا  
شریک ہو کر متفقہ سلطنت کے دیگر ارکان سے آمادہ جنگ ہوا ہے۔ تاہم خصوصی سلطنتوں  
میں اس قسم کا اتفاق ممکن معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی سلطنت موروثی ہے  
نیا تہی نہیں ہے اور جو اُس سے خارج یا محروم نہیں ہو سکتا ہے اور نہ کسی کا ذمہ دار  
ہو سکتا ہے غالباً ایک علیحدہ فوج رکھنے سے باز نہ آئے گا اور نہ یہ گوارا کرے گا کہ کوئی اور

حاکم اسکی رعایا پر بغیر اسکے واسطہ یا ذریعہ کے حکومت کرے۔ جب دو یا زیادہ ملک ایک ہی بادشاہ کے زیر حکومت ہوں تو انکو باہم متفق کر کے ایک متفقہ سلطنت کی کیفیت پیدا کرنا اس پر موقوف ہے کہ وہ سب ایک ہی بادشاہ کے محکوم رہیں مثلاً انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ پہلے ایک ہی بادشاہ کے زیر حکومت کر لیے گئے پھر تقریباً سو برس کے بعد انکی پارلیمنٹیں بھی ایک کر لی گئیں اور اس سو برس کے عرصہ تک ان دونوں ملکوں کی سلطنت اسی قسم کی متفقہ سلطنت رہی جیسی جرمنی کی ہے۔ اور اس متفقہ سلطنت کی قوت کا دار و مدار کسی خاص آئین پر نہ تھا کیونکہ ایسا کوئی آئین موجود نہ تھا بلکہ اس امر پر تھا کہ ایک عرصہ دراز تک ان دونوں سلطنتوں میں بادشاہ کو پوری خود سری اور مطلق السانیت حاصل رہی اور دونوں ملکوں کی حکمت عملی ممالک غیر کی نسبت ایک ہی شخص یعنی بادشاہ کی مرضی کے تابع رہی۔

مذکورہ بالا طریقہ سے کامل طور پر متفقہ سلطنت کا وہ ہے جس سے ہر ایک صوبہ کے ہر ایک باشندے کو دو گورنمنٹوں کی اطاعت کرنی واجب ہو ایک اپنے خاص صوبہ کے گورنمنٹ کی اور دوسرے صوبہ کے متفقہ گورنمنٹ کی۔ مگر اس صورت میں صحت یہی ضرور رہیں ہے کہ ہر ایک صوبہ کے گورنمنٹ کے اختیار کے قانونی حدود کی تعریف ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف بیان کر دی جائے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جب وصوبوں میں سپہیں کوئی جھگڑا ہو جائے تو اسکا فیصلہ کرنے کا اختیار ان سے کسی گورنمنٹ کو نہ ہونے لگے کسی تخت عہدہ دار کو ہو بلکہ ایک سربراہ کو ہو جو ان دونوں سے کچھ تعلق نہ رکھتا ہو سلطنت متفقہ کے ہر ایک صوبہ میں ایک عدالت العالیہ اور اس کے ماتحت عدالتیں ہونی چاہئیں اور اس قسم کے تنازعات اور مقدمات انہیں دائر کے جائیں



اور جو فیصلہ وہ مراخذ آخری میں کر دین وہ ناظرین اور قطعی سمجھا جائے سلطنت متفقہ کا ہر ایک صوبہ اور متفقہ گورنمنٹ اور اس کا ہر ایک عہدہ دار منوجب اس امر کا ہو کہ اس پر مذکور وہ بالا عدالتوں میں اس بات کی نالاش کی جائے کہ اپنے اپنے اختیارات سے تجاویز کیا ہے یا اپنے فرائض منصبی کو نہیں ادا کیا ہے اور عموماً اس بات پر محسوس کیا جائے کہ سلطنت متفقہ میں جو حقوق رکھتا ہے انکو انھیں عدالتوں کے ذریعہ سے نافذ کر لے۔ اس سے وہ حیرت انگیز نتیجہ نکلتا ہے جو مالک متفقہ امریکا میں فی الواقع ظاہر ہوا ہے یعنی وہاں عدالت کو ہر ایک صوبہ کے گورنمنٹ اور سب صوبوں کے مجموعی گورنمنٹ پر اختیار کی حاصل ہے اور عدالت اعلان کرنے کا حق رکھتی ہے کہ انکا بنایا ہوا قانون یا انکی فلاں کارروائی ان اختیارات سے باہر ہے جو انکو امین سلطنت میں دیے گئے ہیں لہذا قانون نافذ جائز ہے۔ جب تک اس قاعدہ کی آزار نشت نہیں مونی تھی بڑا تشاکس باب میں تھا کہ دیکھیے عہدہ آرمین یہ قاعدہ کیسا نکلتا ہے اور آیا عدالت اپنے آئینی اختیار کو عمل میں لانے کی جرات کرے گی اور اگر جرات کرے گی تو آیا اس اختیار کو دشمنی سے عمل میں لائے گی اور آیا وہاں کی گورنمنٹیں عدالت کے فیصلہ کو بلا عذر قبول منظور کر لیں گی پہلے مالک متفقہ امریکا کے امین سلطنت پر جو بحثیں ہو چکی ہیں تب قطع طور سے منظور کیا گیا ان بحثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ایسے شکوک ہوتے مگر اب یہ شکوک بالکل رفع ہو گئے ہیں کیونکہ اسکے بعد جو دو تین چار گزری ہیں انھیں کوئی ایسا امر نہیں وقوع میں آیا ہے جس سے ان شبہات کی تصدیق ہوئی ہو حالانکہ ہر ایک صوبہ کے گورنمنٹ اور کل صوبیاریت کے مجموعی گورنمنٹ کے اختیارات کے حدود کی نسبت کبھی کبھی بڑی قیامت کے بھگڑے ہوئے ہیں اور عجیب غریب عہدہ عہدہ آرمین نہایت

منفی ثابت ہوا ہے اور اسکا باعث ایم ڈی ٹاکول صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ عدالت دارالانصاف ہے اور اسکی خاصیت یہ ہے کہ اپنے ذہن سے کوئی قانون نہیں گڑھ لیتی ہے بلکہ اسوقت تک انتظار کرتی ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی شائع پیدا ہوتا ہے اور عدالت کے سامنے وہ مقدمہ عدالتا جیٹ سے پیش ہوتا ہے اور امر متنازع فیہ ہمیں موجود ہوتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مباحثہ کی ابتدا درجہ میں عدالت اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کرتی ہے بلکہ پہلے عموماً لوگ اُسے جو بحث کر لیتے ہیں اور طرفین کے نامی و گرامی و کلاخوب حجت اور دلیل کر لیتے ہیں تب بھی عدالت امر متنازع فیہ کے صرت اُس جز کا فیصلہ کرتی ہے جسکے فیصلہ کرنے کی ضرورت اُسوقت ہے اور عدالت پولیٹیکل مقاصد کے لیے خود نہیں فیصلہ کرتی ہے بلکہ یہ سمجھ کر فیصلہ کرتی ہے کہ متخاصمین کے درمیان بلارے رعایت انصاف کرنا ہمارا وہ فرض ہے جسکی تعمیل سے ہم انکاء نہیں کر سکتے ہیں۔ عدالت کے اعتبار کے یہ وجوہ بھی ایسے کافی نہ ہوتے کہ مالک متفقہ امریکا کے آئین سلطنت کے جو غیر بان کے سپریم کورٹ یعنی عدالت العالیہ نے اپنے فیصلوں میں بیان کی ہے اُسکو سب اہل خبرت نے بڑی تعظیم سے قبول کر لیا ہے اگر عدالت العالیہ موصوفہ کے ججون کے اعلیٰ درجہ کی لیاقت علی پر اُنکو اعتراف دے دے تو امریکا اس بات کا یقین کامل کو نہوتا کہ ججان موصوفین فاتی اور فوقی جنبہ داریوں سے بالکل بری ہیں اور ان ججون کی لیاقت اور عدالت پر جو بھروسہ کیا گیا ہے اُسکی تصدیق ہوگئی ہے کہ بجا کیا گیا ہے۔ مگر امریکا کے لوگوں کو اس سے زیادہ کوئی امر و جب و لازم نہیں ہے کہ نہایت توجہ اور بیدار مغزی کے ساتھ دیکھتے رہیں کہ کوئی ایسا امر نہ وقوع میں آئے جس سے ذرا بھی احتمال اس بات کا ہو کہ اس عظیم الشان قومی محکمہ کی مثل

اور خرابی کا باعث ہو گا۔ وہ اعتبار جمہوریتفقہ سلطنتوں کا قیام اور استحکام موقوف ہے پہلی مرتبہ اُس فیصلہ کی وجہ سے کم ہو گیا تھا جمہوریت عدالت نے یہ ظاہر کیا تھا کہ بردہ فرو کا حق چونکہ سب کے حاصل ہے لہذا بردہ فروشی اُن ممالک میں درناخالیکہ وہ اتبک باقاعدہ سلطنتیں نہیں مقرر کی گئی ہیں جائز ہے اگرچہ یہ امر نئے اکثر باشندوں کی مرضی کے خلاف ہو۔ اسی یادگار فیصلہ کا نتیجہ غالباً یہ ہوا تھا کہ یہ فریق اختلاف یہاں تک بڑھ گیا کہ آخر کو اندرونی جنگ چھل کی نوبت پہنچی ممالک متفقہ امریکا کی سلطنت جس ستون پر قائم ہے وہ اتنا مضبوط نہیں ہے کہ ایسا ایسے بہتے صدمے اٹھا سکے۔

جو عدالتیں ہر ہر صوبہ کی گورنمنٹ اور صوبے بون کے مجموعی گورنمنٹ کے درمیان سرنچرین کا کام کرتی ہیں وہی اُن تنازعات کا بھی فیصلہ کرتی ہیں جو درمیان دو صوبوں کے یا درمیان ایک صوبہ کے باشندے اور دوسرے صوبے کے گورنمنٹ پیدا ہوتے ہیں۔ قومی تنازعات کا معمولی علاج جنگ حقیقی یا جنگ زور کی ہے مگر چونکہ سلطنت متفقہ میں یہ دونوں جنگ ممکن نہیں ہیں ورنہ اسکے اجزاء میں اتفاق کیونکر رہ سکتا ہے لہذا اُن کے بدلے جوڈیشل علاج یعنی عدالت سے چارہ جوئی ضرور ہوئی۔ ممالک متفقہ کے سپریم کورٹ یعنی عدالت العالیہ اُس قانون کا تصفیہ کرتی ہے جو قوموں کو باہم برتنا چاہیے اور یہی عدالت پہلا عظیم الشان نمونہ اُس چیز کا ہے جسکی ضرورت شدیدہ فی زمانہ سب مہذب قوموں کو لاحق ہے یعنی ایک ایسا حکمہ جمہوریت قومی تنازعات کا انفصال کیا جائے۔

متفقہ گورنمنٹ کے اختیارات صرف صلح اور جنگ ہی پر حاوی نہیں ہیں اور نہ صرف اُن تنازعات پر محدود ہیں جو درمیان گورنمنٹ مذکور اور غیر گورنمنٹوں کے

پیدا ہون بلکہ متفقہ گورنمنٹ کو یہ بھی اختیار ہے کہ جو انتظام صوبجات متفقہ کی رائے میں اتفاق کے پورے فوائد حاصل کرنے کے لیے ضرور ہو اسکو عمل میں لائے۔ مثلاً انکا بڑا فائدہ اسہل ہے کہ انکی باہمی تجارت سرحدی محصولوں اور اقسام کے ٹیکسوں سے بری اور محفوظ رہے۔ گریہ اندرونی آزادی اس صورت میں ممکن نہیں ہے کہ اگر ہر ایک صوبہ کو یہ اختیار رہے کہ مال تجارت کا مبادلوہ و درمیان اسکے اور غیر ملکوں کے ہو کر نا ہے اسبہ محصول مقرر کرے کیونکہ ہر شے جو کسی غیر ملک سے ایک صوبہ میں آئیگی اور سببوں میں بھی آئیگی یہی وجہ ہے کہ مالک متفقہ ہر چنان اشیائے بیرونی کے محصول کو اور تجارت کے فوائد کو سبب صوبوں کی مجموعی گورنمنٹ یا تخصیص مقرر مینسوخ کرتی ہے۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ مالک متفقہ کو بڑی آسانی اسہل ہے کہ سبب میں ایک ہی سکھ رہے اور ایک ہی قسم کے اوزان اور پیمانے رہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان امور کا انضباط اور انصرام سبب صوبوں کی مجموعی گورنمنٹ سے متعلق کیا جائے خطوط وغیرہ جو ڈاکخانہ کے ذریعہ آیا جایا کرتے ہیں انکے آنے جانے کا یقین ہو اور نہ اتنا جلد آجاسکیں اور انکا جو بھی زیادہ ہو جائے اگر خطا چٹھی وغیرہ کو دس بارہ دفعہ دن میں جو مختلف حکام اعلیٰ کی تختی میں کام کرتے ہیں گھومنا پڑے لہذا آسانی اسی میں ہے کہ سبب ڈاکخانے سبب صوبوں کے مجموعی گورنمنٹ کے زیر نگرانی رہیں۔ مگر ایسے امور کی نسبت مختلف قوموں کے خیالات مختلف ہیں۔ چنانچہ امریکا کے رہنے والے کا لھوں صاحب و شخص تھے جسے بڑم کر شاید کمتر لوگ متعین فن سیاست میں گذرے ہیں۔ انکی ہدایت سے امریکا کے ایک صوبہ نے یہ دعویٰ کیا کہ مالک متفقہ کے کانگریس قانون اشیائے بیرونی کے

محصول سے متعلق بناتی ہے اُسکو نامنظور کرنے کا حق ہر ایک صوبہ کو دیا جائے اور صاحبِ صوبہ نے ایک نہایت عمدہ کتاب میں جسکو صوبہ سوئٹھ کیرو لانا کی قانونی مجلس نے مصنف کے مرنے کے بعد چھاپ کر منتشر کیا ہے اس دعویٰ کی تائید اس عام اصول کی بناء پر کی ہے کہ فریقِ کثیر کے ظلم سے قلیل فریقوں کو محفوظ رکھنا اسپر موقوف ہے کہ قلیل فریقوں کو پولیٹیکل اختیار یعنی حکومت میں مداخلت نامہ دیا جائے صدیِ روان کے آغاز میں اس پولیٹیکل مسئلہ پر جو امریکا سے متعلق ہے بڑی بڑی بحثیں ہوئیں کہ آیا سب صوبجات کی مجموعی گورنمنٹ کے اختیار کو اتنا وسیع کر دینا چاہیے اور آیا از روئے آئین سلطنت اُسکے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ سلطنت متفقہ کے خرچ سے وہ شریکین اور نہرین بنو (سکتی ہے صرف ان معاملات میں جو مالک متفقہ کو غیر سلطنتوں سے بہتے ہیں گورنمنٹ موصوف کو اختیارات کا مل حاصل ہیں سو اُسکے اور جملہ امور میں گورنمنٹ مذکور کے اختیارات اسپر موقوف ہیں کہ عام باشندگانِ ممالک متفقہ کو رشتہ اتفاق باہمی کو کتنا مضبوط کر لینا منظور ہے اور اپنے مختص المقام آزادی فعل سے کتنا تک وہ اس غرض سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں کہ ایک قوم ہونے کا فائدہ کامل طور سے اُنکو حاصل ہو۔

متفقہ گورنمنٹ کی اندرونی ترکیب کی نسبت زیادہ طویل دینا ضرور نہیں ہے اُسکے دو شعبے ہوتے ہیں ایک قانونی اور ایک عاملانہ یا انتظامی اور اُن میں سے ہر ایک شعبہ کی ترکیب انھیں اصول کے تابع ہے جو عملاً نچا پتی گورنمنٹوں سے متعلق ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ یہ عام اصول متفقہ گورنمنٹ کے مناسب حال کس طریقہ سے کر دیے جائیں سوا اُسکی نسبت امریکا کی سلطنت کا یہ قاعدہ نہایت متعقول ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کے دو ہوسٹس یعنی محکمے ہونے چاہیں اور ایک محکمہ آبادی کے لحاظ سے قائم کیا جائے یعنی ہر ایک صوبہ کے باشندوں کی تعداد کے موافق اُن کے قائم مقام اُس محکمہ میں شامل کیے جائیں اور دوسرے محکمہ میں رعایا کے قائم مقام ہون بلکہ صوبجات کی گورنمنٹوں کے قائم مقام ہوں اور ہر ایک صوبہ کے ممبروں کی تعداد ایک ہی ہو خواہ وہ صوبہ بڑا ہو خواہ چھوٹا۔ اس قاعدہ سے یہ فائدہ ہے کہ زبردست صوبہ کمزور صوبوں پر حکومت بجا نہیں کر سکتے ہیں اور صوبوں کی گورنمنٹوں کے مخصوص حقوق اس طرح سے محفوظ رہتے ہیں کہ جہاں تک اس خرابی کا انسداد انتخاب کے طریقہ سے ممکن ہے وہاں تک تو کوئی قانون کانگریس سے نہیں پاس ہو سکتا ہے تاوقتیکہ نہ صرف اکثر رعایا نے شکو قبول کر لیا ہو بلکہ اکثر صوبوں نے بھی اسکو منظور کر لیا ہو۔ سابق میں میں بیان کر چکا ہوں کہ اس قاعدہ سے ایک ضمنی فائدہ یہ ہے کہ دو میں سے ایک محکمہ کے ممبروں کی لیاقت کا درجہ بڑھ گیا ہے اس محکمہ یا کمیٹی کا نام سینٹ ہے اور اُس کے ممبروں کو مختلف صوبوں کی قانونی مجلسیں منتخب کرتی ہیں اور اُس کے وجہ سابق میں بیان کیے گئے کہ عوام الناس کی نسبت مجلسیں جن میں خواص جموعے ہیں زیادہ تر لائق آدمیوں کو ممبر منتخب کرینگے اور ان مجلسوں کو ایسے اشخاص کے منتخب کرنے کا صرف اختیار ہی نہیں حاصل ہے بلکہ ایک محرک قوی بھی اس بات کا موجود ہے اس واسطے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے صوبہ کا اتنا ہی وقار عام قومی مجلس میں ہو گا جتنے لائق و فائق اور ذی قیمت ہمارے صوبہ کے ممبر ہونگے۔ پس مالک منفقہ امریکا کے سینٹ میں جس کے ممبروں کا انتخاب اس طریقہ سے کیا جاتا ہے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی پولیٹیکل لیاقت

مشہور و معروف ہے مگر کانگریس کے محکمہ ادنیٰ کی نسبت اہل خبرت کی رائے یہ ہے کہ اسپین لائق اور مشہور آدمی ویسے ہی نایاب ہیں جیسے محکمہ اعلیٰ (سینٹ) میں بکثرت دستیاب ہیں۔

جبکہ شرائط متفقہ سلطنتوں کی عمدگی اور بقا و موقوف ہے پائے جائیں تو اس قسم کی سلطنتوں کی کثرت ہمیشہ دنیا اور اہل دنیا کے حق میں مفید ہے۔ اسکا اثر ویسا ہی مفید ہے جیسا اور کسی کام کو بشارکت یعنی ملکر کرنے کی عادت کا ہے جس سے کمزور آدمی باہم اتفاق کر کے زبردستوں سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اور جو چھوٹے چھوٹے صوبے اپنے نفس کی حفاظت کی قوت نہیں رکھتے ہیں انکی تعداد کو گھٹانے سے اس قاعدہ نے سرکشانہ حکمت عملی کے اغوا کو کم کر دیا ہے خواہ اسکا عمل درآمد فوج کے ذریعہ سے ہو خواہ دولت اور اقبال پر گھمنڈ کی وجہ سے ہو اور اس سے جنگ حقیقی اور جنگ زرگری دونوں موقوف ہو گئی ہیں اور جن صدیوں سے سلطنت متفقہ مرکب ہے انکی باہمی تجارت پر جو قیدیں تھیں وہ بھی رفع ہو گئی ہیں اور قرب جوار کی قوموں کے مقابلہ میں سلطنت متفقہ کو فوجی قوت اس قسم کی حاصل ہوئی ہے جو محض دفاعی ہے یعنی غنیم کے حملہ کو روکنے کے کام کی ہے اس پر خود حملہ کرنے کے کام کی نہیں ہے متفقہ کو بیٹھ کو انا اختیار نہیں ہوتا ہے کہ سوکے جنگے فاعی کے اور کسی قسم کی جنگ کر سکے اور جنگے فاعی میں وہ رعایا میں سے شخص پر بھروسہ کر سکتی ہے کہ برضا و رغبت اسکی نصرت و حمایت کریگا اور نہ کسی لڑائی میں کامیاب ہونا کوئی قومی فخر و باطل کی بات ہے کیونکہ ایسی کامیابی سے سلطنت متفقہ کو نئی رعایا ملے گی بلکہ ملے اور آزاد ارکان سلطنت ملینگے جسے اسکو زحمت پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

اہل امریکانے جو جنگی کارروائی صوبہ میکرگوین کی وہ اس گلبرگ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ جنگ امریکا والوں نے خود بخود اس خیال اور اس خواہش سے کی تھی کہ نیا ملک بنا لے۔ اتھائیگا اور سمین قومی غطت کا خیال محرک نہیں ہوا تھا بلکہ صرف بردہ فروشی کو تسلیع کو نام مقصود تھا اور یہ ایک خالص فریقی مقصد تھا۔ اہل امریکانین من حیث القوم یا فرداً فرداً ایسے علامات کم پائے جاتے ہیں جسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملک گیری کی طمع ان پر غالب ہے۔ جزیرہ کیو پاکو لینے کی طمع بھی صرف ان کے ایک فریق کو ہے اور شمالی صوبوں نے جو بردہ فروشی کے مخالف ہیں اس امر کو کبھی نہیں پسند کیا ہے۔

یہ سوال ہو سکتا ہے (چنانچہ آج کل اطالیہ میں یہی مسئلہ پیش ہے) کہ جب کوئی ملک متفق ہونے پر بخوبی آمادہ ہو تو آیا اسکو من جمیع الوجوہ اتفاق کامل کر لینا چاہیے یا یہ کہ صرف پولیٹیکل امور یعنی امور سلطنت میں اتفاق کر لینا لازم ہے اس امر کا فیصلہ بعض اوقات اس کل ملک کی دعوت اراضی پر موقوف ہوتا ہے۔ اسکی ایک حد مقرر ہے کہ کتنے ملک پر ایک ہی مقام صدر سے حکومت فائدہ کے ساتھ ہو سکتی ہے یا اسکی گورنمنٹ کی نگرانی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے وسیع ملکوں پر اسی طریقہ سے حکومت کی جاتی ہے گرائنن یا اقل مراتب ان کے بعد صوبیاتی عموماً سخت بد انتظامی ہوتی ہے اور اگر ان کے باشندے بالکل وحشی ہیں تو البتہ وہ بچے معاملات کا انتظام جدا گانہ نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر یہ مانع اطالیہ میں موجود نہیں ہے کیونکہ یہ ملک تو اتنا وسیع بھی نہیں ہے جتنے وسیع چند ملک نے مانہ گذشتہ میں تھے اور بالفعل بھی موجود ہیں اور انہیں جو انتظام تھا یا ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ پس امر



تتبع طلب ہے کہ آیا ایک ہی قوم کے مختلف حصوں کو اسکی ضرورت ہے کہ انہیں  
 حکمرانی مختلف طریقوں سے کچاے کیونکہ ایک ہی مجلس قانونی یا ایک ہی  
 کونسل وزراء اور منتظمان ملک سے غالباً ان سب کو اطمینان نہوگا۔ تاوقتیکہ  
 یہ بات نفس الامر میں نہوائے حق میں بہتر یہی ہے کہ باہم اتفاق کا مل کو  
 انگلیڈ اور اسکاٹ لینڈ کی کیفیت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ بالکل مختلف  
 قسم کے قوانین اور مختلف انتظامات ایک ہی ملک کے دو حصوں میں جاری  
 ہو سکتے ہیں اور یہ انکی مجلس قانونی کے ایک ہونے کا مانع نہیں ہے۔ اگرچہ  
 دو قسم کے قوانین جنکو ایک ہی مجلس قانونی نے ایک ہی ملک کے دو حصوں کے  
 اختلافات سابق پر نظر کر کے بنایا ہے اس ملک میں (جیسے مالدیٹس) بہت  
 جان و اضعاف قوانین کو یہ خط ہے کہ کیرنگی قائم رہے اچھی طرح نہ چل سکیں  
 یا انکے چلنے کا لوگوں کو ویسا اعتبار نہو۔ یہ شکل آزمائش کے لئے ملک میں  
 بڑے فائدہ کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ ہمارے ملک کے آدمیوں کی خاصیت ہے  
 کہ ہر قسم کی بے قاعدہ بات کو اُسوقت جائز رکھتے ہیں جب تک کہ وہ لوگ جنکے خلاف  
 اسکا اثر ہو نہ چکا ہے اسکی شکایت نہیں کرتے ہیں۔ اکثر ملکوں میں اگر مختلف قسم کے  
 قوانین کو جاری رکھنا منظور ہو تو غالباً انکی حفاظت کے لیے علیحدہ علیحدہ  
 قوانین کو نسلوں کو قائم رکھنا ضرور ہوگا۔ اور انکا قائم رہنا قومی پارلیمنٹ اور  
 بادشاہ یا قومی پارلیمنٹ بغیر بادشاہ کے ہونے کے ہرگز مافی نہیں ہے اور اس  
 صورت میں پارلیمنٹ کو خواہ اسکے ساتھ کوئی بادشاہ ہو خواہ نہو۔ بے تمام  
 ممبروں کے بیرونی تعلقات پر اختیار کامل حاصل رہیگا۔

جس ملک کے مختلف صوبوں میں مختلف سلسلے قوانین کے دواگاجاری رکھنا  
 یا ان قوانین کو جو مختلف صوبوں پر مبنی ہوں علی الدوام قائم رکھنا ضروری نہ سمجھا جائے  
 وہاں یہ بات ہمیشہ ممکن ہے کہ باوجود خفیف اختلافات کے ایک ہی گورنمنٹ  
 رکھی جائے۔ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ مختص المقام حکام کو کارروائی کرنے کی  
 دافر نگہداشت دی جائے۔ اور ایک ہی گورنمنٹ صدر کی تختی میں صوبہ دار گورنر اور  
 قانونی مجلسین مختص المقام قاعدہ کے لیے مقرر کیے جائیں۔ مثلاً یہ احتمال ہے کہ  
 مختلف صوبوں کے باشندے ٹیکس کے مختلف طریقوں کو پسند کریں گے۔ تو اس  
 صورت میں اگر سب صوبوں کی عام مجلس قانونی پر یہ بھروسہ نہ ہو سکے کہ ہر ایک  
 صوبہ کے ممبروں سے مشورہ لیکر ٹیکس کے عام قاعدہ میں ایسی ترمیم کرگی کہ اس  
 صوبہ کے مناسب حال ہو جائے تو گورنمنٹ کے آئین میں یہ قاعدہ داخل کر دینا  
 لازم ہے کہ جو مصارف گورنمنٹ کے اس قسم کے ہوں کہ خاص خاص مقامات سے  
 متعلق ہو سکتے ہیں وہ رقوم کو کل ریٹ سے ادا کیے جائیں جنکو صوبوں کی  
 کمیٹیاں مقرر کریں اور جو مصارف عام ہوں جیسے مثلاً فوج بری اور فوج بحری کا  
 خرچہ وہ سالانہ مجموعہ میں مختلف صوبوں پر انکی آمدنی کے کسی عام تخمینہ کے  
 موافق تقسیم کر دیے جائیں اور جو رقم جس صوبہ کے نام لکھی جائے اسکو اس صوبہ کی  
 کمیٹی اس اصول کے موافق جو اسکے باشندوں کو مطبوع ہو وصول کر کے  
 قومی خزانہ میں یکشت داخل کر دے اسکے مانند دستور فرانس میں اس وقت  
 جاری تھا جب وہاں سلطنت شخصی تھی کہ جب ہر ایک صوبہ ایک رقم معین  
 دینا منظور کرتا تھا یا ایک رقم معین اس سے طلب کی جاتی تھی تو اسکو اختیار باج تھا

کہ اپنے خاص کارپردازوں کے ذریعہ سے اُس قوم کو وہاں کے باشندوں سے وصول کرے تاکہ وہ پادشاہی پیادوں اور دستک برداروں کے ظلم شدید سے محفوظ رہیں اور یہ رعایت بخلا اُن مراحم شہانہ کے بیان کی گئی ہے جگہ بحث فرانس کے اُن صوبوں کی رعایا نہایت سرسبز اور آسودہ حال ہو گئی تھی۔

گورنمنٹ صدر کا ایک ہونا اُس حالت میں بھی ممکن ہے جبکہ مختلف درجن کے انتظامی اور قانون سازی کے اختلافات موجود ہوں۔ ممکن ہے کہ کوئی قوم محض پولیٹیکل اتفاق سے بہتر اور مستحکم تر اتفاق کی خواہش اور قابلیت رکھتی ہو باوجودیکہ اُسکی مقامی خصوصیتیں اور اُسکے حالات ماضیہ اسکے مقتضی ہوں کہ اُسکی گورنمنٹ کے جوئیات کے انتظام میں بڑے بڑے اختلافات جائز رکھے جائیں۔ لیکن اگر سب لوگوں کو فی الواقع یہی منظور ہو کہ اس آزمائش میں کامیابی حاصل ہونے پر اختلافات قائم رہنے سے کچھ حرج نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ کے آئین میں ایسی شرط داخل کر دجائے جس سے اُن اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش ناممکن ہو جائے الا اُس صورت میں کہ جن لوگوں پر اس تغیر کا اثر ہوگا وہ خود ایسا کرنا چاہیں۔

## اٹھارھواں باب

اس بیان میں کہ آزاد سلطنت اپنے متعلقات و مضامین پر کیونکر حکومت کرے اور سلطنتوں کی طرح آزاد سلطنتیں بھی متعلقات اور مضامین پر کیونکر حکومت کریں یعنی اُن ملکوں پر حکومت کرتے ہیں جنکو انھوں نے فتح کیا ہے یا جنہیں انھوں نے اپنی بستیان بسائی ہیں اور اس زمانہ میں ہماری سلطنت بہت بڑی مثال میں قسم کی

سلطنت کے ہے یہ مسئلہ نہایت اہم و ضروری ہے کہ ایسے متعلقات پر کس طرح سے حکومت کرنی چاہیے۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں کی نسبت بحث کرنا کچھ ضرور نہیں جیسے مثلاً جبرالٹر  
رجل الطارق، یا عدن یا پہلی گو لینڈ ہے کیونکہ ان مقامات پر ہماری (انگریزی) علاقہ  
صرف فوج بری یا فوج بحری کے مقاصد کے لیے ہے۔ اور یہ مقاصد اسکے مقضی  
انہیں ہیں کہ ان مقامات کے باشندے اپنے ملک کی حکومت میں شریک کیے جائیں  
تاہم انکو وہ سب آزادیاں اور حقوق عطا کیے جائیں جو اس قید کے مستافی  
آہوں۔ اور اس میں بیونس آئیرس اور کاکاٹنگام بھی داخل ہے اور چونکہ ہماری  
گورنمنٹ کی خاطر سے ان جیپارون کی یہ حق تلفی اور نقصان ہو رہا ہے لہذا  
اسکی مکانات اُسے یہ کچھ کہ سلطنت کے اور حصوں میں انکو وہی حقوق دیے  
جائیں جو وہ ان کی رعایا کو عطا کیے گئے ہیں۔

متعلقات یا مضافات سلطنت کے یعنی جن کی سلطنت کے باہر جنہاں کہ  
کسی قدر وسیع اور آباد ہوں جنکی نسبت وہ سلطنت کم و بیش شادان اختیاراں کو عمل میں  
لایا کرے مگر جنکی طرف سے قائم مقامی بدرجہ مساوی بلکہ کسی قسم کی قائم مقامی اس سلطنت کی  
مجلس قانونی میں نہو ایسے متعلقات دو قسم کے ہیں بعض ایسے جن جنکے باشندے  
تہذیب و شائستگی میں حکمران ملک کے باشندوں کے برابر ہیں جیسے امریکا میں  
صوبہ کتاؤ اور آسٹریلیا کی نوآبادیتیاں سلطنت انگریزی سے متعلق ہیں اور  
بعض ایسی ہیں جو اُس حالت سے ابھی بہت دور ہیں جیسے ہندوستان ہے۔  
پہلی قسم کے متعلقات کی نسبت تو یہ ملک (انگلینڈ) آخر الامر گورنمنٹ کے

سچے اصول کو خوب سمجھ گیا ہے۔ انگلینڈ ہمیشہ اس امر کو اپنا فرض سمجھا کیا ہے کہ اپنی بریتانی  
 رعایا میں سے ان لوگوں کو جو اسکے ہم قوم اور ہم زبان ہیں اور بعض ان لوگوں کو  
 بھی جو اسکے ہم قوم اور ہم زبان نہیں ہیں اس قسم کا قائم مقامی رعایا کا  
 آئین عطا کرے جیسا خود اُس میں (انگلینڈ) میں جاری ہے لیکن نسل موجودہ کے  
 اختتام تک سلف گورنمنٹ کے انتظام کے لحاظ سے انگلینڈ کی حالت بھی ایسی ہی  
 خراب رہی جیسی ان ملکوں کی ہے جنکو انگلینڈ نے یہ اجازت دی ہے کہ سلف  
 گورنمنٹ کے اختیارات کو قائم مقامان رعایا کی کمیٹیوں کے ذریعے  
 عمل میں لایا کریں۔ انگلینڈ اس امر کا بھی مدعی بن گیا ہے کہ ہندوستان کی رعایا  
 خالص اندرونی امور کا تصفیہ اسکی رائے کے موافق نہیں بلکہ اپنے خیالات کے  
 موافق کیا کرے۔ یہ فعل ایک نتیجہ لازمی اس خراب حکمت عملی کا تھا جو مالک آبادی  
 نسبت تمام یورپ میں اختیار کی گئی تھی اور جسکو ہر وقت تک اور کسی قوم نے بھی  
 بالکل ترک نہیں کر دیا ہے۔ اس حکمت عملی کا منشاء یہ تھا کہ مالک نوآبادی قدر  
 صرف اسوجہ سے کچا ہے کہ وہ ان ہمارے ملک کا اسباب تجارت خوب  
 لیتا ہے اور یہ مالک بالکل ہمارے ہی قبضہ میں رہیں یہ ایک ایسا حق ہے  
 جسکی قدر و منزلت ہم لوگوں کی نگاہ میں اس قدر تھی کہ ہم نے اسکو اس طرح سے  
 خرید لیا کہ مالک نوآبادی کو اجازت دی کہ جو جو چیزیں ہمارے ملک میں پیدا  
 ہوتی ہیں انکو ہمارے ملک میں لا کر تقصین بیچ لیا کرو اور کوئی نہ بیچنے پائے اور جو  
 اشیاء ہمارے ملک میں پیدا ہوتی یا بنتی ہیں انکو ہمارے ملک میں لے جا کر ہمیں فروخت  
 کیا کریں اور کوئی نہ فروخت کرنے پائے یہ عجیب و غریب برقی جس سے منتظر تھا

کہ ہمارا روپیہ وہ کھینچیں انکار روپیہ ہم کھینچیں اور اس کھینچ کھانچ سے ہم دونوں خوب  
متمول ہو جائیں اور جو مبلغ خطیر رہتہ میں چھوٹ جائے وہ کھاتے میں ہے لکن مالک  
نوابا کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرنے کی عادت بدھوت بھی نہیں  
زائل ہوئی جبکہ اُسے منفع ہونے کا خیال ہم نے ترک کر دیا۔ ہم انکو اپنے فائدہ کے لیے  
نہیں بلکہ انھیں کے ایک فرقہ یا فرقہ کے فائدہ کے لیے برابر ستایا کیے اور اس انداز سانی  
اور حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہنوز ہم اس کردار سے باز نہ آئے تھے کہ ملک کناڈا میں بغاوت ہوئی  
اور حکم کا حال ایسا تھا جیسا کوئی بدتمیز بڑا بھائی صرف من قبیل العادت اپنے چھوٹے  
بھائیوں پر یہاں تک ظلم و تعدی کرتا جائے کہ انہیں سے ایک بھائی کو کمزور ہو مگر  
بڑی دلیری سے کہہ دے کہ میں اب اس جو رجسٹری سے باز آئے۔ لکن خیر ہماری  
قوم نے ایسی دشمنی کی کہ اُسکو دوبارہ تنبیہ کرنے کی ضرورت نہ ہوئی لارڈ ڈوڈجیم کی  
رپورٹ سے ایک قرن جدید اس حکمت عملی میں پیدا ہوا جو قوموں نے مالک نوابا کی  
نسبت اختیار کی ہے۔ رپورٹ مذکور اس مدبر جلیل الشان (لارڈ ڈوڈجیم) کی عالی ہستی  
اور جب لوطن اور فیاضی اور اس کے شرکاء و کیفیلڈ صاحب رچارس بر صاحب  
مرحوم کی عقل اور لیاقت عملی کی یادگار بدالآباد تک باقی رہیگی۔

برطن عظم کی حکمت عملی کا اب یہ اصول مقرر ہو گیا ہے اور اسکی پابندی  
علماء اور عملا دونوں طرح سے ایاندار کی کے ساتھ کیجاتی ہے کہ اُسکے متعلق مالک  
نوابا کے وہ باشندے جو قوم کے یورپین ہیں اپنے ملک کے اندرونی معاملات کے  
انتظام میں بوسے بوسے وہی اختیارات حاصل کریں جو خود برطن عظم کے لوگوں کو  
حاصل ہیں یعنی انکو اجازت دی گئی ہے کہ اس نوعی آئین سیاست میں جو ہماری

جانب سے اُنکو عطا ہو چکا ہے جیسا تغیر و تبدل مناسب سمجھیں عمل میں لگ رہی اپنی  
 آزاد پنچا پتی گورنمنٹیں قائم کر لیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ہے اور اب ہر ایک  
 ملک نوآباد کی ایک خاص مجلس قانونی اور ایک خاص علامہ شعبہ ہے اور یہ  
 دونوں سلطنت جمہوری یا نوعی کے اصول پر قائم کیے گئے ہیں ہمارے بادشاہ  
 اور ہماری پارلیمنٹ کو نا منظور کرنے کا صرف ایک سبلے نام حق حاصل ہے اور  
 یہ حق سناؤ و نا در صرف اُن امور کی نسبت عمل میں لایا جاتا ہے جو ساری  
 سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں نہ صرف اُس خاص ملک نوآباد سے۔ شاہی امور  
 اور اُن امور میں جو ممالک نے آباد سے تعلق ہیں جو نیا صانہ فرق کیا گیا ہے وہ اس  
 واقعہ سے ظاہر ہے کہ امریکا اور آسٹریلیا میں جو نوآباد بستیاں واقع ہیں اُنکے  
 بچھوڑے جو غیر مسکون اراضیات ہیں وہ وہیں کے لوگوں کو دے دی گئی ہیں  
 حالانکہ اگر شاہی گورنمنٹ اُنکو اپنے قبضہ میں اس غرض سے رکھتی کہ اُسے  
 سب حصوں سے لوگ وہاں جا جا کر بسا کر نیے تو بچا اور خلافت انصاف نہوتا۔  
 الغرض ہر ایک ملک نوآباد کو اپنے اندرونی معاملات میں ایسا ہی اختیار کلی حاصل ہے  
 جیسا اُس حالت میں ہوتا کہ اگر وہ اس سلطنت کا جز نہ ہو تا۔ جہاں صرف ایک سربراہ  
 اتفاق کر لیا جائے اور یہ اختیار اُس اختیار سے کامل تر ہے جو ممالک متفقہ امریکا کے باشندوں  
 اور دے اپنے آئین سیاست کے حاصل ہے کیونکہ ہر ایک نوآباد ملک کو یہ اختیار ہے  
 کہ جو مال تجارت خود انگلستان سے وہاں جاتا ہے اُس پر بھی جیسا ٹیکس چاہے مقرر  
 کرے۔ یہ ممالک نوآباد برٹن عظم سے نہایت خیف پولیٹکل اتحاد رکھتے ہیں مگر اس  
 اتحاد میں دو وزن کا رتبہ برابر نہیں ہے کیونکہ اصل ملک یعنی برٹن اعظم نے

اپنے لیے ایک متفقہ گورنمنٹ کے اختیارات باقی رکھے ہیں اگرچہ عملدرآمد میں وہ اختیارات بالکل محدود رہ گئے ہیں یہ عدم مساوات جہانگیر ہے البتہ ان ممالک نوآباد کے حق میں مضر ہے جو اس حکمت عملی میں جو ممالک غیر کی نسبت اختیار کی جاتی ہے کچھ دخل نہیں رکھتے ہیں بلکہ اصل ملک (یعنی برطانہ عظمیٰ) سے جو فیصلہ ہو جائے اس کے پابند ہیں اور ممالک مذکور جنگ میں برطانہ عظمیٰ کے شریک ہونے پر مجبور ہیں اگرچہ لڑائی سے پیشتر اُن سے مطلق استعصواب نہ کیا گیا ہو۔

وہ لوگ جن کے نزدیک انصاف کی پابندی اقوام اور اشخاص دونوں کو دو جیسے اور جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آدمی کو اپنے ملک کے فرضی فائدہ کے لیے اور ملکوں سے وہ سلوک کرنا نہیں جائز ہے جو سلوک اس کو اور آدمیوں سے اُن کے فائدہ کے لیے کرنا جائز ہو ممالک نوآباد کی اس محدود قسم کی ماتحتی کو بھی اصول انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں اور اکثر اوقات اس ذریعہ کو تلاش کرتے رہے ہیں جس سے مول انصاف کی اتنی مخالفت بھی سرف ہو جائے اسی خیال سے بعض صاحبوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ممالک نوآباد کے قائم مقام ممبرانگریزی پارلیمنٹ میں شریک کیے جائیں اور بعض آدمیوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہاؤس آف پارلیمنٹ اور نیز انکی پارلیمنٹوں کے اختیارات اندرونی انتظامات پر محدود رکھے جائیں اور بیرونی اور شاہی امور کے انتظام کے لیے اور کمیٹی مقرر کی جائے اور اسپین برطانہ عظمیٰ کے متعلقات دونوں کی طرف سے قائم مقامی بدرجہ مساوی رکھی جائے جب اس قاعدہ کی رو سے اصل ملک (برطانہ عظمیٰ) اور اس کے متعلق ممالک نوآباد میں مساوات ہو جائیگی تب وہ اس کے متعلقات یا تو باقی نہ رہینگے۔



وہ انصاف پسندی اور حسن اخلاق جس سے یہ تجویزین پیدا ہوئی ہیں ان کے لئے ہر  
 تحسین و آفرین کے لائق ہے لیکن یہ تجویزین فی نفسہ قومی گورنمنٹ کے اصول کے  
 اس قدر خلاف ہیں کہ شاید کسی معقول آدمی نے ان کے امکان کو نہیں تسلیم کیا ہے۔  
 وہ ممالک جن کے درمیان نصف کرہ زمین حاصل ہے اس قابل نہیں ہیں کہ ایک ہی  
 گورنمنٹ کے محکوم رہ سکیں یا ایک ہی سلطنت متفقہ کے شریک رہ سکیں۔ اگر ان کے  
 اعراض ایک ہی قسم کے ہوتے تو بھی وہ کافی عادت باہم صلح و مشورہ کرنے کی  
 نہیں رکھتے ہیں اور نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اور ایک ہی پبلک یعنی خاص عام کے  
 جزیئین ہیں اور ایک ہی کمیٹی یا مجلس میں مباحثہ اور مناظرہ نہیں کرتے ہیں بلکہ علاوہ عام  
 بحث کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خیالات سے بہت کم واقف ہیں اور ایک  
 دوسرے کے مقاصد کا علم رکھتا ہے اور نہ ایک دوسرے کے کردار کے اصول کا  
 اعتبار رکھتا ہے کسی انگریز کے پیچھے تو سہی کہ آیا وہ اس امر کو گوارا کرے گا کہ اُس نے  
 ملکی معاملات کا انتظام ایک ایسی کمیٹی پر موقوف رکھا جائے جس میں ایک ثالث امر کے  
 باشندے اور ایک ثالث جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کے باشندے ممبر ہوں لیکن اگر  
 قائم مقامی و جبری یا برابر مساوی ہو تو بعینہ ہی کیفیت ہو جائیگی اور  
 اس وقت کیا شخص کو یہ خیال ہوگا کہ انٹار آسٹریلیا کی رعایا کے قائم مقام جو اس کمیٹی میں ہیں  
 وہ شاہی معاملات میں بھی انکلیڈ اور اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ کے لوگوں کے  
 اعراض اور آراء اور خوشنوں سے واقف نہیں ہیں یا انکی چندان پروا نہیں  
 رکھتے ہیں؟ خاص کر پوٹشل اتفاق کے مقاصد کے لیے بھی وہ شرائط نہیں  
 پائے جاتے ہیں جبکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے اتفاق کو لازم ہیں انکلیڈ اپنے نفس کی

حفاظت کے لیے خود ہی کافی ہے اور ممالک نوآباد کی کچھ ضرورت نہیں کہتا ہے اور اگر اُن سے جدا کر لیا جائے تو اس کی قوت اور عظمت زیادہ ہو جائیگی نسبت اس کے کہ امریکا یا افریقہ یا آسٹریلیا کی سلطنت متفقہ کا ایک رکن وہ بھی قرار دے لیا جائے اس جدائی کے بعد بھی انگلینڈ کو ممالک نوآباد سے تجارت کا وہی فائدہ حاصل رہے گا جو اب ہے اور بالفعل اس کو ممالک مذکور سے کوئی فائدہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اس کی عظمت اور وقت کا باعث ہیں اور جو کچھ ذرا فہور فائدہ ہے بھی تو اس خرچہ کے مقابل میں جو انگلینڈ کو ان ممالک کی بابت اٹھانا پڑتا ہے اور اس خیال سے بھی کہ انھیں کی بدولت اس کی فوج بحری اور فوج بری مستند اور متفرق رہتی ہے اور انھیں کا باعث سے ان دونوں فوجوں کو جنگ کی حالت میں یا جنگ کے اندیشہ کی حالت میں دو چند بلکہ سترہ چھٹاؤں تعداد کا کرنا پڑتا ہے جو اکیلے انگلینڈ کی حفاظت کے لیے کافی ہوتی محض بے وقعت ہے۔

لکن اگرچہ برٹن اعظم کو ممالک نوآباد کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور اگرچہ ہر ایک اصول انصاف اور اخلاق کے موافق اس کو لازم ہے کہ جب یہ وقت آئے کہ ہر قسم کے اتفاق و اتحاد کی پوری آزمائش کرنے کے بعد دونوں قطعاً آمادہ ہو جائیں تو انگلینڈ ان کو اپنے سے ملجھ کر مانا منظور کرے تاہم قوی وجوہ اس بات کی موجود ہیں کہ تا وقتیکہ ان دونوں میں سے کسی کو ان کو ارنہ گذرے یہ تعلق خفیف جواب ہے تاہم رکھا جائے۔ کیونکہ یہ ایک ذریعہ عالمگیر صلح کا اور قوموں میں ربط و اتحاد قائم رکھنے کا ہے اور اس سے بہت سی خود سر قومن میں باہمی جنگ و حیل ناممکن ہو گئی ہے اور یہ بات بھی ناممکن ہو گئی ہے کہ انھیں سے

کوئی قوم کسی غیر قوم کی شریک ہو کر کسی اور مخالف سلطنت پر جو زیادہ تر  
 سطلق العنان یا ترتیب ہو اور ایسی بے طمع اور صلح پسند نہ جیسا برٹن عظیم ہے زیادہ عیاں  
 خوانے یا دست مازی کرنے کا قصد کرے۔ اقل مراتب اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہے کہ  
 مختلف ممالک باہم تجارت کر سکتے ہیں اور مخالفانہ محصولات کے ذریعہ سے ایک ملک دوسرے  
 تجارت سے محروم نہیں رکھا گیا ہے اور سوائے ہماری قوم (انگریزی) اور کسی عظیم الشان  
 قوم نے تجارت کو ایسا آزاد اور بے قید نہیں کر دیا ہے۔ اور ایک طرف اس سے یہ ہے کہ  
 دنیا کی سلطنتوں میں ایک اخلاقی عظمت اور قوت اس سلطنت کو حاصل ہو گئی ہے  
 جس سے بہتر کوئی سلطنت آزادی کے معنی نہیں سمجھی ہے اور سابق میں اس سے  
 جا بے جو غلطیاں ہو گئی ہوں لیکن اب جس ایمانداری اور اصول اخلاق کی پابندی  
 و سلطنت غیر ملک کے لوگوں سے برتاو کرتی ہے وہ کسی اور عظیم الشان قوم کے  
 ذہن میں خطہ بھی نہیں کرتی ہے یا اگر خطہ کرتی ہے تو اسکو وہ قوم مناسب نہیں سمجھتی ہے  
 پس حجب معلوم ہوا کہ یہ اتحاد اگر باقی رہ سکتا ہے تو غیر مساوی درجہ پر باقی رہ سکتا ہے تو  
 اب غور طلب امر ہے کہ کون ذریعہ ایسا ہے جس سے یہ قدرے قلیل عدم مساوات  
 کم رتبہ قوموں کو ناکوار نہ گذرے یا انکی توہین کا باعث نہ ہو۔

ان قوموں کے کم رتبہ ہونے کا ایک ہی باعث ہے اور وہ ایسا ہے جس سے  
 کچھ چارہ نہیں ہے۔ یعنی صلح اور جنگ کی بحث کا فیصلہ اصل ملک (انگلینڈ) اپنی  
 طرف سے اور مالک نوآباد کی طرف سے بھی کرتا ہے اور مالک نے آباد کو اسکے عوس میں  
 یہ فائدہ ہے کہ انکو غنیمت کے حلون سے بچانا اصل ملک پر فرض ہے مگر پھر اس صورت کے  
 کہ جھوٹی قوم اس قدر کمزور ہو کہ بڑی قوم کو انکی حفاظت کرنا واجب ہو جائے یہ امر کہ

ایک قوم دوسرے کے فرض کا مبادلہ کرتی ہے نعم البدل اسکا نہیں ہو سکتا ہے کہ  
 کمزور قوم طاقت ور قوم کے صلح و مشورہ میں شریک نہ کیا جائے۔ لہذا ضرور یہ ہے کہ  
 سب لڑائیوں میں بحران لڑائیوں کے جو کسی خاص ملک نوآباد کی خاطر گوارائی گئی ہوں  
 جیسے کافرستان یا یوزملینڈ کی لڑائی تھی ممالک نوآباد کے باشندوں سے  
 لڑائی کا خرچہ نہ لیا جائے الا اُس صورت میں کہ وہ خود درخواست کریں۔ البتہ  
 روپیہ لئے لیا جائے جو اُنکے ملک کے بندرگاہوں اور سواحل اور سرحد کو غنیمت کے  
 حملہ سے محفوظ رکھنے کا سامان مہیا کرنے میں صرف کیا جائے۔ علاوہ اسکے چونکہ  
 اصل ملک اس حق کا معنی ہے کہ اپنی اکیلی رائے سے وہ تدبیریں کرے یا ایک جنگی  
 اختیار کرے جس سے ممالک نوآباد کو غنیمت کے حملہ کا خطرہ ہو لہذا مقتضی انصاف یہ ہے  
 کہ اُنکی حفاظت کے خرچہ کا جزو کثیر صلح کے زمانہ میں بھی اصل ملک اپنے پاس  
 ادا کرے اور مستقل فوج کا کل خرچہ بھی اپنے پاس سے لے۔

لیکن اس سے بھی زیادہ ایک موثر ذریعہ موجود ہے جس سے ایک چھوٹی  
 قوم کو جسے اپنی قومی شخص اور اپنی مستقل حکومت کو ایک سلطنت وسیع اور عظیم الشان کے  
 شخص میں مستغرق کر دیا ہے معاوضہ کامل مل سکتا ہے۔ اسکی ایک ہی تدبیر ہے  
 اور یہ تدبیر قرب انصاف اور قرب مصلحت بھی ہے کہ ممالک نوآباد کے باشندوں کو  
 گورنمنٹ کے رتبہ و درجہ میں ہر حصہ میں بدرجہ مساوی نوکریان دی جائیں  
 اسکی کیا وجہ ہے کہ خلیج برٹش کے جزیروں کے باشندوں کی بدخواہی سرکار کی  
 شکایت مطلق نہیں سنی جاتی ہے حالانکہ قوم اور مذہب و جزیئہ کے لحاظ سے وہ  
 انگلینڈ کی نسبت فرانس سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ کناؤلڈ مینوسوٹھ و لیس کے

باشند و ن کی طرح ان حیزار کے لوگ اختیار کامل اپنے ملک کے اندرون فی معاملات  
 اور نیکیں میں رکھتے ہیں لہذا سرکار شاہی سے انکو ہر ایک عہدہ یا منصب مل سکتا ہے  
 اور انکے زمرہ سے جو نیک اور امیر الامراء اور امرائے قضا و انتخاب مقرر کیے  
 جاتے ہیں بلکہ ان کم حقیقت جزیرہ مالون میں سے وزیر اعظم بھی مقید ہو سکتا ہے  
 مملکت نوابوں کے ایک رشتہ خیر سکرٹری سر دیم مولو سورتھ صاحب نے  
 یہی قاعدہ ان ممالک کی نسبت بھی جاری کیا تھا اور ٹیکس صاحب کو جو صوبہ  
 کناڈا کے باشندے تھے اور ایک مشہور سیاست دان تھے لوئٹ انڈیا کا  
 گورنر مقرر کیا تھا۔ ایسی باتوں کو غیر ضروری صرت اسوجہ سے خیال کرنا کہ ملکیت کم  
 لوگ ایسے ہیں جو اس عطیہ سے مستفید ہونے کے قابل ہیں پولیٹیکل کارروائی کے  
 ان وسائل کو جو ہر ایک قوم میں موجود ہوتے ہیں بالکل سلی نظر سے دیکھنا ہے  
 ایسے لوگ اگرچہ تعداد میں کم ہوں لیکن اپنی قوم میں بہت بڑی وقعت اور سونخ  
 رکھتے ہیں اور انکی قوم والے ایسے بے شعور نہیں ہیں کہ اپنی مجموعی ذلت کو نہ سمجھ سکیں  
 اور اپنی قوم کے ایک آدمی کا بھی کسی فائدہ سے اس سبب سے محروم نہ بنا جو  
 ان سب میں پایا جاتا ہے اپنی اہانت کا باعث نہ خیال کریں۔ اگر کسی قوم کے  
 سربراہ اور وہ آدمیوں کو ہم اس امر سے مانع ہوں کہ عام جلسوں میں اپنی قوم کے  
 پیشوا اور قائم مقام بکر شریک ہوا کریں اور دنیا میں اپنا رنگ جمائیں تو انکے  
 جائزہ وصلہ اور انکی قوم کے معقول افتخار کا لحاظ کر کے ہنکو واجب ہے کہ اس کے  
 معاوضہ میں انکو ہر امتیاز اس بات کا دیں کہ ویسا ہی منصب علی اس قوم میں حاصل  
 کر سکیں جو خود انکی قوم سے زیادہ عظمت اور اقتدار رکھتی ہے۔

یہاں تک تو ان متعلقات اور مضامینات پر بحث کی گئی جسکے باشندے  
 اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ نجاتی گورنمنٹ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن بعض ممالک  
 ایسے بھی ہیں جسکے باشندے ایسے ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ پس اگر حکمران ملک کو  
 انہیں اپنی عملداری رکھنی منظور ہے تو خود حکمرانی کرے یا وہ اشخاص  
 حکومت کریں جنکو اس ملک نے اس مقصد کے لیے مقرر کیا ہو۔ گورنمنٹ کا  
 یہ طریقہ بھی اور طریقوں کے مانند جائز ہے بشرطیکہ یہ طریقہ ایسا ہو کہ قوم  
 محکوم کی تہذیب و شائستگی کی حالت موجودہ میں اُسکے زیادہ تر عروج اور ترقی کا  
 باعث ہو۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ بعض تمدنی حالتوں میں مطلق العنان اور  
 قومی گورنمنٹ بہترین اقسام حکومت اسوجہ سے ہے کہ رعایا کو وہ امور  
 سکھا دیتی ہے جسکے نہ جاننے سے رعایا تہذیب و شائستگی میں ترقی نہیں کر سکتی ہے  
 مگر بعض تمدنی حالتیں ایسی بھی ہیں جنہیں گورنمنٹ کا محض مطلق العنان ہونا رعایا کے  
 حق میں کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ رعایا ان نصیحتوں کو جو ایسی گورنمنٹ سے حاصل  
 ہوتی ہیں بخوبی حاصل کر چکی ہے مگر چونکہ رعایا میں خود ترقی کرنے کا مادہ  
 نہیں ہے لہذا ترقی کی راہ میں اُسکا اکیتم بھی آگے بڑھانا بہرہ و فوٹ ہے  
 کہ جس بادشاہ کی وہ رعیت ہے وہ مطلق العنان تو ہو مگر نیک نیت ہو۔ اگرچہ بادشاہ  
 مطلق العنان اُسی ملک پہنے والا ہے تو اسکا نیک نہ ہونا ایک شاذ و نادر اتفاق  
 امر ہے جسکا کچھ اعتبار نہیں ہے لیکن اگر اس ملک میں ایک مہذب شائستہ قوم کی  
 عملداری ہے تو اس قوم کو لازم ہے کہ اپنی رعایا کے لیے وہ سب کرے جسکو چند وہ  
 بادشاہان مطلق العنان کر سکتے جو ایسے زبردست ہوتے کہ کوئی انکا مقابلہ نہ کر سکتا

اور جبکی حکومت میں وہ لغزش نہ باقی رہتی جو خوشی بادشاہان مطلق العنان کی بادشاہت میں رہا کرتی ہے اور جو اپنی طباعی سے اُن سب امور کو جنہیں زیادہ تر ترقی یافتہ قوم نے تجربہ سے سیکھا ہے پہلے ہی سے سمجھ جاتے۔ الغرض۔ آزاد قوم کی حکومت خوشی یا نیم خوشی قوم پر ایسی ہو تو کیا کہنا ہے لیکن یہ امید رکھنا کچھ ضرور نہیں ہے کہ وہ حکومت نفس الامریٰ میں بعینہ ایسی ہی ہوگی۔ البتہ اُسکو اسکے قریب قریب ہونا ضرور ہے ورنہ قوم حکمران مجرم اُس اخلاقی فرض کو ترک کرنے کی ہوگی جس سے عظیم تر فرض کسی قوم پر نہیں عائد ہوا ہے اور اگر قوم حکمران کی نیت میں بھی اُس فرض کو ادا کرنا نہ ہو تو وہ ایک خود غرض اور عاصب قوم ہے اور ایسی ہی گنگا رہے جیسے وہ لوگ ہیں جنکی حرص و طمع ہر زمانہ میں گردش کر رہا ہندوکان خدا پر حکومت کرنے کو ایک کھیل سمجھا کی ہے۔

عموماً پس فائدہ قوموں کی کیفیت ہے اور ہوتی جاتی ہے کہ با تو کسی ترقی یافتہ قوم کی بالکل محکوم نگہی میں یا پولیٹیکل حیثیت سے اُس سے بالکل مغلوب ہو گئی ہیں اور نئی زماننا بہت کم مسائل اس مسئلہ سے زیادہ اہم ہیں کہ ایسی حکومت کیونکر قائم کیجائے کہ رعایا کو نقصان کے بجائے اس سے فائدہ پہنچے اور سب عمدہ گورنمنٹ کا محکوم ہونا رعایا کو نصیب ہے اور اسکی آئندہ ترقی دالمی کا بھی سامان کافی مہیا ہو جائے مگر گورنمنٹ کو اس مقصد کے قابل بنانے کے طریقہ کو لوگ ہرگز دیکھا نہیں سمجھتے ہیں جیسا اس بات کو سمجھے ہیں کہ جو قوم اپنے اوپر خود حکومت کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اس میں ایک عمدہ گورنمنٹ کا ہونا ناگزیر شرط پر موقوف ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوگ اس مسئلہ کو بالکل سمجھے ہی نہیں ہیں۔ نظر سطحی یا سرسری سے دیکھنے والوں کو یہ مسئلہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے یعنی مثلاً اگر ہندوستان اپنے اوپر خود حکومت کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا ہے۔

تو ان کے زعم ناقص میں صرف اتنی بات ضرور ہے کہ اس ملک پر حکومت کرنے کے لیے کوئی وزیر مقرر کر دیا جائے اور دیگر وزراء کی طرح یہ وزیر بھی پارلیمنٹ کا ذمہ دار قرار دیا جائے لیکن فہوس ہے کہ ایک غیر ملکیت حکومت کرنے کا یہ طریقہ اگرچہ سب آسان ہے مگر سب کے بدتر ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اسکے مؤید ہیں وہ عمدہ گورنمنٹ کے شرائط کو خاک نہیں سمجھتے ہیں کسی ملک پر ایسی ملک کے لوگوں کا ذمہ دار بنکر حکومت کرنا اور بات ہے اور ایک ملکیت دوسرے ملک کے لوگوں کا ذمہ دار بنکر حکومت کرنا اور بات ہے پہلی قسم کی حکومت کی عمدگی کی دلیل یہ ہے کہ آزاد مطلق العنانی سے بہتر ہے لیکن دوسری قسم کی حکومت تو خود مطلق العنان ہے اس صورت میں حکومت کا حصر چند قسم کی مطلق العنانی پر ہو جاتا ہے اور یہ امر یقینی نہیں ہے کہ اس کے وراد میوں کی مطلق العنانی چند اشخاص یا ایک شخص کی مطلق العنانی سے لامحالہ بہتر ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ ان لوگوں کی مطلق العنانی جو اپنی رعایا کو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کی کیفیت سے واقف ہو سکتے ہیں ان لوگوں کی مطلق العنانی سے ہے جو اس کو سن سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں اور اس کی کیفیت سے بھی آگاہ ہیں اکثر یہ گمان نہیں کیا جاتا ہے کہ اہلکاران سلطنت عمدہ طور سے حکومت کرتے ہیں کیونکہ جس ملک کی طرف سے وہ حکمرانی کرتے ہیں وہ اس ملک میں موجود نہیں ہے اور اس کو ہزار ہا ایسے امور پر توجہ کرنی پڑتی ہے جو اس ملک کے معاملات کی نسبت بہت زیادہ اہم ہیں۔ ان کا مالک ان کو سخت ذمہ دار قرار دیکر ان کی ذمہ داری کو شدید سزاؤں کے ذریعہ سے نافذ کر سکتا ہے لیکن کلام یہیں ہے کہ آیا اکثر سزایاب دہی لوگ ہونگے جو مستوجب سزا ہیں۔

ایک ملک کے رہنے والوں کو دوسرے ملک پر حکمرانی کرنے میں ہمیشہ



بڑی بڑی قوتیں پیش آتی ہیں اور ایسی حکومت ہمیشہ ناقص ہوتی ہے جسے کہ جب حاکم اور محکوم کی عادات اور خیالات میں اختلافات عظیم نہوت بھی ہو تا ہے۔ کیونکہ غیر ملک لے اُس ملک کے باشندوں سے ہمدردی نہیں رکھتے ہیں اور جو کیفیت کسی چیز کی انکو دکھائی دیتی ہے یا جس طریقے کوئی بات انکے دل پر اثر کرتی ہے اُس سے وہ یہ قیاس نہیں کر سکتے ہیں کہ رعایا اسکو کیا سمجھگی یا اُسکے دل پر اسکا کیا اثر ہوگا اور جس امر کا علم و برداری اُس ملک وہ آدمی رکھتا ہے جو واسطہ درجہ کی علی لیاقت رکھتا ہے اسکو یہ غیر ملک لے بعد غور و تامل اور تجربہ بسیار اور آہستہ آہستہ سمجھتے ہیں مگر بھر بھی ناقص طور سے سمجھتے ہیں اور جن قوانین اور رسوم اور تمدنی تعلقات کے واسطے انکو قوانین بنانے پڑتے ہیں اُنسے وہ لڑا کین ہی سے واقف نہیں ہوتے ہیں بلکہ ناواقف محض ہوتے ہیں اور جزئیات کا علم انکو اُس ملک کے باشندوں ہی سے حاصل کرنا پڑتا ہے مگر انکو یہ سمجھنا دشوار ہوتا ہے کہ کس شخص کا اعتبار کریں۔ وہ لوگ اُنسے دُشمن اور بدگمان رہتے ہیں بلکہ غالباً اُنسے نفرت کرتے ہیں اور کمتر انکی ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں الا اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لیے اور وہ غیر ملک لے یہ جانتے ہیں کہ جو لوگ انکی خوشامد کرتے ہیں وہی لائق اعتبار ہیں اور اُنسے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ دوسری آدمیوں کو ذلیل و خوار سمجھینگے اور دوسری آدمیوں سے یہ خوف رہتا ہے کہ اسکا یقین ہرزہ نہ کرینگے کہ یہ غیر ملک لے جو کچھ کرتے ہیں ہماری بہتری کے لیے کرتے ہیں۔ یہ بخلاف ان دقتوں کے چند قوتیں ہیں جو ان حکام کو پیش آتی ہیں جو کسی غیر ملک پر یا نڈاری سے اور عمدہ طور سے حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان دقتوں کو کسی قدر بھی رفع کرنا بڑی محنت اور جاکشی کا کام ہے جسکے لیے حکام اعلیٰ

اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور حکام ادنیٰ میں اوسط درجہ کی لیاقت درکار ہے اور ایسی گورنمنٹ کا سب سے عمدہ انتظام وہ ہے جس سے بڑی بڑی ذمہ داری کے عہدوں پر بڑے بڑے لائق آدمی مقرر کیے جائیں اور وہ سب سے زیادہ محنت کریں اور ان کی لیاقت کی تکمیل ہو جائے۔ ایک ایسے حاکم کا ذمہ دار اور جوابدہ ہونا جسے اس کام میں کچھ بھی محنت نہیں کی ہے اور نہ کچھ لیاقت حاصل کی ہے بلکہ جو یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ اس کام کے لیے کچھ لیاقت یا مشقت درکار ہے یا نہیں ہے ایک نہایت موثر ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل کا نہیں تصور ہو سکتا ہے۔

کسی قوم کا اپنے اوپر خود حکومت کرنا کچھ معنی رکھتا ہے اور ایک امر واقعی ہے مگر ایک قوم کا دوسری قوم پر حکومت کرنا ایک ایسی چیز ہے جو موجود نہیں ہے بلکہ ممکن بھی نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک قوم دوسرے کو طوطے مینا یا مربے اچھار کی طرح اپنے استعمال کے لیے رکھے یا اسکو روپیہ گمانے کا آلہ سمجھ لے یا اسکو گلے گورھو کی طرح ایک مقام پر بند کر رکھے اور اس کے انتظام سے خود منتفع ہو۔ لیکن اگر گورنمنٹ سے غایت و غرض رعایا کی نفع رسانی ہے تو یہ امر محض ناممکن ہے کہ کوئی قوم حکومت خود کرے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی ہے کہ اُس میں جو سب سے لائق آدمی ہوں انکو اس کام کی نگرانی کے لیے مقرر کر دے۔ مگر یہ لائق آدمی اپنے فرض کو نبھانے میں اپنے ملک کی رائے کی بہت پابندی نہیں کر سکتے ہیں۔ اور یہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جس طریقے سے اپنے فرض منصبی کو ادا کیا ہے اسکو پائے ملک کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے دل میں فرمایہ تو سنجیدگی خود انگریزوں پر کیونکر حکومت کی جائے اگر وہ اپنے ملک کے معاملات کا علم اور پردا اس سے

زیادہ نہ رکھیں جنبا علم اور پرواہ اہل ہندو کے معاملات کی رکھتے ہیں۔ اس مثال سے بھی کیفیت نہیں معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ ہندو لوگ امور سیاست سے بالکل بے پرواہ ہیں اور غالباً وہ جہلاً مورگورنٹ کی رائے پر چھوڑ دینگے اور ہندوستان میں یہ کیفیت ہے کہ انگریز لوگ تو پورے لیکل امور میں ایسے مشاق اور براق اور ہندوستانی تسلیم درحکام ایسے عادی ہیں انگریز لوگ اُنکے امور میں کبھی کبھی دست اندازی کرتے ہیں اور جب درست اندازی کرتے ہیں غلط موقع پر کرتے ہیں اور وہ واقعی اسباب جو ہندوستان کی خوشحالی یا بدحالی اور ترقی یا تنزل کا باعث ہیں اُنکے (انگریزوں کے) خیال سے کوسوں دور ہیں بلکہ وہ تو اتنا علم بھی نہیں رکھتے ہیں کہ ان اسباب کے وجوہ کے قائل ہو جائیں بھلا اُنکے اثر کا اندازہ کرنا تو بڑی بات ہے ممکن ہے کہ اُس ملک کے اہم معاملات کا انتظام بہت عمدہ طور سے کیا جائے مگر وہ اُسکو پسند نہ کریں یا یہ کُل انتظام بہت خراب کیا جائے مگر اُنکے کان پر جون بھی نہ رہے۔ دو وجوہوں سے وہ (اہل ہندوستان) اپنے قائم مقاموں (حکام ہندوستان) کی کارروائی میں دست اندازی کرنے یا اُسکو روک دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ انگریزی خیالات ہندوستانیوں کے حلق میں زبردستی ٹھوس رہے جائیں مثلاً انکو عیسائی بنانے کی تدبیریں کچا بنیں یا ایسے افعال عمدہ یا سہو آگے جائیں جسے ہندوستانیوں کو تافذی مذہبی پہونچے۔ حکمران ملک میں جو ہندوستانیوں کی نسبت غلط رائے قائم ہوئی ہے اسکی ایک مثال یہ ہے کہ آج کل انگلینڈ میں یہ غل مجا ہوا ہے کہ سرکاری اُسکولوں میں توحید و تجلیل طلبہ یا اُنکے الدین کی اجازت سے پڑھائی جائے۔ اہل یورپ کی نظر سے دیکھیے تو اس سے رعایا کی مذہبی آزادی میں کچھ خلل یا فتنہ نہیں پڑ سکتا ہے۔ مگر ایشیائی آدمیوں کی نظر میں

اسکے اور یہی کچھ معنی ہیں کیونکہ کوئی ایشیائی قوم یہ یقین نہیں کرتی ہے کہ گورنمنٹ اپنے تختہ دار افسران اور اہلکاروں کو بے وجہ اور بلا سبب کبھی تکلیف دیتی ہے اور کوئی ایشیائی آدمی یہ باور نہیں کرتا ہے کہ جب گورنمنٹ کو کوئی امر نظر ہوتا ہے تو اسکو ادھر اور اچھوڑ دیتی ہے اور اگر ایسا کرے تو وہ گورنمنٹ بالکل ضعیف اور بے وقعت ہے اگر سرکاری اسکولوں میں عیسائی مذہب ہندوستانی طلبہ کو سکھایا جائے تو چاہے کیسا ہی شدید غلبہ عہد کیا جائے کہ مذہبی تعلیم صرف انھیں طلبہ کو بجائیگی جو خود اسکے طالب ہیں اور چاہے کیسی ہی شہادت قطعی اس امر کی پیش کیا جائے کہ انکے والدین کو خواہ مخواہ یہی خیال ہوگا کہ ہمارے لڑکوں کو ناجائز و زلیع سے عیسائی بنانا یا اپنی ذات پر ادوری سے خارج کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اگر آزاد لڑکوں کے خلاف ثابت ہو جائے تو اسکا سبب صرف یہ ہوگا کہ ان اسکولوں کے بنائے کوئی لڑکا عیسائی نہ بن سکا۔ اور جس مقصد سے مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اگر اس مقصد کو ترقی دینے میں اس تعلیم کا ذرا سا بھی اثر ہو جائے تو سرکاری تعلیم کے صرف افادہ اور وجود ہی میں نہ خلل واقع ہو بلکہ شاید خود گورنمنٹ کی عافیت میں فتور پڑ جائے جس انگریز کا مذہب پراسٹنٹ ہو مگر ہزار سمجھائیے کہ متعارف لڑکے رومن کیتھولک نہیں بنایا جائیگا مگر وہ اپنے لڑکے کو رومن کیتھولک اسکول میں ہرگز نہ پڑھوائیگا علیٰ مذاہب اس آئیر لینڈ کے رومن کیتھولک کے باشندے اپنے لڑکوں کو ان اسکولوں میں نہ بھیجینگے جہاں وہ پراسٹنٹ بنا ڈالے جائیں۔ پس کیا تاشے کی بات ہے کہ ان ہندوؤں سے جبکہ اعتقاد میں شخص مس بدنی یعنی چھوٹے سے دھرم ناس ہو جاتا ہے ہم لوگ اس بات کی توقع رکھیں کہ وہ اپنی اولاد کو اس اسکول میں بھیجینگے جہاں انکے عیسائی ہو جانے کا خوف ہو؟

پس یہ ایک طریقہ ان طریقوں میں سے ہے جسے حکمران ملک کی رائے کے  
 اثر نیک سے زیادہ اثر بدائیکے مقرر کردہ گورنروں کے کردار پر ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے  
 حکمران ملک ان امور میں بھی اکثر دست اندازی کرتا ہے جنکے باب میں اس پر شدید  
 تقاضا کیا جاتا ہے یعنی جن انگریزوں نے ہندوستان میں بود و باش اختیار کی ہے انکی  
 طرف سے اکثر ولایت والے لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ  
 ان انگریزوں کے دوست آشنا اور اخبارات ولایت میں موجود ہیں اور وہ ان کے  
 خاص و عام سے بھی یہ لوگ رسائی رکھتے ہیں اور انکے ہم زبان اور ہم خیال ہیں۔  
 لہذا جو شکایت کوئی انگریز کرتا ہے اسکو اہل ولایت بڑی ہمدردی سے سنتے ہیں  
 گو عمداً انکی بچ نہیں کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی امر ایسا ہے جس پر سارے عالم کا تجربہ گواہ ہے  
 تو وہ امر یہ ہے کہ جب ایک ملک دوسرے کو اپنا محکوم بنالے تو سب سے زیادہ  
 روک ٹوک حکمران قوم کے ان آدمیوں پر کرنی لازم ہے جو اس غیر ملک میں دبیہ  
 کمانے کے لیے جلتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے باعث گورنمنٹ کو ہمیشہ سخت دقت  
 پڑتی ہے۔ کیونکہ قوم فاتح کا نخوت اور غور انکے دماغ میں سمایا ہوتا ہے اور انکے دل میں  
 مطلق العنانی کی امنگ ہوتی ہے اور اپنی ذمہ داری کا خیال نہیں ہوتا ہے۔ ایسی خلعت میں  
 جیسی ہندوستان کی ہے حکام کیسی ہی کوشش ملین کرین گروہ بھی زیر دست کو زیر دست کے  
 شر سے بچانے کے لیے کافی نہیں ہوتی ہے اور سب سے زیادہ زیر دست انگریز ہیں  
 جنہوں نے دہان بود و باش اختیار کر لی ہے۔ جب انہیں سے کسی شخص کے ذاتی خلاف  
 اس کیفیت کے مصلح ہوں تو اور بات ہے ورنہ عموماً وہ لوگ ہندوستانیوں کو  
 اپنی خاک پا سمجھتے ہیں اور انکو سخت ناگوار گدڑتا ہے کہ ہندوستانیوں کے کسی قسم کے

حقوق انکے ادنیٰ و دعویٰ کے بھی مانع و مزاحم ہوں اور اگر وہ لوگ کوئی محکمانہ فعل اپنے مقاصد تجارت کے لیے مفید سمجھ کر کرتے ہیں اور ہندوستانیوں کا تحفظ اس سے کیا جاتا ہے تو اسکو وہ ایک ضرر قرار دیکر اسکی شکایت کرتے ہیں۔ الغرض جو بحث انکی ہے وہ اسی کی مقتضی ہے کہ وہ لوگ ذرا ذرا سی بات برگرڈ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر چیز حکام اعلیٰ انکو چشم نمائی کرتے رہتے ہیں مگر انکے نفاق کی کیفیت کم و بیش ظاہر ہو کر آتی ہے۔ خود گورنمنٹ تو اس نفاق کی کیفیت سے بری ہے مگر وہ اپنے انسران ملکی و فوجی سے اس کیفیت کو دفع نہیں کر سکتی ہے حالانکہ انپروہ اس سے زیادہ اختیار رکھتی ہے جتنا ان یورپین باشندوں پر کھتی ہے جو اسکے ملازم نہیں ہیں۔ کیفیت انگریزوں کی ہندوستان میں ہے معتبر شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی کیفیت فریسیوں کی صوبہ الجیرس میں اور اہل امریکا کی ان ملکوں میں ہے جنکو انھوں نے میکیز کو کے بادشاہ سے چھین لیا ہے اور وہی کیفیت اہل یورپ کی جپسین میں بلکہ جاپان میں بھی ہے۔ ان سب صورتوں میں وہ گورنمنٹ جسکی رعیت یہ خود غرض لوگ ہیں خود اُنسے بہتر ہے اور حتی الامکان ویسے آدمیوں کو انکے شر سے بچاتی ہے۔ حتیٰ کہ اسپانیہ کی گورنمنٹ نے بھی سچے دل سے ایسا ہی کیا مگر اسکی کچھ نہ بچا جیسا کہ میلپس صاحب کی تاریخ کے ناظرین پر عیان ہے۔ اگر اسپانیہ کی گورنمنٹ اہل اسپانیہ کی مواخذہ دار ہوتی تو شاید وہ ایسی کوشش نہ کرتی کیونکہ اہل اسپانیہ غالباً اپنے عیسائی دوستوں اور عزیزوں کی جنبہ داری کرتے اور کفاری کی طرف داری نہ کرتے ولایت کے لوگ انھیں نوآباد انگریزوں کی سنتے ہیں بچائے ہندوستانیوں کی کون سنتا ہے اور انھیں کی عرض و معروض سچی خیال کیجاتی ہے کیونکہ صرف وہی لوگ

ایسے دلیر ہیں اور ایسے سباب کہتے ہیں کہ ولایت کے لائٹلی اور بے پروا خلقت کو اپنی شکایتوں پر متوجہ کر لیتے ہیں۔ اور قوموں کی پسندیت انگریزوں کا زیادہ قاعدہ ہے کہ انکی قوم کے آدمی جو کردار غیروں کی نسبت اختیار کرتے ہیں اُس پر وہ بڑی بدگمانی سے جرح و قبح کیا کرتے ہیں مگر اکثر صرف حکام کی کارروائیوں پر کٹہہ چینی کرتے ہیں اور جو تنازعات درمیان گورنمنٹ اور کسی شخص کے واقع ہوں ان سب میں انگریز لوگ یہ قیاس کر لیتے ہیں کہ گورنمنٹ غلطی پر ہے۔ اور جب ہندوستان کے باشندے انگریز پویشٹل کالڈوائی کی توہین اُن دھسوں پر مارنا شروع کرتے ہیں جو ہندوستانیوں کو انکے حوصلے بچانے کے لیے بنائے گئے ہیں تو وزراء عموماً اپنی پارلیمنٹی اغراض کے تحفظ کی نظر سے باہر کیفیت داغ خراشی سے بچنے کے لیے دشمن کے دھامے کو ٹھکنے کی بہ نسبت سہارہ کو چھوڑ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

اس سیر طرہ یہ ہے کہ جب محکوم قوم کی طرف سے انصاف اور مرد دم دوستی کا حکم لیکر ولایت کے لوگوں سے ہتھانہ لیا جاتا ہے تب بھی ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ غلطی کرتے کیونکہ خود قوم محکوم میں ظالم اور مظلوم دونوں موجود ہیں اور ذی قدر اشخاص یا فرستے بھی ہیں اور غلام بھی ہیں جو انکو سجدہ کرتے ہیں اور اہل ولایت تک اگر رسائی ہے تو امر کو ہے غبار کو نہیں ہے۔ ایک ظالم یا عیاش آدمی جسکے ضیارت اسلئے بھیجے گئے ہیں کہ انکا ناجائز استعمال کرتا تھا اور جسکو سزا دینے کے بدلے مال و دولت اور شان و شوکت دی گئی ہے۔ ایک فرقہ مالکان اراضی کا جنگی خواہش یہ ہے کہ سرکار اُس حق سے دست بردار ہو جائے جو انکی اراضیات کی لگان کی نسبت کہتی ہے اور جو رعایا کو اپنی زیادہ پستانی سے بچانے کی کوشش کو اپنی حق تلفی

سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی حمایت خود غرضی یا تعصب سے پارلیمنٹ اور اجارہ  
 بے تکلف کرتے ہیں مگر درہا بے زبانوں کی حمایت کوئی بھی نہیں کرتا ہے۔  
 مذکورہ بالا دلائل سے ایک ایسے اصول کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس سے  
 کوئی واقف ہوتا تھا اسکو بدیہی کہنا جائز ہوتا۔ وہ اصول یہ ہے کہ محکمہ دار ہونا  
 تو سب سے بڑا ضامن عہدہ گورنمنٹ کا ہے مگر اور کسی شخص کا ذمہ دار ہونا ایسا گنہگار نہیں ہے  
 بلکہ اس میں نفع اور نقصان دونوں کا برابر احتمال ہے ہندوستان کے حکام انگریز قوم  
 انگریز کے ذمہ دار ہیں اور اس ذمہ داری سے خاص فائدہ یہ ہے کہ جب گورنمنٹ کے  
 افعال پر اعتراض کیا جاتا ہے تو انکا اعلان ہوتا ہے اور اپنے تحت ہوتی ہے جسکا  
 مفید ہونا سپر موقوت نہیں ہے کہ عوام الناس امر متنازع قیہ کو سمجھ جائیں بشرطیکہ انہیں  
 چند اشخاص ایسے ہوں جو اسکو سمجھ سکیں کیونکہ محض اخلاقی ذمہ داری مجموعہ قوم کی  
 ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس شخص کی ذمہ داری ہے جو کوئی رائے قائم کر سکتا ہے اور  
 راجوں کا وزن بھی اور شاہی ہو سکتا ہے اور اگر ایک شخص کسی مسئلہ کے بالا اور اعلیٰ سے خوب واقف ہو  
 تو اس ایک کی رائے نظر مانا وقت و مین کی رائے پر ترجیح رکھتی ہے حکام پر قید بیشک  
 مفید ہے کہ ان سے فوراً جواب طلب ہو سکتا ہے اور اہل جوری میں سے ایک یا دو شخص تو ان کے  
 کردار کی نسبت ایسی رائے قائم کرینگے جو قابل پذیرائی ہوگی مگر یا قیام ذمہ اہل جوری کی رائے کا  
 وجود غالباً عدم سے بھی بدتر ہوگا۔ بہر کیف۔ ہندو فائدہ ہندوستان کو اس نگرانی سے جسے  
 پارلیمنٹ اور ولایت کے لوگ گورنمنٹ ہند پر عمل میں لاتے ہیں۔

پنجاب کے لوگ اپنا فرض نسبت اہل ہند کے اگر ادا کر سکتے ہیں تو یوں  
 نہیں ادا کر سکتے ہیں کہ خود براہ راست اپنے حکومت کریں بلکہ اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ



ملک کے لیے عمدہ عمدہ حکام کو مہیا کریں اور ہندوستان کے لیے اُس انگریز وزیر سے بدتر کوئی نہیں ہے جو انگریزی سیاست کا خیال کرتا ہے ہندوستانی سیاست کو نہیں سمجھتا ہے اور جو اپنے عمدہ پر اتنی مدت تک نہیں رہتا ہے کہ ایسے پیچیدہ مضمون کو کما حقہ سمجھ سکے اور جس پر مصنوعی رائے عوام میں پالہٹ کے دو تین خوش بیان مقلدون کی رائے شامل ہوتی ہے ویسا ہی قوی اثر کرتی ہے جیسا اصل اور واقعی ملے جمہور کرتی ہے اور اسکو ایسے ذی علم اور معزز آدمیوں کی صحبت نہیں نصیب ہوتی ہے جس سے وہ بجائے خود ایمانداری سے ایک نئے فائدہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ آزاد ملک جو ایک دور دراز غیر ملک حسین بالکل غیر قومن بہتی ہیں اپنے خاص علائقہ شعبہ کے ایک جز کے ذریعہ سے حکومت کرنا چاہے خواہ ناکام رہیگا۔ صرف ایک ہی طریقہ ہے اُس ملک کے کچھ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُس غیر ملک پر اپنے قائم مقاموں ایک منتقل کونسل کے ذریعہ سے حکومت کرسم دور وہ ان وزرا کو جن میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے صرف نگرانی اور نا منظوری کا حق یا جائے۔ ایسی کونسل ہندوستان کے لیے موجود ہو چکویا نذیشہ ہے کہ ہندوستان اور گلستان دونوں کو اُس کوتاہ میں حکمت عملی کا سخت خیمارہ آٹھانا پڑیگا جس سے یہ درمیانی ذریعہ حکومت کا موقوف کروا گیا ہے۔

یہ کہنے سے کیا فائدہ ہے کہ ایسے قائم مقاموں کی کونسل میں عمدہ گورنمنٹ کے سب لوازم نہیں جمع ہو سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایسی کونسل کو محکومین کے ساتھ وہ کامل اور موثر اتحاد و اغراض نہیں ہو سکتا ہے جسکو حاصل کرنا اُس ملک میں بھی مشکل ہے جہاں محکوم قوم کچھ باقی اپنے ملک کے معاملات کے انتظام کی کہتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اُس ملک کے حالات ہی ایسے ہیں کہ واقعی عمدہ گورنمنٹ

دوران ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ چند ناقص گورنمنٹوں میں امر دائر ہے۔ اور غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ حکمران کو نسل ایسے طریقے سے قائم کیا جائے کہ باوجود ان وقتوں کے جو انکو پیش میں بکازیاوہ سے زیادہ فائدہ عمدہ گورنمنٹ میں ہوا اور کم سے کم فائدہ خراب گورنمنٹ میں ہو یہ شرائط ایک مریانی کو نسل میں بخوبی پائے جاتے ہیں۔ وہ مطلق ماکج اہل ولایت کی طرف سے نیا بتا گئی ملک حکومت کرین خود اہل ولایت کی حکومت پر بائین معنی ترجیح رکھتے ہیں کہ انکو اور کوئی فرض نہیں ادا کرنا پڑتا ہے سو اس فرض کے جو محکومین کا انکی گردن پر ہے اور انکو کسی کے اغراض پر غور نہیں کرنا پڑتا ہے سو ان اغراض کے جو محکومین کے ہیں اور بد انتظامی سے متعلق ہونے کا اختیار جو وہ رکھتے ہیں انہیں بہت کمی ہو سکتی ہے دیکھنا ایسٹ انڈیا کمپنی کی سب آخری ترکیب میں یہ اختیار بہت کم ہو گیا تھا، اور وہ اس جنبہ داری سے بالکل بری رہ سکتے ہیں جو کسی دوسرے شخص کو کسی آدمی یا کسی قوم کے اغراض کی نسبت ہو۔ جب انگلستان کی گورنمنٹ اور پارلیمنٹ اس اختیار کی تعمیل میں جو آخری درجہ میں انکو دیا گیا ہے فرقی جنبہ دار یون سے مجبور ہو جاتی ہیں تو یہ مریانی کو نسل پارلیمنٹ میں اس ملک کی طرف سے جبکی حکومت اس سے متعلق ہے ختم ٹھوک کر لڑتی ہے۔ علاوہ اسکے اس درمیانی کو نسل میں خاص کردہ اشخاص ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے ملک کے معاملات کے اس جزو کا ایک خاص علم حاصل کیا ہے اور جنہوں نے خود اس ملک میں اس کام کو سیکھا ہے اور اپنی عمریں اسی کے انتظام میں گذاری ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں یہ لیاقتیں موجود ہوتی ہیں اور انکا عہدہ ان پر بالکل تعلقات سے جو ولایت میں واقع ہوا کرتے ہیں جانی نہیں سکتا ہے لہذا وہ بہتر اس ملک کی صلاح میں مصروف رہتے ہیں جبکی حکومت ان سے متعلق کی گئی ہے اور اپنے انتظام کی

کا سیلابی اور جو ملک اُنکے زیر انتظام ہے اسکی ترقی و برتری کی فکر اُس سے زیادہ کتنے ہیں جنہی نگردہ وزیر و اہل کسب و کار کی گورنمنٹ کا ماتحت ہو ہر ملک کی خوش انتظامی کی کر سکتا ہے بجز اُس ملک کے جسکا وہ لوگوں ہے۔ جہاں تک تقرر اُن حکام کا جو اُس ملک میں موجود رہ سکا انتظام کرتے ہیں اس کو نسل کی رے پر موقوف ہے ان تفرقات میں فرقی یا پارلیمنٹری نظام یا نہیں ہونے باقی ہے اور نہ ناجائز مرئی گری اور ہوا خواہوں کی رعایت و مروت یا انجیٹو رلام کرنے کی خواہش کو اُن تفرقات میں دخل ہوتا ہے حالانکہ وسط درجہ کے متدین ارباب سیاست اُن امور کا لحاظ اسکی نسبت زیادہ رکھتے ہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ سب سے زیادہ لائق آدمی کو اس عہدے پر مقرر کریں۔ اس قسم کے تفرقات کو جہاں تک ممکن ہو یہی خرابیوں سے بچانا بہر کیف لازم ہے اور اُنکے سوچ اور سب سرکاری عہدوں میں چاہے کیسی ہی خرابیاں پڑ جائیں بلائے۔ کیونکہ اگرادری صیغہ کا افسر علی نالائق ہے تو اس ملک کی نام لے اسکو ہدایت کر سکتی ہے کہ اسکو کیا کرنا چاہیے مگر جس ملک کے لوگ قابل نہیں کہ اپنے معاملات کا انتظام خود کر لیں اُنہیں گورنمنٹ کی نیکنامی ہر ایک عہدہ دار کی اخلاقی اور عقلی لیاقتوں پر بالکل موقوف ہے۔

اس بات کو مکرر عرض کرنا فضول نہیں ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں ہر ایک امر عہدہ دار ان گورنمنٹ کے اوصاف اور کمالات ذاتی پر موقوف ہے۔ یہی اصل اصول ہندوستان کے انتظام کا ہے۔ جن میں یہ خیال کیا جائیگا کہ ذمہ داری کے عہدوں پر لوگوں کو صرف بغیر سہولت مقرر کرنا ہو انگلستان میں ایک جرم بھجا جاتا ہے ہندوستان میں کچھ معیوب نہیں ہے پس اُسی روز ہماری سلطنت ہند میں زوال و انحطاط شروع ہو جائیگا اگرچہ ہمارا اصل منشا یہی ہو کہ سب سے زیادہ لائق آدمی سرکاری عہدہ پر مقرر کیا جائے۔

ہم صرف تقدیر یا نجات و اتفاق پر بھروسہ کرنا کہ سب سے زیادہ لائق اشخاص ہی  
 کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا قاعدہ ہونا چاہیے جس سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جن کا  
 ایسا ہی ہونا ہے اور اسی وجہ سے ہماری عہداری ہندوستان میں باقی رہی ہے  
 اور اس ملک کی سرسبزی اور خوشنظمی میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہی ہے۔ بالفضل  
 اس قاعدہ سے ایسی شدید مخالفت ظاہر کجائی ہے اور اس کو مٹا دینے کا ایسا شوق  
 ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا عہدہ داران کو رنٹ کو انکے کام کے لیے تعلیم و تربیت  
 کرنا ایک محض بے دلیل اور غیر واجب امر ہے اور جہلا را اور نا تجربہ کاروں کے  
 حقوق میں دست اندازی کرنا ہے بعض حضرات ایسے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے  
 ہندوستانی عہدے ہمارے متعلقین کو کسی نہ کسی ترکیب سے مل جائیں اور بعض صاحب  
 ہندوستان ہی میں موجود ہیں اور یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ نیل کی کوٹھی یا ٹرنی کے  
 دفتر سے ترقی پا کر جنج کا عہدہ یا جائین یا کلکٹر یا جیے جائیں اور اس مالگزاری کو  
 تشخیص کیا کریں جو کروڑا آدمیوں سے سرکار کو ملنی چاہیے اور ولایت والوں اور  
 ہندوستان کے انگریزوں میں سرکاری عہدوں کے باب میں ایک قسم کی  
 ضمنی سازش ہے اور سول سروس کی تخصیص کی بڑی ہجو و مذمت کی جاتی ہے  
 مگر سول سروس کی تخصیص ان لوگوں سے جنہوں نے امتحان مفتابلہ  
 پاس کیا ہے نسل ایک ہے کہ جو ڈیشل عہدوں کی تخصیص با رستروں سے  
 کر دی جائے اور اس تخصیص کو موقوف کر دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مثلاً جی کے  
 عہدہ پر وہ صاحب تشریف لائینگے جبکہ دوست آشنا صرف اتنی تصدیق کریں گے  
 کہ انہوں نے کبھی کبھی بلک سٹن صاحب کی کتاب اصول قانون کو دیکھ لیا ہے

اگر طریقہ کبھی اختیار کیا جائے کہ اس ملک سے لوگ ہندوستان میں بھیجے جائیں یا انکو وہاں جانے کی ترغیب اسلئے دی جائے کہ وہاں پہنچتے ہی بڑے بڑے عہدوں پر فوراً مقرر کر دیے جائیں بغیر اسکے کہ پہلے چھوٹے چھوٹے عہدوں پر اپنا کام سیکھ چکے ہوں تو بڑے بڑے عہدے اُن بے فکران کو مل جائینگے جو اُس ملک (ہندوستان) سے یا وہاں کے کام سے کوئی تعلق بحیثیت پیشہ کے نہیں رکھتے ہیں اور وہاں کے حالات سابقہ سے واقف نہیں ہیں اور اسی فکر میں رہتے ہیں کہ جلد ہی روپیہ کماتا کر اپنے وطن کو واپس جائیں۔ اُس ملک کی جان بچنے کی یہی صورت ہے کہ جو لوگ اسکا انتظام کرتے ہیں وہ جوانی میں صرف بطور امیدواروں کے وہاں بھیجے جائیں اور ملازمت سرکاری کے نیچے کے زمینہ سے اوپر چڑھنا شروع کریں اور اُنکا آگے بڑھنا یا نہ بڑھنا اسپر موقوف رکھا جائے کہ ایک مدت مناسب کے بعد وہ اپنی لیاقت کو ثابت کریں یا نہ کریں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قاعدہ میں یہ عیب تھا کہ اگرچہ بڑے بڑے عہدوں کے لیے سب سے زیادہ لائق آدمی باحتیاط تمام تلاش کیے جاتے تھے تاہم اگر کوئی عہدہ دار ملازمت سرکاری میں قائم رہتا تھا تو آخر کو کسی نہ کسی صورت سے ترقی ضرور پاتا تھا اور اسمیں لائق اور نالائق سب برابر تھے۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ عہدہ داران سرکاری کی یہی فوج میں جو کم لیاقت آدمی ہوتے تھے وہ اپنے کام کو سیکھ چکے ہوتے تھے اور اُسکو اپنے انسر علی کی اتھنی میں چند سال تک نہایت قلیل مشاہرہ پر انجام دے چکے ہوتے تھے اور اسمیں کچھ اُنکی ذلت نہ تھی۔ گو اس باعث سے یہ خرابی کم ہو گئی تاہم بہت باقی تھی کہ جو شخص ایک اسٹنٹ کے کام سے بہتر کام کے لائق کہی نہ جاتے۔

وہ عمر بھر اس سٹنٹ ہی رہے اور اسکے جو زیر عہدہ دار ترقی پا کر اسکے اوپر چلے جائیں سو اس عیب کے میرے علم و یقین میں اور کوئی عیب ہندوستانی عہدوں کے قدیم قاعدہ میں نہیں ہے اور اس قاعدہ میں سب سے بڑی اصلاح جو ممکن تھی وہ بھی ہو گئی ہے یعنی اصل امید وارانہ انتخاب مقابلہ کے ذریعہ سے منتخب کیے جاتے ہیں اور اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے لائق اور محنتی آدمی سرکاری عہدوں پر مقرر ہوتے ہیں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس قاعدہ کے بموجب سرکاری عہدوں کے امیدواروں میں اور ان اشخاص میں جنکی رائے سے وہ عہدے دیے جاتے ہیں کوئی رشتہ قرابت وغیرہ نہیں ہوتا ہے۔

یہ امر ہرگز خلاف انصاف نہیں ہے کہ وہ عہدہ داران سرکاری جو اس طور سے منتخب کیے جائیں اور سکھائے جائیں خاص کر ان عہدوں پر مقرر کیے جائیں جن میں ہندوستان کے حالات سے خاص واقفیت اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ اگر بڑے بڑے عہدوں کا دروازہ بغیر اسکے کہ پہلے چھوٹے عہدوں پر کام کیا ہو گا ہے ماسے بھی کھول دیا جائے تو معزز اشخاص ہمیشہ اسکی کنڈی کھڑکھڑایا کریں گے اور اسکو بند رکھنا محال ہو جائیگا۔ اس قاعدہ سے صرف اس عہدہ کو مستثنیٰ کرنا چاہیے جو سب سے اعلیٰ ہے یعنی ہندوستان کا دیسرے وہ شخص ہونا چاہیے جو بنگالیزوں سے زیادہ عام لیاقت حکمرانی کی رکھتا ہو کیونکہ اگر وہ ایسی لیاقت عامہ رکھتا ہے تو اور لوگوں کو دیکھ کر فوراً پہچان جائیگا کہ مختص المقام معاملات کا وہ خاص علم اور تجربہ رکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کا موقع خود اس دیسرے کو نہیں ملا۔ اسکے عہدہ وجوہ موجود ہیں کہ دیسرے باقاعدہ سروس کا ایک ممبر ہوں انہو

(۱) لا خاص صورتوں میں ہر قسم کے عہدہ داران سرکاری میں کم و بیش فزقی تعصبات  
 ضرور ہوتے ہیں جنہے نائب سلطنت کو بری ہونا لازم ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنی  
 عمریں ایشیائی ملکوں میں بسر کر دی ہیں چاہے وہ کیسے ہی لائق اور تجربہ کار ہوں  
 مگر غالباً انکے پورے خیالات امور عامہ سیاست کی نسبت ایسے عالیٰ نہ ہونگے  
 مگر نائب سلطنت کو لازم ہے کہ ایسے خیالات کو ولایت سے لے کر ساقیوں پر  
 ہندوستان کے تجربہ کے نتائج کے ساتھ آمیختہ کرے۔ علاوہ برین چونکہ دوسرے  
 ایک غیر فرقہ کا آدمی ہو گا لہذا اپنی ذاتی جنبہ داریوں کو سرکاری عہدوں پر  
 لوگوں کو مقرر کرنے میں کمتر دخل دیگا۔ یہ ایک بڑا ضامن اس بات کا ہے کہ مرنی گری  
 دیا ندری سے عمل میں لائی جائے اور اس کی نگیل اس انتظام میں خوب ہو گئی تھی۔ مبین  
 بادشاہ وقت اور ایسٹ انڈیا کمپنی دونوں کی شرکت تھی گورنر جنرل و گورنر  
 مبینی و مندراس وہ حکام اعلیٰ ہیں جو سرکاری عہدہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور ان  
 حکام اعلیٰ کو بادشاہ وقت یا وزیر در حقیقت مقرر کرتے تھے اگرچہ باقاعدہ طور سے  
 نہیں مقرر کرتے تھے اور درمیانی کونسل انکو نہیں مقرر کرتی تھی۔ پس دوسرے وہ  
 فخر جلیل اللہ تھا جسکو بادشاہ وقت مقرر کرتا تھا اور جو کسی قسم کا ذاتی یا پولیٹیکل تعلق  
 ہندوستان کے مصلحت سے یعنی عہدہ داران سرکاری سے نہیں رکھتے تھے مگر  
 وہ درمیانی کونسل جسکے اکثر ممبر ہندوستان میں سرکاری ملازم رہ چکے تھے پولیٹیکل  
 تعلقات اس ملک سے رکھتے تھے یا رکھنے کا احتمال تھا۔ اسناد و جنبہ داری کی  
 یہ تدبیر بہت ضعیف ہو جائے اگر گورنمنٹ کے ملازمان علی جوڑ کہیں ہی میں بطور  
 امید وادوں کے ہندوستان میں بھیج دیے جاتے ہیں اس طبقہ یا فرقہ سے لیے جائیں

جس سے دیر لے یا گورنر ان پہنچی و مدراس لیے جاتے ہیں کہ اس صورت میں ترقی بدلے  
 امتحان بھی طبیان کے لیے کافی نہوگا۔ کیونکہ اسکی وجہ سے محض جاہل اور نالائق آدمی  
 تو خارج ہو جائینگے اور عالی خاندان نوجوان مجبوری اسی قدر علم اور لیاقت حاصل  
 کرینگے جب قدر اور لوگ حاصل کرینگے اور جو لاکھا بالکل احمق ہو گا وہ ہندوستان کے  
 سول سروس میں اس طرح نہ داخل ہو سکے گا جس طرح چسرح یعنی پادری کے  
 پیشہ میں داخل ہو سکتا ہے مگر سرکاری عہدہ پر مقرر ہونے کے بعد غیر واجبہ چیز کا  
 کون مانع ہوگا۔ یہ نہوگا کہ جس شخص کے اختیار میں ملازمان گورنمنٹ کا تقرر ہے وہ  
 ان سے محض ناواقف اور نا آشنا ہو بلکہ بعض ملازمان گورنمنٹ ذاتی تعلق اور  
 بہت سے پولیٹیکل تعلق اس سے رکھتے ہونگے۔ پس اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض خاندانوں کے  
 آدمی اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ عموماً ان اشخاص کی نسبت جو انکے مد مقابل ہیں بہت  
 جلد ترقی کرینگے اور ان عہدوں پر قائم رکھے جائینگے جنکی لیاقت وہ  
 نہیں رکھتے ہیں یا ان عہدوں پر مقرر کیے جائینگے جنکے واسطے ان سے لائق تر آدمی  
 مل سکتے ہیں اور جو امور فوجی ملازمین کی ترقی میں پیش آتے ہیں وہی ملازمان ملکی  
 کی ترقی میں بھی پیش آئینگے۔ اور جو لوگ اپنی سادہ لوحی سے یقین کرتے ہیں کہ فوجی  
 ترقی میں کسی کی رعایت اور مروت نہیں کی جاتی ہے وہی اس بات کی بھی امید  
 رکھینگے کہ ہندوستان میں یہ فقرات بلا روئے رعایت عمل میں آئینگے میرے نزدیک  
 اس خرابی کا انسداد کسی عام تدارک سے نہیں ہو سکتا ہے جو قاعدہ موجودہ کے بموجب  
 عمل میں آسکتا ہو اور ایسی کسی تدبیر سے اس درجہ تحفظ نہوگا جو اس گورنمنٹ سے جہانام  
 و دہری گورنمنٹ رکھا گیا ہے خود بخود ہو جاتا تھا۔



جو امر انگلستان کی گورنمنٹ میں ایک نعمت عظمیٰ سمجھا گیا ہے وہی ہندوستان کی گورنمنٹ کے لیے ایک مصیبت ہو گئی ہے۔ وہ امر یہ ہے کہ ہندوستان کا طرز حکومت مجذبات کی وجہ سے اور ان آلات کو استعمال میں لانے سے جو دراصل ایک اور ہی مقصد کے لیے ایجاد کیے گئے تھے خود بخود اور بلا ارادہ پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ وہ ملک جس پر گورنمنٹ ہند کی بقا موقوف ہے ایسا نہ تھا جس کی ضرورتوں سے وہ گورنمنٹ پیدا ہوئی ہے جو گورنمنٹ ہند کہلاتی ہے لہذا اُس کے فوائد عمل کو اُس ملک کے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے ہاں اگر وہ فوائد دلائل عقلی سے اُن کو سمجھا دیے جاتے تو شاید وہ مان لیتے۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کی موجودہ طرز حکومت کی تائید میں دلائل عقلی موجود نہیں ہیں اور جو مفہومات گورنمنٹ کے فرارے گئے ہیں انہیں بھی ایسے فوائد گورنمنٹ ہند سے نہیں منسوب کیے گئے ہیں کیونکہ وہ مفہومات اُن حالات پر نظر کر کے مقرر کیے گئے ہیں جو اکثر اعتبارات ضروری سے ہندوستان کے حالات سے مختلف ہیں۔ مگر صیبا انسان کے دیگر افعال میں ہے ویسا ہی گورنمنٹ میں بھی ہے کہ تقریباً وہ سب اصول حکومتیات و قیام حاصل رہا ہے ابتدا میں کسی ایسی صورت کے ملاحظہ کرنے سے ذہن میں آئے تھے جس میں عام قوانین قدرت نے اپنا فعل باجماع اسباب جدید یا اسباب قدیم کیا تھا۔ برطانیہ عظمیٰ اور مالک متفقہ امریکا کے انہیں سلطنت کو دیکھ کر گورنمنٹ کے وہ مفہومات قائم کیے گئے تھے جو ہندوستان کے بعد اب یورپ کی قوموں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے پولیٹیکل زندگی کی سیر دکھا رہے ہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنمنٹ کی تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اُس نے سچے معنی اُس حکومت کے بنائے ہیں جو ایک جذب و شائستہ قوم ایک نیم وحشی ملک پر کرتی ہے۔

اور یہ کام کر کے کہیں موصوف خود ہی تشریف لے گئی۔ کیا خوب بات ہو اگر اور وہیں  
پشتون کے بعد نقطہ ہی نتیجہ تحقیق ایک نمونہ ہندوستان میں ہماری عملداری کا باقی  
رہ جائے اور آئندگان ہمارے باب میں یہ کہیں کہ حسن اتفاق سے ایسا عمدہ نظام  
ہمارے ہاتھ لگ گیا جسکو ہماری عقل ہرگز اختراع نہ کر سکتی اور جب ہماری عقل کی تکمیل  
کھل گئی تو ہم نے پہلا کام اس سے ہی لیا کہ اُس انتظام کو موقوف کر کے اُن فوائد کو ضائع  
کر دیا جو حاصل ہو رہے تھے اور یہ سب اسوجہ سے کیا کہ ہم اُن اصول سے واقف تھے  
جنہو وہ انتظام موقوف تھا۔ لیکن اگر یہ منظور ہے کہ وہ انجام نہونے پائے جس سے انگلستان  
اور تہذیب شائستگی کی سراسر ذلت اور اہانت متصور ہے تو مقصد برآری کی شکل  
یہ ہے کہ پولیٹیکل خیالات وسیع تر اُن خیالات سے سمجھے جائیں جو انگلستان ابور دیکے  
عمل درآمد سے پیدا ہو سکتے ہیں اور ہندوستان کے حالات اور گورنمنٹ ہند کی  
کیفیات میں اس سے بہت زیادہ غور و خوض کیا جائے جتنا تعین و تدبیر اس وقت تک  
انگلستان کے ارباب سیاست نے یا اُن لوگوں نے جو اہل انگلستان کو  
رائین بتاتے ہیں کیا ہے فقط۔

منت باخیر



بوستان - سعدی علیه الرحمة محشی جلی قلم عزیز خوشنویس شمس الدین صاحب -	معهد الجواهر - مصنفه ملا مظری - حکام اخلاق مین -
بوستان - محشی متوسط قلم برباب بالا -	مثنوی سبیل - برزش موعظت حکماء از سلیم نور حسین امرویهوی -
بوستان محشی ادبی قلم برباب بالا - پیش رنگین -	حکامات احسانی - در تدریس اخلاق -
بوستان محشی متوسط قلم مطبوعه علوی بوستان - محشی خرد و برباب بالا -	مجموعه صد پند سودمند - اقبال مع سادات در ساله خواجه حمید الدین انصاری و تحفه الملک و منیج العابدین -
بوستان محشی خرد مطبوعه نظامی -	انوار سبیلی -
باب چهارم و نهم بوستان در تواضع و تواضع خاموشی -	نگار دانش -
بوستان مترجم - یعنی اردو نظم شعر به شعر از محشی گویند پر شاد نصا -	دستور المعاش -
اخلاق جلالی محشی نفیس و خوشخط از علامه دانی معروف متداول -	رساله سیاست مدن -
اخلاق ناصری - از شیخ نصیر الدین محقق طوسی -	کتب اخلاق امامیه فارسی
اخلاق محشی تحشیه جدید و واضح قلم مصنفه لاجین اعطاء الکاشفی -	ابواب الجنان - از ملا محمد رفیع دو جلدین
	تواریخ شاهان و راجگان فارسی
	اکبر نامه - کمال تین و نمر از شیخ ابوالفضل دوریه شهنشاه اکبر صمیم خوشخط -
	تاریخ فرشته معرفت از ملا سلطان اکبر طبقات اکبری - از ملا نظام الدین -

حدائق اقبالیم - سلاطین و ذہل کمال  
ہر اقلیم -

مفتاح التواریخ - مولفہ مطہر ماس ولیم  
ابتداء اسلام سے فتح پنجاب تک -

جامع التواریخ - ختم عالم سے تاربول  
خاتم صلوات ملا فقیر محمد -

سیل التارخین - سلطان بائی تاریخ ہند تارخان  
سلطان مالگیر -

تاریخ وکن - از مولوی نصر اللہ خان -  
ترجمہ تاریخ طبری - بعد علم سے خفا

جغرافیہ تک -  
عما والسواۃ - تاریخ شاہان اودھ

از غلام علی خان ریوی -  
شاہنامہ فردوسی - کمال در و جلد

چومصرعہ با تصویر -  
شاہنامہ - قاسم گنا بادی تاریخ ہندستان

ترجمہ فارسی - تاریخ روس از اصل انگریزی  
مصنفہ ڈاکٹر میکسنزی ولز بہادر مترجم مولانا  
ابوالحسن سابق تحصیلدار اودھ پیشانیافتہ

جیسے قیاس و لحاظ حالات سلطنت روس  
بیان ہوے ویسا ہی سلیس ولا ویر ترجمہ  
ہر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہر جلد  
ایضا غیر جلد -

زبدۃ الاخبار - مولفہ ابو محمد حسن کشمیری  
نثر جغرافیہ جامع تحقیق ہندو اسلام و

کبیران کوک انگریزی و عجائب حالات  
زمین مطبوعہ مطبع غیر -

خصائل السعادت - مولفہ منشی صادق  
تحقیق نسب افغان -

وقائع نعت خاندانی - فتوحات  
سلطان مالگیر -

ہفت تماشائے قتل - مولفہ مرزا محمد حسن  
قتیل -

جگنامہ نعت خان عالی دلا ویر جدال  
شہزادگان دہلی -

### شعرا و شاعران

انشائی اسرار فریشتہ از منشی علی الدین بکری  
-----



آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار  
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی  
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

---











